شمارہ: 12
اکتوبر،نومبر،دسمبر 2020



مدیر
اے آر خان

سہ ماہی قندیلِ حق لندن

QINDEEL-E-HAQ

A.R. Khan: +44-7886304637 E-Mail : qindeelehaq@gmail.com

وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ؕ وَإِنَّهُ لَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۵۰﴾

(البقرۃ:۱۵۰)

اور جہاں کہیں سے بھی تُو نکلے اپنی توجہ مسجد حرام ہی کی طرف پھیر۔ اور یقیناً وہ تیرے ربّ کی طرف سے حق ہے۔ اور اللہ اُس سے غافل نہیں جو تم کرتے ہو۔



مسجد بیت الواحد، جرمنی



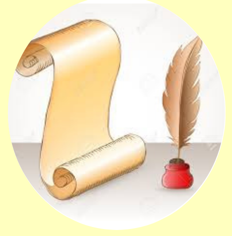
مسجد سلام، جرمنی

مجلس ادارت

فہرست

فہرست





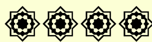
اداریہ اُمت کی بدترین مخلوق

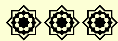
رانا عبدالرزاق خان۔لندن

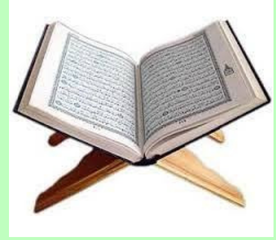


میرے پیارے رسول ﷺ نے جوفرمایا وہ ہمیشہ سچ ثابت ہوا۔کیوں نہ ہوکیونکہ وہ صادق امین ٹھہرا۔اس کے دشمن بھی اسے صادق اور امین کہتے تھے۔اور میرا خالق رب العلمین بھی اس کے کہے ہوئے الفاظ کی لاج رکھتا ہے۔آپ ﷺ نے فرمایا ہے کہ میری اُمت اسقدر بداعمال ہوجائے گی کہ یہودیوں سے بھی بدی میں بڑھ جائے گی۔مشابہت اسقدر ہو جائے گی۔جیسے ایک پاؤں کے جوتے سے دوسرا جوتا مشابہ ہوتا ہے۔آخر پر آپؐ نے فرمایا کہ اگرکسی یہودی نے اپنی ماں سے زنا کیا ہوگا تو میری اُمت سے بھی ایسے کم بخت لوگ نکل آئیں گے۔اور دوسری حدیث میں فرمایا کہ میری اُمت کے علما اس قدر بدکردار ہوں گے کہ لوگ جب ان کے پاس دین پوچھنے کے لئے جائیں گے تو ان کو سور اور بندر کے مشابہ پائیں گے۔اب ہمیں ان احادیث کو اچھی طرح سے پرکھنے اور جانچنے کی ضرورت ہے۔فی زمانہ اگر ہم اپنی اُمت کا جائزہ لیں تو سوفی صد اس بات کی تصدیق ہوتی ہے۔کہ اس ملاں نے ساری اُمت کو اپنی روزی کے لئے ہمیشہ پارہ پارہ ہی کیا ہے۔یزید کے درباری علمائے کرائمز سے شروع ہوجائیں آپ کو درباری ملاں نظر آئیں گے۔حجاج بن یوسف کا زمانہ پڑھیں تو یہی درباری ملاں آپ کو انتشار کا منبع نظر آتے ہیں۔بنوعباسیہ اور بنواُمیہ کے فتاویٰ اور ایک دوسرے سے نفرت اور انتقام کے طوفان اسی ملاں نے کھڑے کئے۔سلطنت ترکیہ کے ادوار میں بھی یہ ملاں کسی سے پیچھے نہیں رہا۔سقوط بغداد بھی اسی ملاں نے کروایا،خلافت ترکیہ کا زوال اور اس سے قبل سعودی عرب کا قیام بھی اسی کا شاخسانہ تھا۔جب یورپ میں پریس اور پرنٹنگ آئی تو اسی جاہل مخلوق نے اس پر پابندی لگوائی اور مسلمان پانچ سو سال پیچھے رہ گئے۔اگر ہندوستان کی تاریخ پر نظر ڈالی جائے تو اس کم بخت نے خوب اس ملک میں اسلام کے خلاف کام کیا مگر اسلام ہی کے نام پر۔دین الٰہی بھی اس کم بخت نے اکبر کو بنا کر پیش کیا۔افغانی حملہ آوروں کی راہ اسی نے ہموار کی۔باہمی جنگ و جدل اس ملاں ہی کی کارگزاری رہی۔ٹیپو سلطان کی ناکامی میں بھی اسی بدترین مخلوق کا ہاتھ تھا۔سراج الدولہ کی شکست بھی اسی کی شرارت تھی۔جب جنگ آزادی کا وقت آیا تو نصف مسلمان میں یک جہتی نہ ہونے کی وجہ سے انگریز کے ساتھ مل گئے اور نصف مسلمانوں نے ملاں کی راہنمائی میں جہاد کا ارادہ کیا اور بری طرح ناکام ہوئے۔دس ہزار علمائے کرائمز کو دلی سے لے کر لاہور تک درختوں پر پھانسیاں دی گئیں۔غلط راہنمائی اور غلط منصوبہ بندی کی وجہ سے مسلمان ذلیل ہوا اور ہندو کامیاب ٹھہرا۔جنگ آزادی کے دوران مدرسہ دیوبند ۱۸۶۴ بنا۔جس نے ساری اُمت کے فرقوں تک کو کافر خیال کیا۔اور ایک غلاظ کا کردار ادا کیا۔اسی طرح بریلوی مکتب فکر نے اپنی گھٹیا سوچ سے اپنے سوا سب کو کافر گردانا۔قبر پرستی کو رواج دیا۔عرس اور قرآن خوانی کو روزی کا ذریعہ بنایا۔سرسید جیسے روشن خیال کو بھی کافر کہا۔ان سب مکاتب نے انگریزی،ریلوے،لاؤڈ سپیکر،تک کو حرام قرار دیا۔جو بات ان مولویوں کو سمجھ نہ آتی تھی وہ حرام قرار دی جاتی تھی۔کیونکہ اس زمانے میں بھی واجبی سا علم ان کو پڑھایا جاتا تھا،پکی روٹی،یا بہشتی زیور وغیرہ،قرآن کا ترجمہ اور تفسیر تو میسر نہیں تھی۔اسلام دھاگہ تعویز کا نام تھا۔یا پیر اور مرشدوں کو سجدہ تک اسلام محدود تھا۔اشرف علی رسول اللہ اور شبلی رسول اللہ پڑھایا جاتا۔علم سے ملاں کو دشمنی تھی۔انگریزی اور انگریز سے تو جنگ تھی۔ہندو اس سے فائدہ اُٹھا کر بہت آگے نکل چکا تھا۔مسلمان قوم کی معاشی اور اخلاقی حالت ابتر تھی۔ایک فیصد بھی مسلم تعلیم یافتہ نہ تھے۔بلکہ ہر ہندو بنئے کے مسلمان مقروض تھے۔سرسید اور باقی سرکردہ لوگوں نے تعلیم کی طرف توجہ دلائی تو اس ملاں نانہجار نے ان کے خلاف کفر کے فتاویٰ دے کر نفرت کی دیواریں کھڑی کردیں۔اور ان کی بات نہ سنی گئی۔جہالت کو فروغ ملا۔ہندو ترقی پسند اور ترقی پذیر تھے۔ملاں اور مسلمان

رجعت پسند اور جاہل ثابت ہوئے۔مسلمانوں کا باہمی انتشار ان کو لے ڈوبا ۔مسلمان اجتماعی طور پر احساس کمتری کا شکار تھے۔مگر مسلمان راجہ مہاراجہ ان سے الگ اپنی مرضی کی زندگی گزار رہے تھے۔اس جاہل ملاں کی وجہ سے کئی ہندومسلم فسادات ہوئے مگر ہندوؤں کا پلہ ہمیشہ بھاری رہتا کیونکہ ان کا پلہ ہر لحاظ سے بھاری تھا۔تعلیم میں کمی کی وجہ سے مسلمان نچلی سطح پر بھی بہت کم ملازم تھے۔بدقسمتی سے ہندوستان میں جاہل ملاں کا تسلط ہر دور میں قائم رہا ہے۔تحریک پاکستان میں بھی مسلم دینی جماعتوں نے کانگرس کے ایجنڈے کو اپنایا۔آخر دم تک قائداعظم کو کافراعظم اور پاکستان کو پلیدستان کہتے رہے۔کوئی بھی دینی جماعت پاکستان کے ساتھ نہ تھی۔انفرادی طور پر مسلمان اور ایک جماعت احمدیہ ہی مسلم لیگ کے ساتھ تھی ۔چوہدری سر ظفراللہ خان نے تحریک پاکستان میں بہت کام کیا۔آخر کار ان دینی جماعتوں نے منہ کی کھائی ۔ پاکستان بن گیا اور یہ اُلوؤں کی طرح دیکھتے ہی رہ گئے ۔خاکسار جماعت کے رفیق صابر نے قائداعظم پر چاقو سے حملہ بھی کیا۔پھر یہ جاہل ملاں بڑی ڈھٹائی سے پاکستان میں آدبکا۔اور پھر لگے اپنی جگہ بنانے ۔۱۹۵۳ میں فسادات پنجاب اس جاہل ملاں نے شروع کروائے۔آخر منہ کی کھائی۔۱۹۷۰ میں انتخابات میں پھر منہ کی کھائی۔شاہ فیصل کو اور بھٹو کو ملا کر احمدیوں کو زبردستی ناٹ مسلم قرار دلوایا۔اور پھر بھٹو ہی کا گلا کاٹا۔جہاد افغانستان کے چکر میں خوب شکم سیری کی ۔امریکہ سے ڈالرز اور سعودیہ سے ریال لے کر خوب پیٹ بھرا۔ضیاء الحق کو جہنم رسید کیا اور پھر پاکستان کے جوڑوں میں بیٹھ گئے ۔ جو اب تک ساری دنیا میں بدنام کشکول بردار ہے ۔اب نام نہاد مسلمان کی بنیاد،خاتم النبیین کی رٹ، بنیاد اسلام کے قوانین بنا کر ملک میں فرقہ ورانہ فسادات کی بنیاد رکھ دی گئی ہے ۔لوگوں پر جبر کے قانون بنا کر نمبر بنائے جارہے ہیں ۔ملک میں تشدد، ملاوٹ، رشوت، اقرباء پروری، ڈاکے، اغوا برائے تاوان، لوٹ مار، مہنگائی کا بازار گرم ہے۔مدرسہ بازی اور حجرہ بازی قبر کو سجدہ، پیرومرشد کو سجدہ، شراب، زنا نے سارے مسلم معاشرے کو آلودہ کردیا ہے۔اور یہ ملاں اسلام زندہ باد کے نعرے لگا کر اپنا نام نہاد امیج بنانے کی ناکام کوشش میں ہے۔جیلوں میں لونڈے بازی، کے مجرم لاکھوں کی تعداد میں ہیں،ہم جنسی کو فروغ مل رہا ہے۔مساج سنٹرز کھلے ہیں۔کسی کی جان مال اور عزت تک محفوظ نہیں۔عدلیہ کرپٹ ہو چکی،انتظامیہ عیاش ہو چکی، ملاں حسن پرست ننگا ناچ رہا ہے۔ہر داڑھی والا چور اور ڈاکو، بدمعاش،اور کرپٹ ہے۔ہر ایم پی اے اور ایم این اے حرام کھا رہا ہے ۔ان کی دن رات اور رات کو شب رات ہے۔ یہ ہے اسلام ۔ پنجاب میں آکسفورڈ پرنٹنگ پریس کی سو سے زائد کتب پر پابندی لگ چکی ہے۔ایک کتاب پر اس لئے پابندی لگی کہ اس میں سور کی تصویر تھی ۔مگر جنگلوں کے علاوہ سور تو اب مساجد میں بچے بچیوں سے ریپ کر رہے ہیں ان کا سدّ باب بھی ضروری ہے ۔عدالت تک میں کلمہ گو کو مار کر خود نام نہاد غازی بن رہے ہیں ۔نہ وضو آتا ہے اور نہ ہے نمازی ۔۔ہر کوئی بن جاتا ہے غازی ۔ملاں کی جہالت نے نئی قسم کا اسلام جاری کیا ہے۔اس کے خود کے قوانین ہیں۔جو ایک دن اس ملک کو ہڑپ لیں گے ۔مولانا سمیع الحق ایک معشوق لونڈے سے واصل جہنم ہوا۔قاضی حسین احمد تین سال ہم جنسی کے جرم میں سوات کی جیل میں مقید رہا۔یہ ہے پاکستان کا اسلام، پاکستان کے ہر دیہات میں اس جاہل ملاں کا قبضہ ہے۔ہر ناجائز کام یہی کرتا ہے۔حرام عشرز کوٰۃ کھاتا ہے۔ لوطی کام یہ کرتا ہے۔دم درود سے جوان لڑکیوں کے جن نکالتا ہے۔مزاروں پر عرس کرواتا ہے،قوالیاں کرواتا ہے اور پھر دھندا بھی کرواتا ہے۔ ہر ایم پی اے اور ایم این اے، نمبردار، چیئرمین کا چمچہ ہے۔ختم نبوت والوں کا دلال ہے۔اس کی شکل پر داڑھی ہے مگر اندر سے بھیڑیا ہے۔اس کو پہچانو،اس نے قوم کو گھن لگا دیا ہے ۔ اس بدکردار کے لئے وہ حدیث تھی میرے آقا محمد ﷺ کی ۔جو کہ یقیناً سچ ثابت ہوئی ۔دین ملاں فی سبیل اللہ فساد۔آخر میں سب احباب سے گزارش ہے کہ یہ رسالہ احمدیوں کے لئے ہے اور ان کے ہی مضامین شائع کرتا ہے ۔احباب اپنے طویل مضامین بھی اس میں ارسال کر سکتے ہیں مگر ورڈ اور انپیج میں ان ہونا ضروری ہے۔شکریہ۔







انبیاء اور مومنین کے ہم رنگ مخالفین

جمیل احمد بٹ



انبیاء کی بعثت پر اس اقلیت کو چھوڑ کر جو ان پر ایمان لانے کی سعادت پاتی ہے۔ مخاطبین کی اکثریت ابتدائی طور پر اس پیغام کو رد کر دیتی ہے اور ان کے سرکردہ نبی کی مخالفت کا بازار گرم کر دیتے ہیں۔ جبکہ باقی تمام بلا سوچے سمجھے ان کے پیچھے چل پڑتے ہیں۔

قرآن کریم میں مذکور انبیاء کے حالات کے مطابق مختلف زمانوں اور ادوار میں گزرنے والے ان کے یہ سب مخالف اپنے مزاج، سوچ، رویّہ اور طریق میں ہم رنگ نظر آتے ہیں۔ دل میں نبی کو سچا جاننے کے باوجود، اپنے ظاہر اعلم پر غرور اور جھوٹی عزت کے زعم میں وہ تکبر سے خود کو بہتر گردان کر، جہالت اور سرکشی سے ہدایت کو گمراہی پر ترجیح دیتے اور سچ سے محروم رہ کر اسے جھوٹ کہنے پر مصر رہتے، موجود نظام اور آباؤ اجداد کے مسلک کو نقصان پہنچنے کی دہائی دے کر عوام الناس کو اپنے پیچھے لگائے رکھتے، نبی پر ایمان لانے والوں کو کم تر اور حقیر جانتے اور ان کی کم تعداد اور کمزور حالت پر تمسخر کرتے، بہتیرے نبی اور اس کی جماعت کی مخالفت کو ذریعہ ٔ معاش بنا لیتے اور اس کی ضرورت کے مطابق موقف بدلتے رہتے۔ نبی اور اس کی جماعت کی کامیابیاں دیکھ کر حسد کا شکار رہتے۔ اپنے سرکش اور فسادی مزاج اور مجرم ذہنیت کے ہاتھوں مومنین سے ناانصافی کرتے اور جھوٹ بول کر فساد پھیلائے رکھتے۔ مخالفین کے ان ہم رنگ پہلوؤں کا کسی قدر الگ الگ ذکر درج ذیل ہے:

1۔ دل میں سچا جاننا:

ان مخالفین میں سے جو اہل علم ہوتے ہیں ان میں سے بعض انبیاء کے پیش کردہ نشان اور دلائل سمجھ بھی لیتے ہیں اور دل میں اس پر یقین بھی لاتے ہیں۔ لیکن صرف اپنی جھوٹی عزت کے ہاتھوں وہ حق پر ایمان لانے سے محروم رہتے ہیں۔ حضرت موسیٰ ؑ کے مخالفین کی اس کیفیت کا ذکر قرآنِ کریم نے یوں فرمایا ہے:

وَجَحَدُوْا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَآ اَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَّعُلُوًّا ۭ
(نمل 15:27)

ترجمہ: اور انہوں نے ظلم اور سرکشی کرتے ہوئے ان کا انکار کر دیا حالانکہ ان کے دل ان پر یقین لا چکے تھے۔

اس طرح ان کا انکار اور مخالفت خود اختیاری ہوتی ہے۔ عاد اور ثمود کے ذکر میں اللہ فرماتا ہے:

وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ
(عنکبوت 39:29)

ترجمہ: اس (شیطان) نے انہیں (سیدھی) راہ سے روک دیا حالانکہ وہ اچھا بھلا دیکھ رہے تھے۔

ثمود کے بارے میں الگ سے یہ ذکر بھی آیا ہے کہ:

فَاسْتَحَبُّوا الْعَمٰى عَلَى الْهُدٰى (حٰم سجدہ 18:41)

ترجمہ: انہوں نے نابینائی پسند کرتے ہوئے (اسے) ہدایت پر ترجیح دی یعنی ان کا حق کا انکار خود اختیاری ہوتا ہے۔

حضرت مسیح موعود کے زمانے میں آپ کی بعض مخالف، مخالفت میں لکھتے ہوئے بھی آپ کی شخصیت کے متاثر کن پہلوؤں کا ذکر کئے بغیر رہ نہ سکے جیسا کہ ایک صاحب نے لکھا:

’اس میں شک نہیں ہے کہ مرزا قادیانی ایک فلاسفر، خوش تقریر، خوش تحریر اور نہایت دور اندیش اور بڑے ڈھونگے عقلمند اور بڑے متواضع ہیں‘۔

(تائیدِ آسمانی در ردِّ نشانِ آسمانی از محمد جعفر تھانیسری اختر ہند پریس ہال بازار امرتسر مطبوعہ 1310ھ 1892ء بحوالہ احتسابِ قادیانیت جلد 39 صفحہ نمبر 32)

ایک اور مخالف کا 1904ء میں یہ کہنا اسی حقیقت کا کھلا اعتراف ہے:

’جب تک مرزا قادیانی ادیانِ باطلہ کے ردّ کی طرف متوجہ تھے۔سب ان کے مداح تھے۔بلکہ ان کو مجدد بھی سمجھتے ہوں تو تعجب نہیں اور اب بھی اس حد تک کوئی بُرا نہیں۔

(انوارالحق از انواراللہ خان حیدرآبادی مطبوعہ 1904ء بجواب تائید الحق از مولانا حسن علی بحوالہ احتسابِ قادیانیت جلد21 صفحہ نمبر546)

بہت سے مخالفین جیسے ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کا حضرت مسیح موعود کے دعاوی پر معترض رہنا اور ساتھ ہی آپ کا دفاعِ اسلام کی کوششوں کی برملا ٹی وی پروگراموں میں تعریف کرنے سے بھی یہی ظاہر کرتا ہے۔

2۔ اپنے علم پر شاداں رہنا :

ان مخالفین کے سرغنے اپنے آپ کو زیادہ عالم جان کر اس پر نازاں رہتے اور جو کچھ ان کے اس علم سے باہر ہوتا اُس کا انکار کرنے میں اپنے آپ کو حق بجانب سمجھتے ۔علم کا یہ کبر انہیں قبولیتِ حق سے روکے رکھتا۔

اس رویہ کا قرآنِ کریم یوں ذکر فرماتا ہے:

فَلَمَّا جَآءَتۡهُمۡ رُسُلُهُمۡ بِالۡبَيِّنٰتِ فَرِحُوۡا بِمَا عِنۡدَهُمۡ مِّنَ الۡعِلۡمِ (مؤمن 84:40)

ترجمہ: پس جب ان کے پاس ان کے پیغمبر کھلے کھلے نشان لے کر آئے تو وہ اسی علم پر شاداں رہے جو ان کے پاس تھا۔

حضرت مسیح موعود کے مخالفین بھی اپنے علم کے غرور میں مبتلا رہے۔وہ خود کو اہلِ علم جانتے اور آپ پر یوں طعنہ زن رہتے کہ:

’وہ اُمّی سنسکرت سے اور ناگری سے محروم مطلق۔

(تحریر پنڈت لیکھرام مندرجہ کتاب خبطِ احمدیہ بحوالہ کلیاتِ آریہ مسافر حصہ سوم صفحہ نمبر585 شائع کردہ مہاشے کیشب دیو مطبع مفیدِ عام لاہور طبع اوّل 1904ء)

’یہ شخص محض نالائق ہے علمی لیاقت نہیں رکھتا۔۔۔ہرگز یقین نہیں ہوسکتا کہ ایسی عمدہ تصانیف کے یہی حضرت مصنف ہیں‘

(قول مولوی محمد اسمٰعیل علی گڑھی مندرجہ ازالۂ اوہام روحانی خزائن جلد3 صفحہ نمبر21)

مخالفین کے ایسا سمجھنے کا خود حضرت مسیح موعود نے یوں ذکر فرمایا:

شیخ (بٹالوی) صاحب نے بیان کیا کہ یہ شخص عربی زبان سے محض بے خبر اور علومِ دین سے محض ناآشنا ہے۔ایک جاہل آدمی ہے‘۔

(سِرالخلافہ روحانی خزائن جلد8 صفحہ نمبر400)

’ایشان گفتند کہ این شخص از علم لسان عربی ہیچ چیزے نمی داند۔ بلکہ او را از فارسی ہم بہرہ نیست‘۔

(انجام آتھم روحانی خزائن جلد11 صفحہ نمبر231)

ترجمہ: ان لوگوں نے کہا کہ یہ شخص علمِ زبانِ عربی سے کچھ نہیں جانتا بلکہ اسے فارسی سے بھی کوئی مس نہیں۔

یہ سب تعلّی حضرت مسیح موعود کے اس خداداد علم وفضل کو دیکھنے اور اس کے مقابل عاجز رہنے کے باوجود تھی جو خلاصتاً یہ تھی:

آنحضرت ﷺ کی پیش خبری یفیض المال حتی لا یقبلہ احد(بخاری کتاب الانبیاء) کے مطابق حضرت مسیح موعود روحانی خزائن کی تقسیم کے لئے بھی مامور تھے۔اسی سبب اللہ تعالیٰ نے آپ کو سلطان القلم بنایا اور آپ کے قلم کو ذوالفقارِ علی فرمایا۔ (تذکرہ صفحہ نمبر58 حاشیہ نیا ایڈیشن)۔ نیز آپ کو اپنی جناب سے عربی زبان کا علم عطا فرمایا اور فصاحت و بلاغت کا نشان دیا۔ آپ نے اپنے علمِ کلام کو تمام مذاہب کے علماء کے بالمقابل بڑی تحدی سے پیش فرمایا۔ اپنی کتب براہینِ احمدیہ،سرمہ چشمہ آریہ اور تحفہ گولڑویہ کے دلائل کے ردّ اور کتاب اعجازِ احمدی کے قصیدہ اور اردو مضمون کے جواب کے لئے ہزارہا روپے انعامات کی پیش کش کی۔اپنی کم وبیش بیس عربی کتب میں سے کرامت الصادقین،نورالحق،سرالخلافہ، حجۃ اللہ اور الھدیٰ کے جواب کے لئے ہندوستان اور مصر کے علماء اور عیسائی پادریوں کو چیلنج دئے اور کتاب نورالحق کے جواب پر پانچ ہزار روپے انعام کا اعلان بھی فرمایا۔مولوی محمد حسین بٹالوی صاحب اور پیر مہر علی شاہ گولڑوی صاحب کو مخاطب کر کے اپنے بالمقابل قرآنِ کریم کی تفسیر کے مقابلہ کی دعوت دی۔ نیز بیشتر نامی مخالف مسلمان علماء، آریہ پنڈتوں اور عیسائی پادریوں کو کئی بار مناظرے کی دعوت دی۔مخالفین نے مقابلہ کے ان چیلنجز کو یا تو قبول نہ کیا یا قبول کیا تو ناکام رہے۔اسی طرح مناظروں سے یا تو مجتنب رہے یا آپ کے سامنے عاجز۔

3۔جھوٹی عزت کا زعم:

اکثر دُنیوی طور پر بااثر مخالفین اپنی ظاہر عزت وشوکت اور اموال اور

بسا اوقات اپنے علم کے زعم میں ایک بظاہر عام بندے کو خدا کا فرستادہ اور اپنے سے بہتر ماننے سے انکاری ہو جاتے ہیں اور اس جھوٹی عزت کا پاس انہیں سچائی سے محروم رکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ آنحضرت ﷺ کے مخالفین کے بارے میں فرماتا ہے:

بَلِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ عِزَّةٍ وَّشِقَاقٍ○ (ص 3:38)

ترجمہ: حقیقت یہ ہے کہ وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا (جھوٹی) عزت اور مخالفت میں (مبتلا) ہیں۔

جھوٹی عزت کا یہ زعم بجائے کان دھرنے کے ان کے اس طرزِ عمل کا باعث تھا کہ:

ثُمَّ عَبَسَ وَبَسَرَ○ ثُمَّ اَدْبَرَ وَاسْتَكْبَرَ (مدثر 23:74_24)

ترجمہ: پھر تیوری چڑھائی اور ماتھے پر بل ڈال لئے پھر پیٹھ پھیر لی اور استکبار کیا۔

نیز یہ کہ:

وَلٰكِنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى○ ثُمَّ ذَهَبَ اِلٰٓى اَهْلِهٖ يَتَمَطّٰى○

(قیامۃ 33:75_34)

ترجمہ: بلکہ (اس نے) جھٹلایا اور منہ پھیر لیا پھر اپنے اہل وعیال کی طرف اکڑتا ہوا چلا گیا۔

اور اسی زعم نے ان سے ایمان لانے والوں کی تحقیر کے لئے یہ کہلوایا کہ:

لَوْ كَانَ خَيْرًا مَّا سَبَقُوْنَآ اِلَيْهِ○ (احقاف 12:46)

ترجمہ: اگر یہ اچھی بات ہوتی تو اسے حاصل کرنے میں یہ ہم پر سبقت نہ لے جاتے۔

حضرت مسیح موعود کے مخالفین بھی اپنی جھوٹی عزت کے زعم میں مبتلا رہے۔ اس کی ایک مثال آپ کے سب سے بڑے مخالف مولوی بٹالوی صاحب کا یہ خیال تھا کہ گویا حضرت مسیح موعود کے خداداد مقام میں ان کی کوشش کو کوئی دخل ہے یا وہ آپ کے راستے کی روک بن سکتے ہیں۔ جیسا کہ انہوں نے لکھا:

’اگر اشاعۃ السنۃ کا ریویو اس کو امکانی ولی و ملہم نہ بناتا تو وہ اپنے سابقہ الہامات مندرجہ براہینِ احمدیہ کی وجہ سے تمام مسلمانوں کی نظروں میں بے اعتبار ہو جاتا۔۔۔ لہٰذا اسی (اشاعۃ السنہ) کا فرض اور اس کے ذمہ یہ ایک قرض تھا کہ اس نے جیسا اس (یعنی حضرت مسیح موعود) کو دعاویٔ قدیمہ کی نظر سے آسمان پر چڑھایا تھا ویسا ہی ان دعاویٔ جدیدہ کی نظر سے اس کو زمین پر گرا دے اور تلافیٔ مافات عمل میں لاوے۔

(رسالہ اشاعۃ السنۃ جلد 13 نمبر 1 صفحہ نمبر 4)

جھوٹی عزت کا یہ زعم ان مخالفین کو حضرت مسیح موعود کو اس سے زائد درجہ دینے سے روکتا تھا جس پر وہ خود تھے جیسا کہ آپ نے خود انجمن حمایتِ اسلام کے حامیوں کی اس سوچ کا یہ ذکر فرمایا:

’مرزا صاحب کو اس سے زیادہ ایک ذرہ حیثیت حاصل نہیں کہ وہ ایک ملّا یا مولوی یا مناظر یا مجادل ہیں‘۔

(البلاغ روحانی خزائن جلد 13 صفحہ نمبر 420)

4۔ خود کو بہتر سمجھنا اور تکبر کرنا:

تکبر بھی انکار کی ایک بڑی وجہ ہے۔ اپنے آپ کو زیادہ عالم یا باصلاحیت اور بڑا سمجھنا اور نبی کو اپنے سے کم تر جاننا مخالفین کے قدم پکڑ لیتا ہے۔ اور وہ نبی کی دعوت کو رد کر دیتے ہیں۔ اس امرِ واقعہ کا اظہار قرآن کریم میں یوں ہوا ہے

وَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّذِيْرٍ اِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْهَآ ۙ اِنَّا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ○ وَقَالُوْا نَحْنُ اَكْثَرُ اَمْوَالًا وَّاَوْلَادًا ۙ

(سباء 35:34_36)

ترجمہ: اور ہم نے کبھی کسی بستی میں کوئی ڈرانے والا نہیں بھیجا مگر اس کے خوشحال لوگوں نے کہا جس پیغام کے ساتھ تم بھیجے گئے ہو ہم بشدت اس کا انکار کرنے والے ہیں اور انہوں نے کہا ہم اموال واولاد میں بہت ہیں۔

اللہ کے پہلے خلیفہ حضرت آدمؑ کا انکار کرنے والے ابلیس کی وجہ بھی یہی تکبر تھا جب اس نے اطاعت سے یہ کہہ کر انکار کیا:

قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ ۚ خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ○

(اعراف 13:7)

ترجمہ: مَیں اس سے بہتر ہوں تو نے مجھے تو آگ سے پیدا کیا ہے اور اسے گیلی مٹی سے۔

انکار کی اس وجہ کا بار بار اظہار ہوا۔ چنانچہ قوم نوح، عاد، ثمود اور ان کے بعد آنے والے لوگوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

جَآءَتۡهُمۡ رُسُلُهُمۡ بِالۡبَيِّنٰتِ فَرَدُّوۡۤا اَيۡدِيَهُمۡ فِىۡۤ اَفۡوَاهِهِمۡ وَقَالُوۡۤا اِنَّا كَفَرۡنَا بِمَاۤ اُرۡسِلۡتُمۡ بِهٖ (ابراہیم 10:14)

ترجمہ: ان کے پاس ان کے رسول کھلے کھلے نشانات لے کر آئے تو انہوں نے (تکبر کرتے ہوئے) اپنے ہاتھ اپنے مونہوں پر رکھ لئے اور کہا یقیناً ہم اس چیز کا جس کے ساتھ تم بھیجے گئے ہوا نکار کرتے ہیں۔

حضرت ہودؑ کی قوم کے تکبر کی وجہ کا ذکر یوں ہوا :

فَاَمَّا عَادٌ فَاسۡتَكۡبَرُوۡا فِى الۡاَرۡضِ بِغَيۡرِ الۡحَـقِّ وَقَالُوۡا مَنۡ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً ؕ اَوَلَمۡ يَرَوۡا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِىۡ خَلَقَهُمۡ هُوَ اَشَدُّ مِنۡهُمۡ قُوَّةً ؕ وَكَانُوۡا بِاٰيٰتِنَا يَجۡحَدُوۡنَ ۝ (حٰم سجدہ 16:41)

ترجمہ: پس رہے عاد، تو انہوں نے زمین میں ناحق تکبر سے کام لیا اور کہا کون ہے جو ہم سے قوت میں زیادہ شدید ہے؟ اور وہ مسلسل ہمارے نشانوں کا انکار کرتے رہے۔

حضرت صالحؑ کی قوم کے سرداروں نے بھی استکبار کیا (اعراف 76:7)

حضرت ابراہیمؑ سے ان کے ربّ کے بارے میں جھگڑا کرنے والا اسی کِبر میں مبتلا تھا کہ :اَنۡ اٰتٰٮهُ اللّٰهُ الۡمُلۡكَ ۘ (بقرہ 259:2)

ترجمہ: اللہ نے اُسے بادشاہت عطا کی تھی۔

حضرت شعیبؑ کی قوم کے سرداروں نے بھی استکبار کیا (اعراف 7: 89) اور یہ کہا :وَاِنَّا لَنَرٰٮكَ فِيۡنَا ضَعِيۡفًا (ہود 92:11)

ترجمہ: تجھے ہم اپنے درمیان بہت کمزور دیکھتے ہیں۔

اسی طرح فرعون اور اس کے سرداروں نے حضرت موسیٰؑ اور ہارونؑ کے بالمقابل تکبر اختیار کیا :فَاسۡتَكۡبَرُوۡا فِى الۡاَرۡضِ (عنکبوت 40:29)

ترجمہ: پھر انہوں نے زمین میں تکبر سے کام لیا۔

اس کا بظاہر سبب ان کا یہ قول تھا : وَقَوۡمُهُمَا لَنَا عٰبِدُوۡنَ ۝ (مومنون 48:23)

ترجمہ: ان دونوں کی قوم ہماری غلام تھی۔

نیز تکبر کا یوں اظہار بھی کیا:

قَالَ يٰقَوۡمِ اَلَيۡسَ لِىۡ مُلۡكُ مِصۡرَ وَهٰذِهِ الۡاَنۡهٰرُ تَجۡرِىۡ مِنۡ تَحۡتِىۡ ۚ اَفَلَا تُبۡصِرُوۡنَ ۝ اَمۡ اَنَا خَيۡرٌ مِّنۡ هٰذَا الَّذِىۡ هُوَ مَهِيۡنٌ ۙ وَّلَا يَكَادُ يُبِيۡنُ ۝

(زُخرف 52:43۔53)

ترجمہ: اے میری قوم! کیا ملک مصر میرا نہیں اور یہ سب نہریں جو میرے زیر تصرف بہتی ہیں؟ حقیقت یہ ہے کہ مَیں اس شخص سے بہتر ہوں جو بالکل بے حیثیت ہے۔

اور اس طرح بھی کہ :

وَاسۡتَكۡبَرَ هُوَ وَجُنُوۡدُهٗ فِى الۡاَرۡضِ بِغَيۡرِ الۡحَـقِّ

(قصص 40:28)

ترجمہ: اس نے اور اس کے لشکروں نے زمین میں ناحق تکبر کیا۔

حضرت داوٗدؑ کو خلیفہ بنایا گیا تو بھی اسی کِبر کا اظہار ہوا کہ:

قَالُوۡۤا اَنّٰى يَكُوۡنُ لَهُ الۡمُلۡكُ عَلَيۡنَا وَنَحۡنُ اَحَقُّ بِالۡمُلۡكِ مِنۡهُ وَلَمۡ يُؤۡتَ سَعَةً مِّنَ (بقرہ 248:2)

ترجمہ: اس کو ہم پر حکومت کا حق کیسے ہوا جبکہ ہم اس کی نسبت حکومت کے زیادہ حق دار ہیں اور وہ تو مالی وسعت (بھی) نہیں دیا گیا۔

یہی انداز آقا و مولیٰ آنحضرت ﷺ کے مخالفین نے دکھایا جیسا کہ اللہ فرماتا ہے :

يَسۡتَكۡبِرُوۡنَ ۝ وَيَقُوۡلُوۡنَ اَئِنَّا لَتَارِكُوۡۤا اٰلِهَتِنَا لِشَاعِرٍ مَّجۡنُوۡنٍ ۝ (صافات 36:37۔37)

ترجمہ: وہ استکبار کرتے تھے اور کہتے تھے کہ کیا ہم ایک مجنون شاعر کی خاطر اپنے معبودوں کو چھوڑ دیں گے؟

آپ ﷺ کے ایک مخالف کا یہ حال بھی بیان ہوا ہے:

ثُمَّ عَبَسَ وَبَسَرَ ۝ ثُمَّ اَدۡبَرَ وَاسۡتَكۡبَرَ ۝ (مدثر 74: 23۔24)

ترجمہ: پھر تیوری چڑھائی اور ماتھے پر بَل ڈال لئے۔ پھر پیٹھ پھیر لی اور استکبار کیا۔

حضرت مسیح موعود کے مخالف بھی اپنے ظاہری علم اور حیثیت کے تکبر میں

گرفتار رہے اور اپنے مقابلے میں آپ کو کم تر شمار کرنے کے اعلانیہ دعویدار ہوئے۔ جیسا کہ مولوی صاحبان کے حضرت مسیح موعود کے بارے میں یہ متکبرانہ اظہار:

’یہ شخص محض نالائق ہے علمی لیاقت نہیں رکھتا‘۔

(اشتہار مولوی محمد اسمٰعیل مطبوعہ 1889ء مندرجہ فتح اسلام روحانی خزائن جلد 3 صفحہ نمبر 21)

’یہ میرا شکار ہے کہ بدقسمتی سے پھر دہلی میں میرے قبضہ میں آ گیا اور مَیں خوش قسمت ہوں کہ بھاگا ہوا شکار پھر مجھے مل گیا‘۔

(اشتہار محمد حسین بٹالوی بابت مسیح موعود مندرجہ آسمانی فیصلہ روحانی خزائن جلد 4 صفحہ نمبر 320)

’ایک معمولی شخص‘۔ (تحریر خواجہ غلام الثقلین ایڈیٹر مندرجہ عصرِ جدید 1904ء بحوالہ احتسابِ قادیانیت جلد نمبر 5 صفحہ نمبر 259)

حضرت مسیح موعود نے خود ایک مخالف کے اس تکبر کا یوں ذکر فرمایا:

’انہوں (مولوی محمد حسین بٹالوی صاحب) نے ۔۔۔ بڑے زور اور اصرار سے یہ دعویٰ کر دیا ہے کہ مَیں اعلیٰ درجہ کا مولوی ہوں اور یہ شخص سراسر جاہل اور نادان اور زبانِ عربی سے محروم اور بے نصیب ہے‘۔

(سر الخلافہ روحانی خزائن جلد 8 صفحہ نمبر 398)

اسی کِبر کے ہاتھوں حضرت مسیح موعود کا تحقیر سے ذکر اور آپ کے خلاف گندہ زبانی ان مخالفین کا وتیرہ تھا۔ آج بھی یہی چلن ہے۔ کِبر کی رعونت سے سوختہ اور بغض وحسد کے جوش سے بریاں ایسی زہر بھری تحریریں جماعت مخالف لٹریچر میں عام ہیں جن کا پڑھنا بھی شرفاء کے ذوقِ سلیم کو عار ہے۔

5۔ جہالت سے کام لینا :

انبیاء کے مخالفین ان کے دلائل اور نشانات کو جھٹلانے کی ناکام کوشش کرتے ہیں۔ کوئی دلیل نہ ہوتے ہوئے بھی آنحضرت ﷺ کے مخالفین کے ایسا کرنے کا اللہ تعالیٰ یوں ذکر فرماتا ہے:

وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ يَجْهَلُوْنَ○ (انعام 112:6)

ترجمہ: لیکن ان میں سے اکثر جہالت سے کام لیتے ہیں۔

حضرت مسیح موعود کے مخالفین نے بھی یہی راہ اپنائی۔ انہوں نے آپ کی سچائی کے دلائل اور نشانات کو کٹ حجتی اور کج بحثی سے جھٹلانے کی کوشش کی۔ صاف اور سیدھی باتوں کو بھی اینچ پیچ کر کے الجھانا اور ان کے من مانے مطلب نکالنا ان کی بحثوں میں عام ہے۔

آنحضرت ﷺ کی پیشگوئی کے مطابق مدعی کی سچائی کے ثبوت کے طور پر ظاہر ہونے والے چاند سورج گرہن کے آسمانی نشان کے بارے میں درج ذیل تحریر روزِ روشن کی طرح اس حقیقت کو بھی اس طریق پر الجھانے کی ایک بُری مثال ہے:

’ممکن ہے کہ یہ علامت (ماہِ رمضان میں اجتماع کسوف وخسوف) قرب خروجِ مہدی اصل کی ہو اور وہ بعد چندے متحقق ہو جائے ۔۔۔ اسی طرح حدیث مذکور میں احتمال قربِ ظہور پر یہ استبعاد کہ علامت تو اب ہو اور ذی علامت ایک صدی بعد ہو اور اس احتمال کو بے مزگی قرار دینا بھی عجیب ہے۔ اولاً ایک صدی کا فصل لازم نہیں آتا ممکن ہے کہ اسی صدی میں اس کا وقوع ہو جائے۔ رہا صدی کے شروع پر ہونا سو اوّل تو اس پر کوئی حجتِ قویہ نہیں۔ دوسری نصف سے پہلے پہلے شروع ہی کے حکم میں ہے۔ ثانیاً اگر اس سے زیادہ بھی فصل ہو تو مضر نہیں اور علامت ہونے میں مخل نہیں‘۔

(الخطاب المسیح فی تحقیق المہدی از مولوی اشرف علی تھانوی صاحب بحوالہ احتسابِ قادیانیت جلد 4 صفحہ نمبر 125۔126)

اس تحریر میں چاند سورج گرہن کا ہو جانا تسلیم کیا گیا ہے اور اسے خروجِ مہدی کی ایک علامت بھی مانا گیا ہے لیکن اشتباہ پیدا کرنے کے لئے یہ مؤقف اختیار کیا گیا ہے کہ علامت اور ذی علامت کے درمیان ایک صدی کا بُعد بھی ہو سکتا ہے اور یہ ممکن ہے کہ اس علامت کے مطابق مہدی صدی کے نصف اوّل بلکہ اس کے بھی بعد آ جائے۔

حضرت مسیح موعود کے وقت میں شائع ہونے والی اس تحریر نے شائد بعض لوگوں کو موجود سچائی کو قبول کرنے کے بجائے مستقبل کے انتظار کی طرف مائل کر دیا ہو۔ لیکن آج جب اس کو لکھے ہوئے سو سال سے بھی زائد گزر چکے ہیں اس کا بے حقیقت اور خیالی ہونا خوب ظاہر ہے۔

6۔ سرکشی کی وجہ سے انکار کرنا :

انکار کی ایک وجہ قرآنِ کریم نے لوگوں کی سرکشی بتائی ہے جیسے ثمود کا حضرت

صالحؑ کا جھٹلانا :

كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ بِطَغْوٰىهَآ۝ (شمس 12:91)

ترجمہ: ثمود نے اپنی سرکشی کے باعث جھٹلایا۔

حضرت موسیٰؑ کے مخالفین کے انکار کی وجہ بھی یہی فرمائی گئی کہ:

وَجَحَدُوْا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَآ اَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَّعُلُوًّا (نمل 15:27)

ترجمہ: اور اُنہوں نے ظلم اور سرکشی کرتے ہوئے ان کا انکار کر دیا حالانکہ ان کے دل ان پر یقین لا چکے تھے۔

یہاں یہ بات قابلِ غور ہے کہ کس طرح مزاج کی سرکشی انسانوں کو حق کی قبولیت سے روک دیتی ہے حالانکہ وہ دل میں اس سچائی کے قائل ہو چکے ہوتے ہیں۔

حضرت مسیح موعود کی تکفیر کے پس پردہ اسباب بھی مخالفین کی ناانصافی، جھوٹ، مزاج کی کجی اور سرکشی تھے۔ جیسا کے عام مشاہدہ میں آتا ہے۔ حضرت مسیح موعود نے ان کا یکجائی سے یوں ذکر فرمایا:

’ہمارے مخالف ناانصافی اور دروغگوئی اور کج روی سے باز نہیں آتے۔ وہ خدا کی باتوں کی بڑی جرأت سے تکذیب کرتے اور خدائے جلیل کے نشانوں کو جھٹلاتے ہیں‘۔ (رازِ حقیقت روحانی خزائن جلد 14 صفحہ نمبر 158)

7۔ ہدایت پر گمراہی کی راہ کو ترجیح دینا :

انبیاء کے مخالف ہدایت کی راہ تو اختیار نہیں کرتے لیکن گمراہی کی راہ جھٹ اپنا لیتے ہیں۔ یہ طریق انہیں سچائی سے دور تر کرتا جاتا ہے۔ قرآنِ کریم اس رویہ کا ذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے:

وَاِنْ يَّرَوْا سَبِيْلَ الرُّشْدِ لَا يَتَّخِذُوْهُ سَبِيْلًا ۚ وَاِنْ يَّرَوْا سَبِيْلَ الْغَيِّ يَتَّخِذُوْهُ سَبِيْلًا ۚ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِيْنَ (اعراف 147:7)

ترجمہ: اور اگر وہ ہدایت کی راہ دیکھیں تو اسے بطور راستہ اختیار نہیں کرتے حالانکہ اگر وہ گمراہی کی راہ دیکھ لیں تو اُسے بطور راستہ اپنا لیتے ہیں یہ اس لئے ہے کہ انہوں نے ہمارے نشانات کو جھٹلا دیا اور وہ ان سے بے پرواہ رہنے والے تھے۔

یعنی انسانوں کے ہدایت سے محروم رہنے کی وجہ ان کا الٰہی نشانات کو جھٹلانا اور پرواہ نہ کرنا ہے۔

مخالفین کا ہدایت سے محرومی اور گمراہی پر چمٹے رہنے پر طمانیت کا ایک اظہار قرآن کریم نے یوں محفوظ فرمایا ہے:

اِنْ كَادَ لَيُضِلُّنَا عَنْ اٰلِهَتِنَا لَوْلَآ اَنْ صَبَرْنَا عَلَيْهَا ۚ (فرقان 43:25)

ترجمہ: قریب تھا کہ یہ (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم) ہمیں اپنے معبودوں سے بھٹکا دیتا اگر ہم ان پر صبر نہ کئے رہتے۔

حضرت مسیح موعود کے مخالف بھی اپنی گمراہی کو ہدایت پر ترجیح دیتے۔ بلکہ خود اس کی طرف دعوت دینے سے بھی نہ چوکتے۔ جیسے یہ تحریر

’سچا مذہب خدا کی طرف سے۔۔۔آریہ دھرم ہے۔۔پس۔۔آپ کو بھی اگر صراط المستقیم پر چلنے کی دلی تمنا ہے تو صدقِ دل سے آریہ دھرم کو قبول کرو‘۔ (اشتہار پنڈت لیکھرام مؤرخہ 28 مارچ 1886ء مندرجہ کلیاتِ آریہ مسافر حصہ سوم صفحہ نمبر 413-414 شائع کردہ مہاشے کیشب دیو مطبع مفیدِ عام لاہور طبع اوّل 1904ء)

اب بھی یہی چلن ہے۔’قادیانیوں کو دعوتِ اسلام‘ قسم کے کتابچے اسی سوچ کا مظہر ہیں کہ کہنے والے کی رائے ہی اصل ہدایت ہے۔

8۔ سچ سے محروم رہ کر اُسے جھوٹ کہنا :

انبیاء کے مخالف جب ایک بار اپنی جھوٹی عزت کے ہاتھوں سچ کا انکار کر بیٹھتے ہیں تو پھر اُن کے لئے اس کے سوا اور کوئی چارہ نہیں رہتا کہ وہ آئندہ بھی اس سچ کو جھوٹ قرار دیں اور دیتے چلے جائیں۔ قرآنِ کریم ان کے اس رویہ کا یوں ذکر فرماتا ہے:

وَاِذْ لَمْ يَهْتَدُوْا بِهٖ فَسَيَقُوْلُوْنَ هٰذَآ اِفْكٌ قَدِيْمٌ۝ (احقاف 12:46)

ترجمہ: اور اب جبکہ وہ ہدایت پانے میں ناکام رہے ہیں تو ضرور کہیں گے کہ یہ تو ایک پرانا جھوٹ ہے۔

حضرت مسیح موعود کے بہت سے مخاطب بھی جیسے مولوی محمد حسین بٹالوی صاحب، مولوی ثناءاللہ امرتسری صاحب جو دعویٰ سے قبل آپ سے اعتقاد رکھتے ا

ور مریدانہ اخلاص کا اظہار کرتے تھے۔ دعویٰ کے بعد جب، ایمان کی راہ میں درپیش ابتلاؤں اور مشکلات کو بھاری جان کر، ایک بار ہدایت پانے میں ناکام رہے تو پھر بعد میں حق کو جھوٹ ہی کہتے رہے۔

9۔ جاری نظام (Status Quo) کو برقرار رکھنے کے خواہش مند :

چلتا ہوا نظام مخالفین کے مقام و مرتبہ کو تسلیم کئے ہوتا ہے اور انہیں اپنی سرگرمیوں میں آزادی بھی رکھتا ہے اس لئے وہ اس میں کسی تبدیلی کے روادار نہیں ہوتے ہیں۔ اللہ کے نبی چونکہ ایک نئے نظام کے داعی ہوتے ہیں اس لئے یہ لوگ نبوت کے دعویدار پر حیرانی کا اظہار کرتے ہیں۔ جیسا کہ قرآن ان کے اس طریق کے بارے میں فرماتا ہے:

وَعَجِبُوْٓا اَنْ جَآءَهُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ (صٓ 5:38)

ترجمہ: اورانہوں نے تعجب کیا کہ ان کے پاس انہی میں سے کوئی ڈرانے والا آیا۔

پھر اس کی مخالفت کرتے ہیں اور اپنے پیچھے چلنے والوں کو بھی اسی موجود نظام کی دہائی دیتے ہیں۔ اور انہیں اس کے تحفظ کے نام پر مخالفت پر اکساتے ہیں۔ چنانچہ فرعون اور اس کے سرداروں نے عوام النّاس کو حضرت موسیٰ ؑ کی دعوت سے دور رکھنے کے لئے یہی حربہ اختیار کیا اور جاری نظام کو بے مثال کہہ کر اللہ کے نبیوں کو اس کے لئے خطرہ قرار دیتے ہوئے کہا:

وَيَذْهَبَا بِطَرِيقَتِكُمُ الْمُثْلٰى (طٰہٰ 64:20)

ترجمہ: (یہ دونوں چاہتے ہیں کہ) تمہارے مثالی طریق کو نابود کردیں۔

حضرت مسیح موعود کے مخالفین کا بھی یہی طریق تھا۔ چودھویں صدی میں امام مہدی کی آمد اور حضرت عیسیٰ ؑ کے ظہور کا عقیدہ اس سے پچھلی صدی میں تقریباً متفقہ تھا اور سب منتظر تھے۔ جوں جوں صدی کی آمد کا وقت قریب آتا جاتا تھا۔ اس بارے میں اظہارِ اُمید بڑھتا جاتا تھا اور بڑے بڑے علماء اور عوام سب اس ظہور کو تک رہے تھے۔

تاہم جب آنے والا آگیا تو صاحبِ اثر مخالفین نے ہمیشہ کے طریق کے مطابق انکار کرکے عوام الناس کو اس سے دور رکھنے کے جتن کئے۔ اور پھر آہستہ آہستہ حالات کو حسبِ سابق قائم رکھنے کے لئے یہ راہ نکالی کہ ایک طرف مسیح اور مہدی کے ظہور کی آس کو برقرار رکھا جائے۔ اور دوسری طرف بتائی گئی تمام علامتوں کے ظاہری طور پر پورا ہونے پر اصرار کرکے عملاً ایسے کسی آنے والے کی راہ مسدود کردی جائے۔ اور پھر اس سارے معاملہ کو قربِ قیامت کی علامت کہہ کر اسے مستقبل کے دھندلکوں میں پوشیدہ چھوڑ دیا جائے۔ تا موجودہ وقت میں جاری نظام کو برقرار رکھ کر اپنی اپنی دینی جماعتوں کو ہی رہبر گردانںے کا سلسلہ جاری رہ سکے۔

10۔ آباؤ اجداد کے مسلک کو درست سمجھنا :

انبیاء کے انکار کی ایک وجہ جو بار بار دہرائی گئی وہ مخالفین کا اپنے طریق کو باپ دادا کا مسلک گردانںا اور اسے نہ چھوڑنے پر اصرار تھا۔ قرآنِ کریم نے اسے بطور اصول یوں بیان فرمایا ہے :

وَكَذٰلِكَ مَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِيْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّذِيْرٍ اِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْهَآ ۙ اِنَّا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا عَلٰٓى اُمَّةٍ وَّاِنَّا عَلٰٓى اٰثٰرِهِمْ مُّقْتَدُوْنَ ○
(زُخرف 24:43)

ترجمہ: اور اسی طرح ہم نے کبھی تجھ سے پہلے کسی بستی میں کوئی ڈرانے والا نہیں بھیجا مگر اس کے خوشحال لوگوں نے کہا یقیناً ہم نے اپنے آباؤ اجداد کو ایک خاص مسلک پر پایا اور یقیناً ہم انہی کے نقوشِ قدم پر چلنے والے ہیں۔

انبیا کے حالات میں میں بھی یہ ذکر ملتا ہے۔ چنانچہ یہی بات قوم نوح ؑ، عاد، ثمود اور ان لوگوں نے جو ان کے بعد تھے کہی۔ (ابراہیم 11:14)۔

حضرت ہود ؑ سے اس بات کا کہا جانا سورۃ اعراف 7 آیت 71 میں علیحدہ بھی ذکر ہوا ہے۔

حضرت صالح ؑ سے مخالفین نے کہا:

اَتَنْهٰىنَآ اَنْ نَّعْبُدَ مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا (ھود 63:11)

ترجمہ: کیا تو ہمیں روکتا ہے کہ اس کی پوجا کریں جسے ہمارے آباؤ اجداد پوجتے رہے۔

فرعون اور اس کے سرداروں نے حضرت موسیٰ ؑ سے یہی کہا:

قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا لِتَلْفِتَنَا عَمَّا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا
(یونس 79:10)

ترجمہ: کیا تو ہمارے پاس اس لئے آیا ہے کہ تو ہمیں اس (مسلک) سے

پھیر دے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا۔

آنحضرت ﷺ سے بھی اس باب میں یہی کہا گیا کہ :

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوْلِ قَالُوْا حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا (مائدہ 105:5)

ترجمہ: اور جب انہیں کہا جاتا ہے کہ جو اللہ نے اتارا ہے اس کی طرف آؤ اور رسول کی طرف آؤ تو وہ کہتے ہیں کہ ہمارے لئے وہی کافی ہے جس پر ہم نے اپنے آباؤاجداد کو پایا۔

نیز یہ کہ :

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا (لقمان 22:31)

ترجمہ: اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اس کی پیروی کرو جو اللہ نے اتارا ہے تو کہتے ہیں کہ اس کے بجائے ہم تو اس کی پیروی کریں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا۔

آنحضرت ﷺ کے بارے میں یہی ذکر سورۃ سباء 34 آیت 44 میں بھی ہے۔

حضرت مسیح موعود کے مخالفین نے بھی اسی راہ پر قدم مارا۔ان میں سے جو مقلد تھے ان کا تو عقیدہ ہی یہ تھا کہ جو کچھ سینکڑوں برس قبل کہہ دیا گیا اور اس سے جو انہوں نے سمجھا اس سے سرِ مو دائیں بائیں نہیں ہونا۔ خواہ اس کا غلط ہونا کتنا ہی ظاہر و باہر ہو۔ جو اپنے آپ کو حدیث سے جوڑتے تھے وہ بھی اسلاف کی تشریح وتوضیح کو کافی گردانتے اور اس سے جو کچھ خود سمجھتے اسی کو درست جانتے۔ حتیٰ کہ اگر مخالفِ قرآن ہو تب بھی اسے ترجیح دیتے۔ آباؤاجداد کے مسلک پر قائم رہنا۔ ان کے لئے سچائی کے راستہ میں ایک بڑی روک بنا رہا۔

حضرت مسیح موعود نے اس کا یوں ذکر فرمایا :

’رہے نام کے مولوی ۔۔۔ وہ صرف آبائی تقلید کی وجہ سے ہمارے ۔۔۔مخالف ہو گئے ہیں‘۔ (اتمام الحجۃ روحانی خزائن جلد 8 صفحہ نمبر 302)

بہتے پانی کی طرح علم اگر رواں رہے تو ہی تازہ رہتا ہے وگرنہ کھڑے پانی کی طرح بدبودار اور بدمزہ ہو جاتا ہے۔ قرآن ایک مستقل قائم رہنے والی حقیقت اسی لئے ہے کہ وہ بار بار غوروفکر اور تدبر کا حکم دیتا ہے۔یہ غوروفکر ربّانی حقائق کو پیشِ نظر رکھ کر ہی ہوسکتا ہے۔ اس سے اجتہاد کی راہ کھلی رہتی ہے۔ اسلاف نے اپنے اپنے دور میں دین کی بہترین تشریح کی اور قابلِ احترام ہوئے۔لیکن گزرتے وقت کے ساتھ نئے مسائل کا سامنا ہوتا ہے۔ اسلام دشمن بھی نئے نئے ہتھیاروں کے ساتھ حملہ آور ہوتے ہیں۔ ایسے میں ماضی پر مُصر رہنا اور نئی راہوں کی راہ میں کھڑے ہو جانا محض گھاٹے کا سودا تھا اور ہے۔

11۔ حکمرانوں اور مذہبی لیڈروں کی پیروی میں انکار کرنا :

انکار کی ایک وجہ لوگوں کا اپنے ان حکمرانوں کی پیروی ہے جو اپنے کِبر و نخوت کے ہاتھوں حق کا انکار کر چکے ہوتے ہیں۔اس کی ایک مثال حضرت موسیٰؑ اور حضرت ہارونؑ کے انکار میں سرداروں کی فرعون کی پیروی ہے۔ قرآنِ کریم میں اس کا ذکر یوں ہے:

فَاتَّبَعُوْٓا اَمْرَ فِرْعَوْنَ ۚ وَمَآ اَمْرُ فِرْعَوْنَ بِرَشِيْدٍ (ہود 98:11)

ترجمہ: اُنہوں نے فرعون کے حکم کی پیروی کی جب کہ فرعون کا حکم درست نہ تھا۔

ان الفاظ سے یہ اصول ظاہر ہے کہ حکمرانوں کے نادرست اور غلط فیصلوں کی پیروی بدنتائج کی حامل ہے اور حکم صرف وہی مانے جانے ضروری ہیں جو درست ہوں۔وگرنہ انجام یہی ہوتا ہے کہ :

يَقْدُمُ قَوْمَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَاَوْرَدَهُمُ النَّارَ (ہود 11: 99)

ترجمہ: قیامت کے دن وہ اپنی قوم کے آگے چلے گا اور انہیں آگ کے گھاٹ پر لا اتارے گا۔

عوام الناس دوسروں کے پیچھے چل کر انبیاء کا انکار کرتے ہیں ان کے وہ

لیڈر۔ جو علم، سمجھ یا طاقت میں ان عامیوں سے بڑھے ہوئے ہوتے ہیں۔ اپنے اس ذاتی مفاد کے لئے کہ یہ لوگ ان کے چنگل سے آزاد نہ ہوسکیں، ان کم علم، ناسمجھ اور کمزور افراد اور سچائی کے درمیان جھوٹ پر مبنی نفرت کی ایک دیوار کھڑی کردیتے ہیں۔ اور ان کے ذہنوں کو زہر آلود کرکے انہیں سچ ماننے سے محروم رکھتے ہیں۔ جیسا کہ اپنی نافرمانی کرنے والوں کے بارے میں حضرت نوحؑ نے اللہ سے عرض کی:

وَقَدْ اَضَلُّوْا كَثِيْرًا (نوح 25:71)

ترجمہ: اور انہوں نے بہتوں کو گمراہ کردیا۔

نبیوں کے مخالفین کا لوگوں کے پیچھے چلنے کا ذکر قرآنِ کریم میں کئی جگہ مذکور ہے۔

قومِ عاد کے بارے میں فرمایا:

وَتِلْكَ عَادٌ جَحَدُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ وَعَصَوْا رُسُلَهٗ وَاتَّبَعُوْٓا اَمْرَ كُلِّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ۝ (ہود 60:11)

ترجمہ: اور یہ ہیں عاد۔ انہوں نے اپنے ربّ کی آیات کا انکار کردیا اور اس کے رسولوں کی نافرمانی کی اور ہر سخت جابر (اور) سرکش کے حکم کی پیروی کرتے رہے۔

قومِ ثمود کی ہلاکت کا باعث ایسے ہی افراد کا ایک گروہ تھا۔ جیسا کہ مذکور ہے:

وَكَانَ فِي الْمَدِيْنَةِ تِسْعَةُ رَهْطٍ يُّفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ وَلَا يُصْلِحُوْنَ۝ (نمل 49:27)

ترجمہ: اور مرکزی شہر میں نو اشخاص تھے جو ملک میں فساد کیا کرتے تھے اور اصلاح نہیں کرتے تھے۔

قوم کے لیڈروں اور حکام کا فریق بن کر ناحق کو حق قرار دینا اور عوام الناس کے نفع نقصان کا خود کو ذمہ دار ٹھہرا لینا بھی ان کی گمراہی کا باعث ہوجاتا ہے۔ قومِ فرعون اسی طرح فرعون کے ہاتھوں گمراہ ہوئی۔ اس نے بجائے اپنی قوم کو ہدایت قبول کرنے میں مدد دینے کے خود کو بڑا اور ہدایت یافتہ ٹھہرا کر حضرت موسیٰؑ اور حضرت ہارونؑ کے انکار کو ہدایت کا راستہ قرار دیا۔ قرآن کریم میں یہ مضمون ان آیات میں بیان ہوا ہے۔

i۔ وَاَضَلَّ فِرْعَوْنُ قَوْمَهٗ وَمَا هَدٰى۝ (طٰہٰ 80:20)

ترجمہ: اور فرعون نے اپنی قوم کو گمراہ کردیا اور ہدایت نہ دی۔

ii۔ قَالَ فِرْعَوْنُ مَآ اُرِيْكُمْ اِلَّا مَآ اَرٰى وَمَآ اَهْدِيْكُمْ اِلَّا سَبِيْلَ الرَّشَادِ۝ (مؤمن 30:40)

ترجمہ: فرعون نے کہا میں جو کچھ سمجھتا ہوں ایسا ہی تمہیں سمجھا رہا ہوں اور مَیں ہدایت کے رستے کے سوا کسی اور طرف تمہاری راہنمائی نہیں کرتا۔

صاحبانِ اقتدار کا خود نبی کا مخالف ہونا اور حق قبول کرنے والوں پر حکومتی ظلم و زیادتی بھی کمزوروں کے حق قبول کرنے کی راہ میں روک بن جاتی ہے۔ حضرت موسیٰؑ کی قوم کی اکثریت کے ایمان نہ لانے کی قرآن کریم یہی وجہ قرار دیتا ہے جیسا کہ فرمایا:

فَمَآ اٰمَنَ لِمُوْسٰٓى اِلَّا ذُرِّيَّةٌ مِّنْ قَوْمِهٖ عَلٰى خَوْفٍ مِّنْ فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهِمْ اَنْ يَّفْتِنَهُمْ (یونس 84:10)

ترجمہ: پس موسیٰ پر ایمان نہیں لائی مگر اس کی قوم میں سے ایک (تھوڑی) ذریت بسبب اس خوف کے کہ فرعون اور ان کے سردار انہیں کسی تکلیف دہ آزمائش میں نہ ڈال دیں۔

حضرت مسیح موعود کی مخالفت کی مہم بھی معدودے چند بااثر مخالفین کے ہاتھ میں رہی اور ہے۔ یہ مذہبی لیڈر اپنے مفاد میں اپنے زیرِ اثر عوام الناس کو انکار پر آمادہ رکھتے رہے ہیں۔ یہ بظاہر ان سے ہمدردی کے نام پر ہوتا ہے۔ جیسا کہ ایک مخالف نے خود لکھا:

'مسلمانوں کا وہ خاصا بڑا گروہ جو جال میں پھنس گیا ہے۔۔۔ ان سے ہم کو ہمدردی ہے اس وجہ سے ہم یہ مضمون لکھتے ہیں'۔

(تحریر خواجہ غلام الثقلین ایڈیٹر مندرجہ عصرِ جدید 1904ء بحوالہ احتسابِ قادیانیت جلد نمبر 5 صفحہ نمبر 257)

عوام چونکہ خود علم نہیں رکھتے اور پیدائش سے وفات تک اپنے دینی معاملات از قسم نومولود کے کان میں اذان، تعلیم ناظرہ قرآن، نکاح و طلاق، نمازِ جنازہ وغیرہ کی انجام دہی کے لئے مولوی کے محتاج ہیں۔ اس لئے وہ اس کی احمدی مخالف باتوں کو بھی بلا تحقیق مان لیتے ہیں اور بسا اوقات اکسانے پر

خلافِ قانون سرگرمیاں بھی کر لیتے ہیں۔
یہ لیڈر اِن لوگوں کو احمدیوں سے میل ملاقات نہ کرنے اور ان سے دور رہنے کی تاکید اسی غرض سے کرتے ہیں کہ وہ احمدی فکر کی سچائی سے متاثر نہ ہو جائیں ۔ اپنے اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے وہ عوام الناس پر جذباتی استحصال کے حربے بھی استعمال کرتے ہیں۔ خلافِ واقعہ ناموسِ رسولِ کریم ﷺ کی دہائیاں دیتے ہیں اور غلط کاروں کو یہ تسلی بھی کہ وہ روزِ محشر ان حرکتوں کا اجر پائیں گے۔ حتیٰ کہ ان میں سے بعض ایسا کرنے والے خطا کاروں کو نانا سے سفارش کرانے کی ضمانت بھی دیتے رہے ہیں۔

12۔ ایمان لانے والوں کو حقیر دیکھنا :

نبی کی دعوت پر ابتدا میں ایمان لانے والے اکثر غریب اور مفلوک الحال لوگ ہوتے ہیں پھر وہ تعداد میں بھی کم ہوجاتے ہیں۔
مخالف اس بات کو بھی نبی کے انکار کی ایک وجہ بنا لیتے ہیں جیسے حضرت نوحؑ کا انکار کرنے والوں نے یہی سوال اٹھایا کہ :

قَالُوٓا اَنُؤۡمِنُ لَکَ وَاتَّبَعَکَ الۡاَرۡذَلُوۡنَ ؇ (شعراء 112:26)

ترجمہ: انہوں نے کہا ہم تیری بات مان لیں جبکہ سب سے نچلے درجہ کے لوگوں نے تیری پیروی کی ہے۔
اور اسی بات کو انہوں نے حضرت نوحؑ کو جھوٹا گمان کرنے کی ایک وجہ بیان کیا کہ :

وَمَا نَرٰی لَکُمۡ عَلَیۡنَا مِنۡ فَضۡلٍۭ بَلۡ نَظُنُّکُمۡ (ھود 28:11)

ترجمہ: ہم اس کے سوا تجھے کچھ نہیں دیکھتے کہ جن لوگوں نے تیری پیروی کی ہے وہ بادی النظر میں ہمارے ذلیل ترین لوگ ہیں۔
فرعون نے حضرت موسیٰؑ اور ہارونؑ پر ایمان لانے والوں کو تحقیر سے اقلیت کہا: اِنَّ ہٰۤؤُلَآءِ لَشِرۡذِمَۃٌ قَلِیۡلُوۡنَ ؇ (شعراء 55:26)

ترجمہ: یقیناً یہ لوگ ایک حقیر اقلیتی جماعت ہیں۔
احمدیوں کو بھی ہمیشہ کم تر گردانا گیا۔ ان پر بزعمِ خود اعلیٰ درجہ والوں کی مساجد اور قبرستان کے در بند کئے گئے۔ کسی احمدی کے مسجد میں چلے جانے پر مسجد کا فرش ناپاک قرار دے کر از سرِ نو بنانے کا حکم ہوا۔ احمدی کی تدفین ہو جانے پر قبرستان کی حرمت کا سوال اٹھایا گیا اور قبر اکھاڑ پھینکی گئی۔ کسی ایک فریق کے احمدی ہو جانے پر نکاح ٹوٹ جانے کے فتویٰ دیئے گئے اور بسا اوقات احمدی ہونے والے ایسے مَردوں کی بیویاں چھین لی گئیں۔
مولوی کی اس تعلیم کو قانون کا سہارا دینے کے لئے آئینی ترمیم کے ذریعہ احمدیوں کو دوسرے درجہ کا شہری قرار دے دیا گیا۔ اور ان پر حصولِ روزگار اور تعلیم کے دروازے بند کرنے کی راہ کھولی گئی۔ پھر مزید قانون لاگو کر کے ان کے اپنے عقیدہ پر عمل اور اس کے اظہار کو قابلِ تعزیر جرم بنا دیا گیا۔ احمدیوں کی کم تعداد کا بھی بار بار حقارت سے ذکر کیا جاتا ہے۔ اور مولوی انہیں اکثریت میں ضم ہونے کے مشورے دیتے ہیں۔ احمدی مخالف تنظیموں کی طرف سے شائع ہونے والے کتابچے از قسم 'قادیانیوں کو دعوتِ اسلام' اور 'قادیانیوں سے پہلا خطاب' وغیرہ اسی غرض سے ہیں۔ سیاست دان اس کمزور تعداد جماعت کی حمایت کر کے اکثریت کھونا نہیں چاہتے۔
اس تعلیم پر عمل در آمد اب عام ہے۔ بیشتر ملازمتیں اور کاروبار میں شراکت احمدیوں کے لئے ممنوع ہیں۔ جہاں کہیں ملازمت مل جاتی ہے وہاں ان سے نفرت و حقارت کا سلوک روا رکھا جاتا ہے۔ اس کے کھانے کے برتن علیحدہ کر دئے جاتے ہیں۔ ان سے سلام دعا نہیں ہوتی۔ اور مراعات اور ترقی دینے میں انہیں نظر انداز کیا جاتا ہے۔ انہیں کرائے پر مکان اور دوکان دینے میں تامل اور اکثر انکار ہوتا ہے۔ ان کے خلاف کی جانے والی کسی بھی زیادتی حتیٰ کہ ان کی جان لینے پر بھی دادرسی کی راہیں اب عملاً بند ہیں کہ منصف بھی مولوی کی راہ پر ہیں۔

13۔ حصولِ رزق کے لئے جھٹلانا :

نبی کی دعوت کے خلاف عوام الناس کو اشتعال دلا کر ان سے پیسے بٹورنا بسا اوقات ایک منعفت بخش ذریعہ معاش ہو جاتا ہے اور پھر یہ مخالف اسی کام کے ہو جاتے ہیں اور حصولِ رزق کے لئے نبی اور اس کی جماعت کو ہر طرح جھٹلانا ان کا پیشہ بن جاتا ہے۔ ایسے لوگوں کا ذکر اللہ تعالیٰ نے یوں فرمایا:

وَتَجۡعَلُوۡنَ رِزۡقَکُمۡ اَنَّکُمۡ تُکَذِّبُوۡنَ ؇ (واقعہ 83:56)

ترجمہ: اور تم اپنا رزق بناتے ہو اسی بناء پر کہ تم جھٹلاتے ہو۔

احمدیوں کی مخالفت بھی ہمیشہ ایک منفعت بخش پیشہ رہا ہے۔ حضرت مسیح موعود کے اولین مخالفین بھی اس سے بہرہ ور ہوئے ہیں۔ مولوی محمد حسین بٹالوی صاحب، اس سے صاحبِ جائداد ہوئے۔ جیسا کہ 1902ء میں اپنی وصیت میں انہوں نے خود لکھا:

'سکونتی مکان میری اپنی خداداد زر سے خریدے ہوئے تین ہیں۔ ایک ۔۔ قدیم، دوسرا دیوان خانہ۔ تیسرا مکان منہدم ۔۔۔ اراضی جو خدا تعالیٰ نے گورنمنٹ سے مجھے دلوائی ہے چار مربع ہے'۔ (وصیت مولوی محمد حسین بٹالوی مندرجہ اشاعۃ السنہ نمبر 1 جلد 19 بابت 1902ء صفحہ نمبر 1،7)

مولوی ثناءاللہ صاحب امرتسری صاحب جن کا اولین ذریعۂ معاش رفوگری تھا جیسا کہ ان کی سوانح میں لکھا ہے:

'حیاتِ مستعار کی چودھویں منزل میں ۔۔۔ آپ کے برادر بزرگ محمد ابراہیم مرحوم نے آپ کو رفوگری کا فن سکھایا اور اس میں مولانا نے مہارتِ تامہ حاصل کی۔ اور کچھ عرصہ اس کو ذریعۂ معاش بنائے رکھا'۔ (سیرت ثنائی از عبدالمجید سوہدروی صفحہ نمبر 98 مطبوعہ مسلم پبلیکیشنز لاہور)

لیکن بعد میں حضرت مسیح موعود کی مخالفت روزگار کرنے کے بعد خوب مالدار ہوئے جس کا بیان یوں ہوا:

'یتیم و مسکین ثناءاللہ جس کا نہ کوئی اثاثہ تھا اور نہ ترکۂ پدری، جب رفوگری چھوڑ کر علومِ دینیہ کی تعلیم و تعلم، درس و تدریس، نشر و اشاعت میں مصروف ہوا تو جوں جوں وہ علم و فضل کے میدان میں قدم بڑھاتا گیا اس کے ساتھ ہی دولت و ثروت بھی اس کے پاؤں چومنے لگی اور آخر کار حالت بہ ایں جا رسید کہ مولانا صاحب اقبال اور صاحب جائداد ہوگئے۔ ایک وہ وقت تھا کہ کرائے کے ایک نہایت معمولی سے مکان میں رہتے تھے۔ پھر وہ زمانہ آیا کہ ایک دو نہیں، آٹھ تو مکان اور کئی دکانیں انہوں نے خریدیں اور بنوائیں۔ نقدی کی بھی کمی نہ تھی۔ طلائی و نقرئی زیورات کے علاوہ ہزار روپے جمع ہوگئے'۔

(سیرت ثنائی از عبدالمجید سوہدروی صفحہ نمبر 102۔103 مطبوعہ مسلم پبلیکیشنز لاہور)

'مولانا مرحوم شہر کے مسلم روساء میں سے تھے۔ لاکھوں روپے کا سامان موجود تھا، ہزاروں روپے نقد، ہزار ہا روپے کے زیورات صندوقوں میں بند تھے، ہزار ہا روپے کا کتب خانہ تھا، پارچات کی کمی نہ تھی'۔

(سیرت ثنائی از عبدالمجید سوہدروی صفحہ نمبر 471 مطبوعہ مسلم پبلیکیشنز لاہور)

احرار نے احمدیوں کی مخالفت میں خوب اودھم مچایا اور اس سے ان کو خوب یافت بھی ہوئی۔ جس کا اظہار خود ایک مخالف مولوی ظفر علی خان صاحب نے یوں کیا:

'احمدیوں کی مخالفت کی آڑ میں احرار نے خوب ہاتھ رنگے۔ احمدیوں کی مخالفت کا احرار نے محض جلبِ زر کے لئے ڈھونگ رچا رکھا ہے۔ قادیانیت کی آڑ میں غریب مسلمانوں کے گاڑھے پسینہ کی کمائی ہڑپ کر رہے ہیں'۔

(تقریر جلسہ منعقدہ مسجد خیرالدین امرتسر منقول از ایک خوفناک سازش مصنفہ مولوی مظہر علی اظہر بحوالہ مسیح موعود اور جماعت احمدیہ از عبدالمنان شاہد صاحب صفحہ نمبر 319 نظارت اصلاح و ارشاد 1968ء)

اب بھی بظاہر ایسا ہی ہو رہا ہے اور احمدیوں کی مخالفت کے لئے قائم اداروں اور ان سے متعلق افراد کے لئے یہ حصولِ رزق کا کامیاب وسیلہ ہے۔

14۔ مؤقف بدلتے رہنا:

انبیاء کے مخالفین کا ایک افسوسناک رویہ ان کا بدلتا مؤقف ہے۔ وہ حسبِ ضرورت کوئی بھی اعتراض، الزام یا مخالفت کا بہانہ اختیار کر لیتے ہیں خواہ وہ ان کے پہلے مؤقف سے متصادم بلکہ الٹ ہی کیوں نہ ہو۔ کیونکہ ان کی مخالفت جھوٹ پر مبنی ہوتی ہے اس لئے بے بنیاد ہوتی ہے اور اپنے موقف کو بدلتے رہنا ان کا مقدر بن جاتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ بطور اصول فرماتا ہے:

وَمَثَلُ كَلِمَةٍ خَبِيْثَةٍ كَشَجَرَةٍ خَبِيْثَةٍ اجْتُثَّتْ مِنْ فَوْقِ الْاَرْضِ مَا لَهَا مِنْ قَرَارٍ ۝ (ابراہیم 27:14)

ترجمہ: اور ناپاک کلمہ (انبیاء کے مخالفین) کی مثال ناپاک درخت کی سی ہے جو زمین پر سے اکھاڑ دیا گیا ہو۔ اس لئے (کسی ایک مقام پر) قرار مقدر نہ ہو۔

حضرت مسیح موعود کے مخالف بھی حسبِ ضرورت اپنے مؤقف بدلتے رہے۔ چار اہم معاملات میں ان کے دو مختلف اور متضاد مؤقف بطور مثال درج ذیل ہیں:

ا۔ زمانہ ظہورِ امام مہدی: ایک وقت تھا کہ سب یہ کہتے اور اس

اظہارِ امید سے نہ تھکتے تھے کہ چودھویں صدی کے آغاز پر امام مہدی اور نزولِ عیسیٰؑ ہو جائے گا اور دورِ زوال ختم ہو جائے گا۔لیکن جب اپنے خیالی اور ظاہرا علامتوں کے مطابق یہ ظہور نہ ہؤا تب اوّل تو ان امیدوں کو مؤخر کر دیا گیا۔

یہاں تک کہا گیا کہ چودھویں صدی کبھی ختم نہ ہوگی۔لیکن آہستہ آہستہ اپنی دانست میں کچھ نہ ہوتے دیکھ کر کسی آنے والے کے انکار کی نوبت آئی۔

شاعروں نے یہ مضمون باندھا: ؎ اب یہ انتظارِ مہدی وعیسیٰ بھی چھوڑ دے‘ (ماہنامہ مخزن مئی 1905)

اور قلم کاروں نے اس انتہاء کو پہنچایا ’آنے والے کا انتظار مایوسی کا پیدا کردہ ہوتا ہے‘۔

(ختم نبوت از غلام احمد پرویز صفحہ نمبر 330 ادارہ طلوعِ اسلام دوسرا ایڈیشن جنوری 1975ء)

دوسری طرف مولویوں نے اس ظہور کو قیامت سے قریب تر مؤخر کر دیا۔نیز تمام بتائی گئی علامات کا بجنسہٖ ظاہرا طو پر پورا ہونا قرار دیا اور یوں ایک طرح سے ان کا انکار ہی کر دیا۔

ب۔ چاند سورج کو گرہن: آنحضرت ﷺ نے آنے والے موعود کی ایک خاص علامت چاند اور سورج کا ایک ہی رمضان میں بتائی گئی تاریخوں میں گرہن لگنا بتائی تھی۔ 1882ء میں حضرت مسیح موعود کے اپنے مقام سے متعلق الہامات کی اشاعت کے بعد سے مخالف یہ کہتے رہے کہ مہدی کے ظہور کی یہ بنیادی علامت پوری نہیں ہوئی اس لئے آپ کا دعویٰ درست نہیں۔

لیکن جب یہ پیشگوئی من وعن پوری ہوگئی اور 1894ء میں مشرقی کرہ بشمول ہندوستان میں یہ گرہن لگ گئے اور اگلے سال 1895ء میں مغربی کرّہ میں۔ تو اس حدیث کو ضعیف قرار دیا جانے لگا۔ یا قمر کو گرہن لگنے والی تاریخوں میں سے پہلی تاریخ کو گرہن لگنے کی اس خبر کو چاند کی پہلی تاریخ کو گرہن کی خبر کہنے لگے جبکہ پہلی تاریخ کا چاند قمر نہیں ہوتا اور ہلال کہلاتا ہے۔ اسی لئے چاند ہو جانے کی تصدیق کر کے لئے رؤیتِ ہلال کمیٹی ہوتی ہے نہ کہ رؤیتِ قمر کمیٹی۔

ج۔ انگریز کے مخالف اور دوست: حضرت مسیح موعود کے وقت میں بعض مخالف آپ کو انگریز حکومت کا مخالف اور آپ کو حکومت کے لئے خطرہ قرار دیتے تھے۔ براہینِ احمدیہ کی اشاعت کے ساتھ ہی ایسی آراء کا اظہار ہونے لگا جس کے ردّ میں مولوی محمد حسین بٹالوی صاحب نے 1884ء میں جب وہ حضرت مسیح موعود سے دوستی کا دم بھرتے تھے۔اپنے رسالہ میں زیرِ عنوان ’پولیٹیکل نکتہ چینی کا جواب‘ لکھا:

’ایسے شخص (حضرت مسیح موعود) پر یہ بہتان کہ اس کے دل میں گورنمنٹ انگلشیہ کی مخالفت ہے اور اس کی کتاب (براہینِ احمدیہ) کی نسبت یہ گمان کہ وہ گورنمنٹ کے مخالف ہے پرلے سرے کی بے ایمانی اور شریعت شیطانی نہیں تو اور کیا ہے؟‘۔

(تحریر مولوی محمد حسین بٹالوی محررہ 1884ء مندرجہ شہادۃ القرآن روحانی خزائن جلد 6 صفحہ نمبر 393)

اس دوران یہ متضاد ردِّ عمل بھی ظاہر ہوئے کہ ایک طرف یہ کہا گیا کہ حضرت مسیح موعود انگریزوں کی خوشامد کرتے ہیں جیسا کہ آپ نے خود یہ ذکر فرمایا:

’انہوں نے۔۔۔یہ مشہور کر دیا کہ گویا ہم۔۔۔انگریزوں کی حد سے زیادہ خوشامد کرتے ہیں‘۔

(کتاب البریہ روحانی خزائن جلد 13 صفحہ نمبر 325)

’قولہ:۔گورنمنٹ کی خوشامد کرتے ہیں‘۔

(ایام الصلح روحانی خزائن جلد 14 صفحہ نمبر 422)

اور دوسری طرف گورنمنٹ کو دجال کہنے پر ایک مخالف نے آپ کو انگریز حکومت کا ناشکر گزار کہا:

’مرزا قادیانی کو گورنمنٹ کا بہت شکریہ ادا کرنا چاہیئے۔مگر بجائے شکریہ کے گورنمنٹ کو دجال کہتے ہیں‘۔

(انوارالحق از انواراللہ خان حیدرآبادی مطبوعہ 1904ء بجواب تائیدالحق از مولانا حسن علی بحوالہ احتسابِ قادیانیت جلد 21 صفحہ نمبر 625)

بعد میں خود مولوی بٹالوی صاحب نے اپنا مؤقف بدل لیا اور حضرت مسیح موعود کو انگریز حکومت کا مخالف قرار دے کر لکھا:

’مہدی سوڈانی سے زیادہ ضرررساں‘۔(اشاعۃ السنۃ جلد 12 نمبر 6 صفحہ نمبر 128) ’گورنمنٹ کے لئے محلِ خوف‘ (اشاعۃ السنۃ جلد 18 نمبر 3

صفحہ نمبر 81)

'در پردہ گورنمنٹ کے بدخواہ' اور 'حکومت پر قبضہ کرنے کے لئے جمعیت وشوکت کے منتظر'۔ (اشاعۃ السنۃ جلد 18 نمبر 5 صفحہ نمبر 152)

حضرت مسیح موعود نے خود اس کا یوں ذکر فرمایا:

'اس (محمد حسین) نے مجھے گورنمنٹ انگریزی کا باغی قرار دیا'۔ (کشف الغطاء روحانی خزائن جلد 14 صفحہ نمبر 223)

اگر چہ ایک اور موقعہ پر انہوں نے اپنی پہلی رائے دہرائی جس کا ذکر حضرت مسیح موعود نے یوں فرمایا:

(محمد حسین بٹالوی کو) 'اپنی شہادت کے وقت میری نسبت بیان کرنا پڑا کہ یہ سرکار انگریزی کا خیر خواہ۔۔۔ ہے"

(کتاب البریہ روحانی خزائن جلد 13 صفحہ نمبر 10)

گویا مولوی بٹالوی صاحب کے رائے بدلتے موسم کا رنگ لئے رہی۔

بعض اور لکھنے والوں نے بھی آپ کو

'گورنمنٹ سے جنگ کے لئے مستعد' (شہادتِ قرآنی از منشی محمد عبداللہ صفحہ نمبر 20 مطبوعہ اسلامیہ اسٹیم پریس 1905ء) اور

'فتنہ اور بغاوت کے لئے آمادہ' (تازیانۂ عبرت از مولوی کرم دین دبیر صفحہ نمبر 93_94 مطبوعہ مسلم پرنٹنگ پریس لاہور) قرار دیا۔

عیسائی پادری بھی ایسا ہی کہتے جیسا کہ حضرت مسیح موعود نے یوں ذکر فرمایا ہے:

'پادری عماد الدین۔۔۔ کتاب توزین الاقوال۔۔ میں۔۔۔ میرے بعض حالات لکھے ہیں اور بیان کیا ہے کہ یہ شخص ایک مفسد آدمی ہے اور گورنمنٹ کا دشمن ہے اور مجھے اس کے طریق چال چلن میں بغاوت کی نشانیاں دکھائی دیتی ہیں اور مَیں یقین رکھتا ہوں کہ وہ ایسے کام کرے گا اور وہ مخالفوں میں سے ہے'۔

(نور الحق حصہ اوّل روحانی خزائن جلد 8 صفحہ نمبر 33_34)

'ڈاکٹر کلارک صاحب نے اپنے بیان میں کہیں اشارۃً اور کہیں صراحتاً میری نسبت بیان کیا ہے کہ گویا میرا وجود گورنمنٹ کے لئے خطرناک ہے'۔

(کتاب البریہ روحانی خزائن جلد 13 صفحہ نمبر 3)

یہ مؤقف 1933ء۔ 1934ء میں بالکل الٹ گیا اور اب ہر مخالف تحریر کا سرنامہ یہی الزام ہوتا ہے کہ حضرت مسیح موعود انگریز کے ایجنٹ تھے۔

مؤقف کی اس تبدیلی کی وجہ سیاست کی راہ تھی۔ جیسا کہ لکھا ہے:

'جب علامہ انور شاہ کاشمیری، پیر مہر علی شاہ گولڑوی اور ثناء اللہ امرت سری وغیرہم۔۔۔ کے علمی اسلحہ، فرنگی کی اس کاشتہ داشتہ نبوت کو موت کے گھاٹ نہ اُتار سکے تو مجلس احرارِ اسلام کے مفکر اکابر نے جنگ کا رُخ بدلا۔ نئے ہتھیار لئے اور علمی بحث ونظر کے میدان سے ہٹ کر سیاست کی راہ سے فرنگی سیاست کے شاہکار پر حملہ آور ہوگئے'۔

(اخبار آزاد 30 اپریل 1951ء صفحہ نمبر 17 بحوالہ تحریکِ احمدیت کے نقاد از مولوی دوست محمد شاہد صفحہ نمبر 17)

د۔ پاکستان بنانے والے اور غدار:

حضرت امام جماعتِ احمدیہ کی راہنمائی، عملی مدد اور دعائیں قدم بقدم تحریکِ پاکستان میں مددگار رہیں اور کئی مشکل مسئلے آپ کے ناخنِ تدبیر سے حل ہوئے۔ قائدِ اعظم سے آپ کے رابطے رہے۔ ایک بار قائد نے اپنے ایک معتمد ساتھی کو حضرت صاحب سے دعا کی درخواست کے لئے قادیان بھی بھجوایا۔ ان عناصر کو جو کانگریس کے حامی اور قائدِ اعظم اور مسلم لیگ کے مخالف تھے، جماعتِ احمدیہ کا تحریکِ پاکستان میں یہ کردار سخت ناپسند تھا اور وہ اس کا تحقیر سے یوں ذکر کرتے:

'پاکستان کا مطالبہ شروع ہوا۔۔۔ مرزا محمود اور اس کی پراپیگنڈا ایجنسی نے مسٹر جناح سے خط وکتابت کی۔۔ مسٹر جناح نے مرزائیوں کو مسلم لیگ میں شامل کر لیا۔۔۔ سال 1945ء میں جب ویول کانفرنس کے بعد انتخابات کا زمانہ شروع ہوا تو مرزائیوں اور لیگیوں میں خفیہ ساز باز شروع ہوئی۔۔۔ مرزا محمود خلیفہ قادیان نے اکتوبر کے مہینے میں ایک اہم اعلان کیا۔۔ اس کے بعد مسٹر جناح نے کوئٹہ میں تقریر کی اور مرزا محمود کی پالیسی کو سراہا۔ اس کے بعد سنٹرل اسمبلی کے الیکشن ہوئے تو تمام مرزائیوں نے مسلم لیگ کو ووٹ دئے'۔

(مسلم لیگ اور مرزائیوں کی آنکھ مچولی از مجلس احرارِ اسلام قادیان صفحہ نمبر 18_19 مطبوعہ اکتوبر 1946ء بحوالہ تحریک پاکستان میں جماعتِ احمدیہ کا کردار از مولانا دوست محمد شاہد صاحب صفحہ نمبر 49_50)

لیکن پاکستان بن جانے کے بعد ان مخالفین نے اپنا مؤقف بدل لیا اور

جماعت کو پاکستان کا مخالف بلکہ غدار کہنا شروع کر دیا۔ اور اب اس عنوان سے پمفلٹ چھاپ چھاپ کر تقسیم کرتے ہیں۔

15۔ حسد کا شکار رہنا :

مخالف بظاہر سچائی کو جھوٹ کہتے ہیں لیکن دل میں انہیں یہ جلن ضرور ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کیوں نبی اور اس کی جماعت پر اپنے فضل سے انعامات اور کامیابیاں نازل کرتا چلا جاتا ہے۔ حسد کی یہ آگ انہیں ہر آن بے چین رکھتی ہے اور انہیں نئے سے نئے مخالفانہ حربے استعمال کرنے پر اکساتی ہے۔ ہر بار وہ خیال کرتے ہیں کہ شائد ان کا نیا مکر کامیاب ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ مخالفین کے اس رویہ کا یوں ذکر فرماتا ہے:

اَمۡ یَحۡسُدُوۡنَ النَّاسَ عَلٰی مَاۤ اٰتٰىھُمُ اللّٰہُ مِنۡ فَضۡلِہٖ

(نساء 55:4)

ترجمہ: کیا وہ اس پر لوگوں سے حسد کرتے ہیں جو اللہ نے ان کو اپنے فضل سے عطا کیا ہے۔

حسد کی اس آگ کا بجھنا اس پر موقوف ہے کہ مومن اپنے ایمان سے پھر جائیں اور واپس تاریکی اختیار کر لیں جیسا کہ قرآنِ کریم بیان فرماتا ہے:

وَدَّ کَثِیۡرٌ مِّنۡ اَھۡلِ الۡکِتٰبِ لَوۡ یَرُدُّوۡنَکُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ اِیۡمَانِکُمۡ کُفَّارًا ۚۖ حَسَدًا مِّنۡ عِنۡدِ اَنۡفُسِھِمۡ ۚ (بقرہ 110:2)

ترجمہ: اہل کتاب میں سے بہت سے ایسے ہیں جو چاہتے ہیں کاش وہ تمہیں تمہارے ایمان لانے کے بعد (ایک دفعہ پھر) کافر بنا دیں بوجہ اس حسد کے جو ان کے دلوں میں ہے۔

اس حسد کے شر سے حفاظت کے لئے ہی مومنوں کو یہ دعا سکھائی گئی کہ وہ اللہ سے اور باتوں کے ساتھ اس سے بھی پناہ چاہیں کہ:

وَمِنۡ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ ۝ (فلق 6:113)

ترجمہ: اور حاسد کے شر سے جب وہ حسد کرے۔

حضرت مسیح موعود پر اللہ تعالیٰ کے فضل اور الٰہی تائید و نصرت سے ظاہر ہونے والے نشان مخالفین کی آتشِ حسد کو ہر آن بھڑکاتے تھے۔ وہ ان کامیابیوں کا ذکر کرتے تو اس حسد کو چھپا نہ پاتے تھے جیسے مولوی محمد حسین بٹالوی صاحب کا یہ کہنا:

'اے خیر خواہانِ ملک و قوم اہل اسلام! کیا آپ صاحبوں نے ہمارا مضمون فتنۂ قادیانی نمبر 1 مندرجہ اشاعت السنّۃ جلد 13 نہیں دیکھا اور اس میں قادیانی کے پاس ساٹھ ہزار اشخاص کا آنا اور ان کی مہمانداری میں دس ہزار روپیہ کے قریب صرف ہونا نہیں پڑھا'۔

(اشاعۃ السنّۃ بحوالہ درسِ عبرت از بشیر احمد رفیق صفحہ نمبر 149 مطبوعہ انگلستان)

'ہزاروں روپیہ کا میرزا کے پاس آنا اور اس کے تابعین کا نمبر بڑھتا جانا میرزا کے حق پر ہونے کی دلیل نہیں'۔

(اشاعت السنّۃ جلد 20 صفحہ نمبر 122 بحوالہ درسِ عبرت از بشیر احمد رفیق صفحہ نمبر 153 مطبوعہ انگلستان)

'میرزا کا یہ حال ہے کہ اوّل تو اس کا کام مفت ہو جاتا ہے اور اس کے مرید ہی وکیل و مختار ہو جاتے ہیں اور اگر اس کو چندہ کی ضرورت پڑے تو ایسے مواقع پر اس کے ہاں اس قدر چندہ کی بھرمار ہو جاتی ہے کہ گویا ایک تجارتی سبیل نکل آتی ہے۔ دس روپیہ کی ضرورت پیش آوے تو سو روپے جمع ہو جاتے ہیں'۔

(اشاعۃ السنّۃ نمبر 4 جلد 2 صفحہ نمبر 110 بحوالہ درسِ عبرت از بشیر احمد رفیق صفحہ نمبر 154 مطبوعہ انگلستان)

حضرت مسیح موعود کو نقصان پہنچانے کے خواہش کے تحت اس حسد کے ہاتھوں وہ انگریز کو اپنا واحد سہارا جان کر بار بار اسے آپ کے خلاف اکساتے اور آپ کو حکومت مخالف اور ایک باغی کے طور پر پیش کرتے۔ حضرت مسیح موعود نے مولوی محمد حسین بٹالوی صاحب کے ایسا کرنے کو یوں ذکر فرمایا:

'مولوی ابو سعید محمد حسین۔۔ محض عداوت اور حسدِ ذاتی کی تحریک سے اس بات پر زور دیتا ہے کہ گویا نعوذ باللہ یہ عاجز گورنمنٹ کا سچا خیر خواہ نہیں ہے'۔

(شہادۃ القرآن روحانی خزائن جلد 6 صفحہ نمبر 382)

حضرت مسیح موعود کے رہن سہن کے بارے میں جھوٹ سے پُر مبالغہ آرائی کر کے حسد کا ایک ایسا ہی اظہار ایک مخالف کے یہ الفاظ ہیں کہ:

'یہ تُرفہ اور فارغ البالی اور عیش و عشرت عموماً اُمراء کو بھی نصیب نہیں'۔

(افادۃ الاوہام حصہ دوم از مولوی انوار اللہ خان بحوالہ احتسابِ قادیانیت صفحہ نمبر 317)

آپ کی عزت اور توقیر کے بارے میں یہ تحریر بھی کچھ ایسا ہی اظہار ہے:

'مرزا قادیانی۔۔۔کی وہ توقیر ہوئی کہ ان کی تصویر مکانوں میں اس اعزاز اور آداب سے رکھی جاتی ہے کہ شائد کرشن جی کی تصویر کو برہمن کے گھر میں بھی وہ اعزار نصیب ہو'۔

(افادۃ الافہام حصہ اوّل از مولانا انواراللہ خان بحوالہ احتسابِ قادیانیت جلد 21 صفحہ نمبر 86)

16۔سرکش اور فسادی ہونا :

انبیاء کے مخالفین کا ایسا کرنے کا ایک سبب ان کا سرکش اور فسادی ہونا ہے۔ چنانچہ عاد، ارم، ثمود کی قوموں اور فرعون کا اپنے اپنے انبیاء کے انکار کے نتیجہ میں عذاب کا شکار ہونے کے ذکر میں قرآنِ کریم فرماتا ہے:

الَّذِيْنَ طَغَوْا فِي الْبِلَادِ○فَاَكْثَرُوْا فِيْهَا الْفَسَادَ○ (فجر 89: 13۔12)

ترجمہ: (یہ) وہ لوگ (تھے) جنہوں نے ملکوں میں سرکشی کی اور ان میں بہت زیادہ فساد کیا۔

حضرت مسیح موعود کے مخالفین نے بھی مزاجاً فسادی ہونے کے سبب آپ کی دعوت کو سرکشی سے ٹھکرا دیا۔ اس سرکشی کے سبب ان میں سے ایک کو یہ الفاظ کہنے کی جرأت ہوئی:

' آسمانی نشان تو دکھا دیں۔ اگر بحث نہیں کرنا چاہتے تو ربُّ العرش خیر الماکرین سے میری نسبت کوئی آسمانی نشان تو مانگیں'۔

(خط لیکھرام محررہ دسمبر 1885ء مندرجہ استفتاء روحانی خزائن جلد 12 صفحہ نمبر 115)

اور فسادی ہونے کے سبب ان میں سے بعض نے برملا بصورت فتویٰ یہ دعوتِ فساد دی:

' یہ شخص واجب القتل ہے اور ان کا مال لوٹ لینا جائز اور ان کی عورتوں کو جبراً اپنے قبضہ میں لے کر ان کے ساتھ نکاح کر لینا یہ سب باتیں درست ہیں بلکہ موجبِ ثواب ہیں'۔ (اشتہار مؤرخہ 29 رمضان 1308ھ مطبوعہ مطبع حقانی لودیانہ اور رسالہ سیف مسلول مطبع 1 یجرٹن پریس راولپنڈی مندرجہ کشف الغطاء روحانی خزائن جلد 14 صفحہ نمبر 196)۔

حضرت مسیح موعود نے خود اسے یوں دہرایا ہے:

کہا کہ یہ لوگ مرتد اور دین سے خارج ہیں اور ان کا قتل کرنا بڑے ثواب کی بات ہے اور ان کا مال لوٹنا اگرچہ چوری سے ہی کیوں نہ ہو حلال طیّب ہے اور ان کی عورتوں کو پکڑ لینا اور ان کی اولاد کو غلام بنا لینا عملِ صالح میں داخل ہے'۔

(نور الحق حصہ اوّل روحانی خزائن جلد 8 صفحہ نمبر 5)

آج بھی یہی رَوِش ہے اور احمدیوں کے بائیکاٹ اور واجب القتل ہونے کے درس خوب مشتہر کئے جاتے ہیں۔

17۔ ناانصافی کرنا :

اللہ کے نبی نشانات کے ساتھ آتے ہیں جو سعید فطرت لوگوں کے لئے ہدایت کا سامان بنتے ہیں لیکن مخالف ان میں عیب ڈھونڈتے ہیں اور شک ڈالتے ہیں وہ ایسا، انصاف کو پس پشت ڈال کر ہی کر پاتے ہیں اس لئے اللہ تعالیٰ ان کے اس فعل کو ناانصافی قرار دیتا ہے۔ جیسا کہ فرعون اور اس کے ساتھیوں کے حضرت موسیٰؑ کے دکھائے گئے نشانات کے بارے میں ان کے رویہ کے بارے میں فرمایا: فَظَلَمُوْا بِهَا (اعراف 104:7)

ترجمہ: انہوں نے ان (نشانات) سے ناانصافی کی۔

حضرت مسیح موعود کے مخالفین کا بھی شروع سے ناانصافی شیوہ رہا ہے۔ آپ کے حق میں ظاہر ہونے والے زمینی اور آسمانی نشان اور آپ سے ظاہر ہونے والے نشانات اور پوری ہونے والی پیش گوئیوں کا ناانصافی سے انکار کیا گیا۔ اور عملاً آپ اور آپ کی جماعت سے مسلسل ناانصافی کا سلوک کیا جاتا رہا اور کیا جا رہا ہے۔

انصاف سچائی کے پھلوں میں سے ایک ہے۔ جب جھوٹ پر تکیہ ہو اور خلافِ واقعہ باتیں خبر کے طور پر بیان ہوں تو انصاف کا خون لازم ہے۔ جماعت کے حوالے سے خوب اور جی بھر کر جھوٹ بولا جاتا ہے۔ جماعت کی کردہ ملک وقوم کے لئے اعلیٰ خدمات کی نفی کی جاتی ہے اور ناکردہ گناہ اس کے کھاتے میں ڈال دئے جاتے ہیں۔ آئے دن جرمِ بے گناہی میں افرادِ جماعت مقدمات بھگتتے اور قید و بند جھیلتے ہیں۔ ان کی کھلم کھلا حق تلفیاں ہوتی ہیں۔ تعلیم، ملازمتوں اور کاروبار میں ان سے غیر منصفانہ سلوک روا رکھا جاتا ہے۔ اور ان کی قابلیت اور صلاحیت پر ان کے عقیدہ کو حاوی کر کے ان کے

آگے بڑھنے کی راہ روکی جاتی ہے۔ان کے خلاف ہر قسم کا ظالمانہ پروپیگنڈا ہوتا ہے۔لیکن وہ جواب دہی کے حق سے محروم رکھے جاتے ہیں۔غرضیکہ ناانصافی کا ایسا چلن ہے کہ اس کو دستور سمجھ لیا گیا ہے اور دادرسی کی کوئی راہ باقی نہیں ہے۔اگر کوئی منصف، حاکم یا لیڈر کبھی ایسی کوئی کوشش کرتا بھی ہے تو جلد یا بدیر مذہبی سیاست کاروں اور ان کے تابع میڈیا کی یلغار کے سامنے جھک کر انصاف کی راہ ترک کرنے میں ہی عافیت جانتا ہے۔

18۔جھوٹ بول کر فساد پھیلانا :

اہلِ باطل کا سب سے بڑا سرمایہ جھوٹ ہے جسے وہ بے دریغ سچ کو جھٹلانے کے لئے استعمال کرتے ہیں۔سفید کو سیاہ، درست کو غلط، اور آسمان کو زمین کہنا ان کا شعار ہوتا ہے۔وہ خودساختہ اور مَن گھڑت باتیں، الزام اور عقیدے بنا بنا کر سچ ماننے والوں کے بارے میں پھیلاتے ہیں اور اتنا جھوٹ بولتے ہیں کہ عوام الناس کالانعام اس جھوٹ کو ہی سچ مان کر وہی زبان بولنے لگتے ہیں۔اسی بنیاد پر وہ سچ پر ایمان لانے والوں کو ستاتے، دکھ دیتے بلکہ جان لینے میں بھی عار نہیں سمجھتے۔غرضیکہ مذہب کے یہ بیوپاری جھوٹ کا یہ کاروبار خوب پھیلاتے ہیں اور آنکھیں بند کر کے ان کے پیچھے چلنے والے اپنی دین و دنیا ان کے ہاتھوں خراب کرتے ہیں۔

انبیاء کے مخالفین کی اس روِش کا قرآنِ کریم نے یوں ذکر فرمایا ہے:

وَهَمَّتْ كُلُّ اُمَّةٍۭ بِرَسُوْلِهِمْ لِيَاْخُذُوْهُ وَجٰدَلُوْا بِالْبَاطِلِ لِيُدْحِضُوْا بِهِ الْحَقَّ (مومن 6:40)

ترجمہ: اور ہر قوم نے اپنے رسول کے متعلق یہ پختہ ارادہ کیا تھا کہ وہ اسے پکڑ لیں اور انہوں نے جھوٹ کے ذریعہ جھگڑا کیا تا کہ اس کے ذریعہ حق کو جھٹلا دیں۔

کسی نبی کا نام لئے بغیر اس ذکر میں ہر قوم کا حوالہ اس رویہ کا عام ہونا ظاہر کرتا ہے ۔ انبیاء و رسل کے خلاف پھیلائے جانے والے بے سروپا الزامات، کردارکُش واقعات اور خلافِ واقعہ کہانیاں سب اسی عنوان کے تحت ہیں۔ آیت کے آخر میں اللہ فرماتا ہے کہ:

فَاَخَذْتُهُمْ ۫ فَكَيْفَ كَانَ عِقَابِ ۝ (مومن 6:40)

ترجمہ: تب مَیں نے انہیں پکڑ لیا۔پس (دیکھو) میری سزا کیسی تھی ؟

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایسے جھوٹ کا بجز الٰہی گرفت کے سوا کوئی اور توڑ نہیں۔

یہ مخالف بار بار جھوٹ بول کر الزام تراشی کرنے اور اس بنیاد پر حق کو جھٹلانے کے لئے کوشاں رہتے ہیں تا کہ عوام الناس اس پیغام سے دور رہیں اور اس کی طرف متوجہ ہی نہ ہوں۔قرآنِ کریم ان لوگوں کے اس رویہ کا یوں ذکر فرماتا ہے:

وَيُجَادِلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِالْبَاطِلِ (کہف 57:18)

ترجمہ: اور جن لوگوں نے کفر کیا وہ جھوٹ کا سہارا لے کر جھگڑتے ہیں۔

اسی طرح وہ گھڑی ہوئی باتوں کو دُہرا کر فساد پھیلانے کی کوشش کرنے میں لگے رہتے ہیں جیسا کہ اللہ نے فرمایا:

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا ؕ وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ مَا فَعَلُوْهُ فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُوْنَ ۝ (انعام 113:6)

ترجمہ: اور اسی طرح ہر نبی کے لئے جن وانس کے شیطانوں کو دشمن بنا دیا۔ ان میں سے بعض بعض کی طرف ملمع کی ہوئی باتیں دھوکہ دیتے ہوئے وحی کرتے ہیں۔

حضرت مسیح موعود اور جماعت کے مخالفین بھی جھوٹ پر تکیہ کرتے ہیں اور حسبِ ضرورت جھوٹ گھڑ کر فساد پھیلانے میں یدِطولیٰ رکھتے ہیں۔ایسی مثالیں بے شمار اور ہر ایک کے علم میں ہیں۔حضرت مسیح موعود کے وقت میں بھی یہی طریق تھا جیسا کہ آپ نے خود ایک کا یوں ذکر فرمایا:

’(محمد حسین) ہمیشہ گورنمنٹ کو دھوکہ دینے کے لئے جھوٹی باتیں لکھتا اور کہتا رہا‘۔ (کتاب البریہ روحانی خزائن جلد 13 صفحہ نمبر 40)

آج بھی جھوٹ کی بنیاد پر حضرت مسیح موعود کی تحریرات اور جماعتی لٹریچر سے سیاق بریدہ جملوں پر من مانے عنوان لگا کر فساد کی نیت سے پھیلانا ان کا عام طریق ہے۔کتابچے از قسم ’قادیانی عقائد پر ایک نظر‘ ’مرزا قادیانی بقلم خود‘ ’انصاف فرمائیے‘ ’آنکھیں کھولیں‘ ’عاشقانِ مصطفیٰ ؐ کہاں ہیں؟‘ وغیرہم سب اس کی بُری بُری مثالیں ہیں۔

واقعاتی طور پر پاکستان بنانے میں جماعت کے روشن کردار اور تقسیمِ پنجاب کے تاریخی حقائق سے صرفِ نظر کر کے خوب جھوٹ لکھا جاتا ہے۔ فلسطین کی آزادی کے لئے روشن حروف میں لکھی گئی احمدی جدوجہد کو پسِ پشت ڈال کر اسرائیل کی عرب احمدی جماعت کے حوالے سے آئے دن جھوٹ چھاپے جاتے ہیں۔ 1974ء میں ربوہ اسٹیشن کے واقعہ پر پھیلایا گیا جھوٹ اور اس کے نتیجہ میں ملک بھر میں برپا کیا جانے والا فساد اب تاریخ کا حصہ ہے اور ہمیشہ قابلِ نفریں رہے گا۔

سچائی کو چھپانا بھی جھوٹ ہے۔ جس کا مظاہرہ ہر سال 6 ستمبر کو ہوتا ہے۔ جب 1965ء کی پاک بھارت جنگ کے احمدی ہیرو جنرل اختر حسین ملک، جنرل عبدالعلی ملک اور بریگیڈئر افتخار جنجوعہ کے کارناموں کو میڈیا پر بدنیتی سے چھپایا جاتا ہے۔ اسی طرح ڈاکٹر عبدالسلام صاحب کی ان سائنسی تحقیقات کا جن کی ایک دنیا معترف ہے پاکستان میں میڈیا پر کوئی ذکر نہیں ہوتا۔

جماعت کے حوالے سے جھوٹ بولنا اتنا عام ہے کہ ملک میں بلکہ دنیا بھر میں ہونے والے ہر ناپسندیدہ واقعہ کا سبب بلا کسی تحقیق یا ثبوت کے 'قادیانی سازش' یا 'قادیانیوں کی سازش' قرار دے دیا جاتا ہے اور نعرہ زن جلوس برآمد کرائے جاتے ہیں اور حکومت کو جماعت پر مزید پابندیوں کے مطالبات کی ایک فہرست پیش کردی جاتی ہے۔

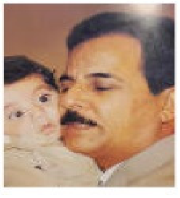
جماعت اپنی کم تعداد اور امن پسند مزاج کے سبب شورش پسندوں کے لئے آسان ٹارگٹ ہے۔ اسی لئے کئی نئے قسمت آزما بھی سیاست کے میدان میں آگے بڑھنے کے لئے احمدیوں کے خلاف جھوٹ کا علم اٹھانا اور اس کے ذریعہ فساد برپا کرنا اپنے مقصد کے حصول کے لئے سب سے آسان راہ جانتے ہیں۔ ایسا بار بار ہوتا ہے۔

19۔ مجرم ذہنیت :

انبیاء کے مخالفین کا بلا جواز ان کی مخالفت کرنا، جھوٹا پروپیگنڈا کرنا، ہر معاملہ میں ناانصافی کرنا اور جھوٹ بول بول کر فساد پھیلانا جہاں ان کے سرکش اور فسادی ہونے کی وجہ سے ہے، وہیں ان سب کی وجہ ان کی مجرمانہ ذہنیت بھی ہے۔ جیسا کہ قرآن کریم کا حضرت موسیٰؑ اور حضرت ہارونؑ کے مخالف فرعون

غزل

طفیل عامر



خوشبو کے توسط سے مکاں بول رہا ہے
اب بات رہی اس کی کہاں بول رہا ہے

حاسد تھے وہ دشمن تھے مگر غیر نہیں تھے
وہ بھائی تھے لوگو! یہ کنواں بول رہا ہے

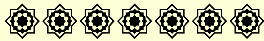
ہیں شعلہ بدن معنی میں الفاظ تو دیکھو
ہے آگ لگی اُٹھتا دھواں بول رہا ہے

پوشیدہ کبھی رہتا ہے معصوم کا خوں بھی
ہر قطرہ خوں بن کے نشاں بول رہا ہے

آ جائیگا شاید، کہ نہیں آئیگا شاید
ٹوٹا ہے بھرم کب کا، گماں بول رہا ہے

کہنا تھا مجھے تو نے وہ سب سن لیا میں نے
اتنا تو بتا کس کی زباں بول رہا ہے

دھوکا بھی یہی آنکھیں تو کھا جاتی ہیں عامرؔ
آنکھوں کے ترازو میں زیاں بول رہا ہے!

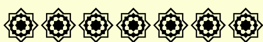


اور اس کے سرداروں کو اسی نام سے پکارتا ہے:

فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ۝ (یونس 76:10)

ترجمہ: انہوں نے استکبار کیا اور وہ ایک مجرم قوم تھے۔

حضرت مسیح موعود اور احمدیوں کی مخالفت میں بھی جس طرح ہمیشہ جھوٹ بولا گیا۔ تہذیب اور اخلاق کو بالائے طاق رکھا گیا۔ ظلم اور بربریت کا کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا گیا۔ حق و انصاف کا خون کیا گیا۔ دلیل و برہان کو عضوِ معطل کر کے دھونس اور تحکم کو اپنایا گیا۔ لوٹ مار اور خون ریزی کو روا رکھا گیا۔ یہ سب ایک افسوس ناک تاریخ بھی ہے اور جاری حال بھی۔ اسی لئے اس آیت میں دیا گیا خطاب بجا طور پر یہ سب کچھ کرنے والوں کے حق میں بھی پورا اترتا ہے۔





صلح حدیبیہ: اسلام کی فتح ونصرت کا عظیم شاہکار

(ڈاکٹر سر افتخار احمد ایاز: لندن)



صلح حدیبیہ آنحضرت محمد ﷺ کی مدنی زندگی کے دور کا ایک ایسا واقعہ ہے جس کے نتیجہ میں ایک طرف کفار مکہ اور مسلمانوں کے درمیان جنگ وجدال کا سلسلہ بند ہو کر صحرائے عرب کے اندر اسلامی تاریخ کے ایک نئے دور کا آغاز ہوا۔ دوسری طرف اسلام ایک ایسی زبردست قوت بن کر دنیائے عالم کے نقشہ پر اُبھرا کہ دنیا اسے دیکھ کر حیران رہ گئی۔ اس صلح کا آغاز کیسے ہوا اور پھر کیونکر اس کے نتیجے میں مسلمانوں کی فتح اور نصرت کے غیر معمولی سامان پیدا ہوئے، تاریخ نے ان جملہ واقعات کو بڑی تفصیل سے محفوظ کر کے مدّبران عالم کو یہ سوچنے کا موقع باہم پہنچایا ہے کہ اسلام ایک بہت بڑی طاقت ہے جس کا اصل منبع جنگ اور طاقت کا استعمال نہیں بلکہ امن، صلح اور تدبر کے ساتھ اسلامی اصولوں کا مطالعہ کرنا اور ان پر عمل کرنا ہے۔ اب ذیل میں بتایا جاتا ہے کہ یہ صلح، جو صلح حدیبیہ کے تاریخی نام سے مشہور اور معروف ہوئی کس طرح ایک غیبی تحریک کے نتیجے میں ظہور میں آئی، مسلمانوں کو وقتی طور پر اس کے لئے اپنے جذبات کی کیا قربانی پیش کرنی پڑی اور پھر آنحضرت ﷺ کے حسن تدبر اور بالغ نظری کے طفیل مسلمانوں کے حق میں اس کے کیسے کیسے شاندار نتائج نکلے، حتیٰ کہ وہ دن آ گیا جب مسلمان خدا کے مقدس رسول ﷺ کی قیادت میں ایک فاتحانہ شان کے ساتھ مکہ میں داخل ہوئے۔

آنحضرت ﷺ کے مدینہ میں تشریف لانے کے بعد ابھی کفار مکہ اور مسلمانوں کے درمیان خونریز جنگوں کا سلسلہ جاری تھا کہ ہجرت کے چھٹے سال آنحضرت ﷺ نے رؤیاء میں دیکھا کہ آپ اپنے صحابہ کے ہمراہ بیت اللہ یعنی خانہ کعبہ کا طواف کر رہے ہیں۔ اس رؤیاء کی بنا پر اور اسے ظاہری رنگ میں پورا کرنے کی غرض سے آپ ﷺ نے اپنے صحابہ کو مکہ کے لئے رختِ سفر باندھنے کا ارشاد فرمایا۔ یہ وہ وقت تھا کہ جب قریش مکہ مسلمانوں کے ہاتھ پر پے در پے تین شکستیں کھا چکے تھے۔ ان کے زخم ابھی پوری طرح مندمل نہ ہوئے تھے اور جب ان کا بیس ہزار کا لشکر جرار ابھی تھوڑا عرصہ ہی پہلے مدینہ پر حملہ آور ہونے کے بعد بے نیلِ مرام واپس ہوا تھا اور انہیں اپنی خفت اور ناکامی کی یاد دلا رہا تھا۔

ان حالات میں یہ قرین قیاس نہ تھا کہ وہ مسلمانوں کو آسانی سے خانہ کعبہ کا طواف کرنے کی اجازت دیں گے۔ آنحضرت ﷺ کو بھی ان سب حالات کا پورا احساس تھا۔ مگر اس کے باوجود آپ ﷺ نے خدا پر توکل کرتے ہوئے اور اس کی تائید اور اس کی نصرت کے بھروسہ پر صحابہ کو مکہ کی جانب سفر کرنے اور قربانی کے جانور ساتھ لینے کی تحریک فرمائی۔ مقصد یہ تھا کہ خانہ کعبہ کا طواف کرنے اور عمرہ کے طریق پر مناسک ضرور یہ بجا لانے کے بعد وہیں قربانیوں کے جانور ذبح کر کے آپ واپس تشریف لے آئیں گے۔ اور اگر قریش نے آپ ﷺ کے اس ارادہ کی تکمیل میں مزاحمت پیدا کرنے کی کوشش کی تو آپ ہر ممکن طریق سے انہیں اس سے باز رکھیں گے۔ ان سے جنگ کرنا ہرگز مقصود نہ تھا اور نہ ان ایام میں جبکہ ذوالقعدہ کا مہینہ شروع ہونے والا تھا اور یہ ان چار مہینوں میں سے ایک تھا جن میں عربوں کی اپنی روایات کے مطابق بھی حرم کے اندر ہتھیار اٹھانے کی اجازت نہ تھی، آپ ﷺ جنگ کا ارادہ فرما سکتے تھے۔ لہٰذا آپ ﷺ نے اعلان فرمایا کہ کوئی جنگی ہتھیار ساتھ نہ لیا جائے۔ البتہ عرب کے دستور کے مطابق وہ صرف اپنی تلواریں میانوں کے اندر بند کر کے اپنے ساتھ رکھ سکتے ہیں۔

سفر کی تیاری مکمل ہونے کے بعد آنحضرت ﷺ، کچھ اوپر چودہ سو صحابہ، کو ساتھ لے کر مدینہ سے روانہ ہوئے۔ آپ ﷺ کی ازدواج مطہرات میں سے صرف حضرت ام سلمہؓ آپ ﷺ کے ساتھ تھیں۔ اُدھر آپ ﷺ نے

بسر بن سفیان نامی ایک خبر رساں کو اہل مکہ کے حالات معلوم کرنے کے لئے آگے بھجوا دیا۔ چند روز کے سفر کے بعد آپ ﷺ ایک مقام عسفان کے قریب پہنچ گئے۔ وہاں پہنچنے پر خبر رساں نے آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اطلاع بہم پہنچائی کہ قریش کو مسلمانوں کے ارادے سے اطلاع ہو گئی ہے اور وہ سخت جوش میں ہیں اور پختہ عزم کئے ہوئے ہیں کہ وہ مسلمانوں کو مکہ میں داخل نہیں ہونے دیں گے۔

آنحضرت ﷺ نے یہ سب حالات سن کر یہی فیصلہ فرمایا کہ سفر جاری رکھا جائے۔ چنانچہ سفر جاری رہا یہاں تک کہ آپ ﷺ حدیبیہ کے میدان میں پہنچ گئے۔ حدیبیہ ایک وسیع گھاٹی ہے جو کہ مکہ سے نو میل کے فاصلے پر واقع ہے اور جس کے آگے مکہ کی وادی کا آغاز ہوتا ہے۔ ابھی آپ حدیبیہ میں داخل ہوئے ہی تھے کہ آپ ﷺ کی اونٹنی القصویٰ جس پر آپ ﷺ سوار تھے، یکلخت پاؤں پھیلا کر بیٹھ گئی اور باوجود اٹھانے کی کوشش کے وہ اٹھنے کا نام نہ لیتی تھی۔ صحابہؓ نے عرض کیا، یارسول اللہ! شاید یہ تھک گئی ہے۔ مگر آپ ﷺ نے فرمایا، نہیں، نہیں، یہ تھکی نہیں اور نہ یوں تھک کر بیٹھ جانا اس کی عادت میں داخل ہے۔ بلکہ حق یہ ہے کہ جس بالا ہستی نے اس سے قبل اصحاب الفیل کے ہاتھیوں کو مکہ کی طرف بڑھنے سے روک دیا تھا، اس ہستی نے اس اونٹنی کو بھی روکا ہے۔ خدا کی قسم، قریش مکہ جو مطالبہ بھی مجھ سے کریں گے، میں حرم کی عزت کی خاطر اسے قبول کر لوں گا۔ اس کے بعد جب آپ ﷺ نے اونٹنی کو پھر اُٹھنے کا اشارہ کیا تو خدا کی قدرت کہ وہ فوراً اٹھ کھڑی ہوئی اور چلنے لگی۔ آپ ﷺ نے اب یہ فیصلہ فرمایا کہ جب تک اہلِ مکہ سے بات نہ کر لی جائے آپ ﷺ حدیبیہ سے آگے نہیں جائیں گے۔ چنانچہ وادئ حدیبیہ کے دوسرے کنارے پر پہنچ کر آپ ﷺ نے ایک چشمہ کے قریب پڑاؤ کرنے کا ارشاد فرمایا جس پر سب صحابہ نے ڈیرے ڈال دئے۔

ابھی آنحضرت ﷺ کو حدیبیہ پہنچے ہوئے تھوڑی دیر ہی ہوئی تھی کہ قبیلہ خزاعہ کا ایک نامور رئیس بدیل بن ورقا اپنے قبیلہ کے لوگوں کے ہمراہ آپ ﷺ کی ملاقات کے لئے آیا اور آتے ہی کہنے لگا کہ اہل مکہ تو جنگ کے لئے تیار بیٹھے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا لیکن ہم جنگ کی غرض سے نہیں آئے، صرف عمرہ کی نیت سے آئے ہیں۔ اور پھر آپ ﷺ نے ایک ایسی درد بھری تقریر فرمائی کہ بدیل کہنے لگا، مجھے کچھ مہلت دیں، میں جا کر قریشِ مکہ سے بات کرتا ہوں اور آپ ﷺ کا پیغام انہیں پہنچاتا ہوں۔ میں کوشش کروں گا کہ مصالحت کی کوئی صورت پیدا ہو جائے۔ آنحضرت ﷺ نے بدیل کی اس تجویز کو پسند فرمایا اور اسے قریش مکہ سے جا کر بات کرنے کی اجازت دی۔

بدیل کی قریش مکہ سے گفتگو کے نتیجے میں ثقیف قبیلہ کا ایک رئیس، عرؔوہ بن مسعود، روساء قریش مکہ کا پیغام لے کر آنحضرت ﷺ کے ساتھ گفتگو کرنے کی غرض سے حدیبیہ پہنچا۔ یہ پہلی بار تھی کہ اہل مکہ کے کسی رئیس کو آنحضرت ﷺ کی مجلس میں بیٹھنے کا اتفاق ہوا تھا۔ اس نے دیکھا کہ صحابہ ایک وارفتگی کی سی حالت میں آپ ﷺ کے گرد جمع تھے اور اگر پانی پیتے ہوئے آپ ﷺ کے منہ سے کوئی قطرہ بھی گرتا تھا تو وہ فرطِ محبت سے اسے اپنے ہاتھوں پر لیتے اور چہروں پر مل لیتے۔ اور اگر آپ ﷺ کسی چیز کا ارشاد فرماتے تو لبیک، لبیک کہتے ہوئے دیوانہ وار آپ ﷺ کی طرف لپکتے۔ عرؔوہ اس نظارہ سے اس قدر مرعوب ہوا کہ جب وہ آپ ﷺ سے گفتگو کرنے کے بعد قریش کی طرف واپس گیا تو جاتے ہی کہنے لگا، اے لوگو! میں نے دنیا میں بہت سفر کیا ہے۔ بادشاہوں کے دربار بھی دیکھے ہیں۔ قیصر و کسریٰ اور نجاشی کے سامنے بھی بطور وفد جا چکا ہوں۔ مگر خدا کی قسم، جس طرح میں نے محمد (ﷺ) کے اصحاب کو محمد (ﷺ) پر فدا ہوتے دیکھا ہے، ایسا میں نے کبھی کسی اور جگہ نہیں دیکھا۔ میں تمہیں مشورہ دیتا ہوں کہ محمد (ﷺ) سے صلح کر لو (بخاری: کتاب الشروط)

عرؔوہ کی تقریر سن کر رؤساء قریش میں مختلف قسم کی چہ مگوئیاں شروع ہو گئیں۔ ان سب باتوں کا اندازہ زیادہ تر مثبت تھا۔ بالآخر وہ اس نتیجہ پر پہنچے کہ حلیس بن علقمہ کو جو بنو کنانہ کا ایک رئیس تھا آنحضرت ﷺ کے ساتھ مزید گفتگو کے لئے بھیجا جائے۔ دراصل اُس وقت تک قریش میں دو پارٹیاں بن چکی تھیں۔ ایک پارٹی کسی صورت میں بھی مسلمانوں کو مکہ میں داخل ہونے کی اجازت دینے کے لئے تیار نہ تھی۔ دوسری پارٹی کا رویہ کسی قدر نرم اور مصالحانہ تھا۔ وہ چاہتی تھی کہ مسلمانوں کے ساتھ باعزت سمجھوتہ کی کوئی صورت پیدا ہو جائے۔ چنانچہ حلیس بن علقمہ جب آنحضرت ﷺ سے گفتگو کرنے کے بعد

واپس لوٹا تو رؤساء قریش کو کسی حتمی نتیجہ پر پہنچنے میں کافی مدد ملی۔ اِدھر آنحضرت ﷺ نے قریش میں مثبت تبدیلی دیکھتے ہوئے حضرت عثمانؓ بن عفان کو وفد بنا کر اپنی طرف سے قریش کے پاس بھجوایا تا کہ وہ انہیں مسلمانوں کے پُرامن ارادوں اور سفر کی اصل غرض وغایت کا یقین دلائیں اور اس طور پر کامیابی کی راہ آسان ہو جائے۔

ابھی حضرت عثمانؓ مکہ میں ہی تھے کی اہلِ مکہ نے اپنا ایک اور وفد آنحضرت ﷺ کی طرف بھجوایا تا کہ وہ صلح اور جنگ بندی کی معین شرائط طے کرے مگر ساتھ ہی اسے یہ تاکید بھی کی کہ طواف اس سال ہرگز نہ ہوگا ورنہ تمام عرب میں ہماری ناک کٹ جائے گی۔ یہ وفد سہیل بن عمرو نامی ایک رئیس پر مشتمل تھا۔ آنحضرت ﷺ نے جب سہیل کو آتے دیکھا تو فرمایا، "اب معاملہ آسان ہوتے نظر آتا ہے"۔

سہیل نے پہنچتے ہی آنحضرت ﷺ کے سامنے معاہدہ کی تجویز پیش کی۔ آپ بھی یہی چاہتے تھے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے حضرت علیؓ بن ابی طالب کو بلایا اور بطور کا تب انہیں معاہدہ تحریر کرنے کا ارشاد فرمایا۔ لیکن جونہی آپ ﷺ نے فرمایا، لکھو: "بسم اللہ الرحمن الرحیم"، سہیل بولا، یہ رحمٰن کیا ہے؟ ہم اس لفظ کو نہیں جانتے۔ آپ ویسے کیوں نہیں لکھتے جیسے عرب لوگ ہمیشہ لکھتے چلے آئے ہیں، یعنی "بِسْمِكَ اَللّٰهُمَّ"۔ ادھر صحابہ کو کو بھی اپنی عزت اور غیرت کا احساس تھا۔ وہ چونک پڑے اور کہنے لگے، ہم تو ضرور "بِسمِ اللّٰہِ الرَّحمٰنِ الرَّحیم" ہی لکھیں گے۔ مگر آنحضرت ﷺ نے یہ کہہ کر صحابہ کو خاموش کرایا کہ جس طرح سہیل کہتا ہے، اسی طرح لکھو۔ چنانچہ "بِسمِ اللّٰہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیم" کی بجائے "بِسْمِكَ اللّٰهُمَّ" کے الفاظ لکھے گئے (زرقانی۔ جلد 2)

اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے فرمایا، لکھو، یہ معاہدہ محمد رسول اللہ اور قریش مکہ کے درمیان ہے۔ اس پر سہیل پھر بول اٹھا کہ یہ "رسول اللہ" کے الفاظ میں نہیں لکھنے دوں گا۔ اگر ہم تسلیم کرلیں کہ آپ خدا کے رسول ہیں تو سارا جھگڑا ہی ختم ہو جاتا ہے۔ اس کی بجائے "محمد بن عبداللہ" لکھو۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا، اس میں کوئی شک نہیں کہ میں اللہ کا رسول ہوں مگر میں محمد بن عبداللہ بھی ہوں۔ اس لئے یہی لکھ دو۔ مگر اس اثنا میں حضرت علیؓ معاہدہ کی تحریر میں "محمد رسول اللہ" کے الفاظ لکھ چکے تھے۔ آپ ﷺ نے حضرت علیؓ سے فرمایا: "محمد کے ساتھ "رسول اللہ" کے الفاظ کاٹ کر "بن عبداللہ" کے الفاظ لکھ دو۔ مگر اُس وقت مسلمانوں کے جوش کا یہ عالم تھا اور ان کے جذبات اس قدر اُبھر چکے تھے کہ حضرت علیؓ جو اُس وقت تک خاموش بیٹھے تھے، بھرائی ہوئی آواز میں کہنے لگے، "یارسول اللہ، میں تو آپ ﷺ کے نام سے "رسول اللہ" کے الفاظ نہیں کاٹوں گا"۔ آپ ﷺ نے حضرت علیؓ کی یہ ازخودرفتہ حالت دیکھی تو فرمایا، "اچھا، مجھے دو۔ میں خود مٹا دیتا ہوں"۔ پھر آپ ﷺ نے معاہدہ کی تحریر والا کاغذ (یا جو بھی تھا) اپنے ہاتھ میں لیا اور "رسول اللہ" کے الفاظ مٹا کر ان کی جگہ "بن عبداللہ" کے الفاظ لکھ دئے۔ پھر آپ ﷺ نے لکھوایا:

"معاہدہ یہ ہے کہ اہل مکہ ہمیں بیت اللہ کے طواف سے نہیں روکیں گے"۔

اس پر سہیل پھر بول اٹھا کہ خدا کی قسم، اس سال تو یہ ہرگز نہیں ہونے پائے گا۔ ہاں اگلے سال آکر آپ طواف کر سکتے ہیں۔ آپ نے فرمایا، اچھا، یہی لکھو۔ اب مسلمانوں کے لئے طواف نہ کر سکنے کا تصور نا قابل برداشت تھا۔ وہ طواف کے ارادے سے ہی تو اپنے گھروں سے نکلے تھے اور اتنا لمبا اور کٹھن سفر طے کرنے کے بعد ان کے لئے بغیر طواف کے لوٹنا بہت بڑی شکست کے مترادف تھا۔ چنانچہ وہ بہت تلملائے مگر آنحضرت ﷺ کے سامنے اپنے جذبات دل ہی دل میں لے کر رہ گئے۔ پھر سہیل نے اپنی طرف سے یہ شرط لکھوائی کہ

"اگر مکہ سے کوئی شخص بھاگ کر مسلمانوں میں جا کر شامل ہو گیا، خواہ وہ مسلمان ہو، اسے واپس لوٹا دیا جائے گا۔ لیکن اگر مسلمانوں میں سے کوئی مکہ والوں کے ساتھ شامل ہو گیا تو اسے واپس نہیں لوٹایا جائے گا"

یہ شرط سن کر صحابہ جو پہلے ہی جوش سے دیوانے ہو رہے تھے، ان کی رہی سہی طاقت بھی جواب دے گئی۔ وہ کہنے لگے کہ یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ ایک شخص مسلمان ہو اور ہم اسے کفار کی طرف لوٹا دیں۔ ایسا ہرگز نہ ہوگا۔

ابھی اس شرط پر لے دے ہو ہی رہی تھی کہ اچانک ایک ایسا منظر پیدا ہو گیا

جس نے صورت حال کو اور بھی نازک بنا دیا۔ ہوا یہ کہ سہیل بن عمر کا اپنا بیٹا ابو جندل جو مسلمان ہو چکا تھا اور باپ نے اسے بیڑیوں سے جکڑ کر رکھا ہوا تھا، آنحضرت ﷺ کی حدیبیہ میں آمد کی خبر سن کر کسی طرح اپنے آپ کو چھڑاتا وہاں پہنچ گیا اور آتے ہی آنحضور ﷺ کے قدموں میں گر کر فریاد کرنے لگا کہ یا رسول اللہ، میں مسلمان ہو گیا ہوں، مجھے ان کفار سے بچا لیں۔ مسلمان اس نظارہ کو دیکھ کر تڑپ اٹھے۔ مگر ابو جندل کا باپ سہیل بولا کہ اگر اسے رکھ لیا گیا اور واپس نہ لوٹایا گیا تو یہ مسلمانوں کی طرف سے پہلی بدعہدی ہوگی۔

آنحضرت ﷺ کا اس دردانگیز اور ہیجان آمیز منظر سے متاثر ہونا لازمی امر تھا۔ آپ سہیل سے فرمانے لگے۔ دیکھو سہیل، ابھی معاہدہ تکمیل کو نہیں پہنچا۔ تم اور نہیں تو احسان اور مروّت کے طور پر ہی ابو جندل مجھے دیدو۔ مگر سہیل اسے اپنی انا اور آبرو کا مسئلہ بنا کر اپنی ضد پر اڑ گیا اور کہنے لگا، اگر ابو جندل کو نہ لوٹایا گیا تو معاہدہ کی کاروائی ختم سمجھیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا، سہیل، ضد نہ کرو، میری بات مان لو۔ سہیل کہنے لگا، یہ ہرگز نہیں ہو سکتا۔ ادھر ابو جندل تھا کہ مسلسل چیخ و پکار کر رہا تھا کہ مجھے ان مشرکوں سے بچا لو۔ جب آنحضرت ﷺ نے دیکھا کی سہیل کسی طرح مان نہیں رہا تو آپ نہایت دردمند لہجے اور شفقت و محبت سے بھری ہوئی آواز میں ابو جندل سے مخاطب ہوئے اور فرمایا:

"اے ابو جندل، صبر سے کام لو اور خدا کی طرف نظر رکھو۔ خدا تمہارے اور تمہارے جیسے دوسرے بے بس مسلمانوں کے لئے ضرور کوئی راستہ کھولے گا۔ ہم اس وقت مجبور ہیں اور معاہدہ کے خلاف کوئی قدم اٹھا نہیں سکتے" (ابن ھشام۔ حالات صلح حدیبیہ)

حضرت عمرؓ بن خطاب جو دل ہی دل میں پیچ و تاب کھا رہے تھے مگر اب تک خاموش تھے، اب ان سے نہ رہا گیا۔ وہ آنحضرت ﷺ کے قریب آئے اور کانپتی ہوئی آواز میں بولے: "یا رسول اللہ! کیا آپ خدا کے رسول نہیں؟"

آپ ﷺ نے فرمایا "ہاں، ہاں ضرور ہوں"

حضرت عمرؓ نے کہا: "کیا ہم حق پر نہیں اور ہمارا دشمن باطل پر نہیں؟"

آپ ﷺ نے فرمایا: "بیشک ایسا ہی ہے"

حضرت عمرؓ بولے: "تو پھر ہم اپنے سچے دین کے معاملے میں یہ ذلت کیوں برداشت کریں؟"

آنحضرت ﷺ نے حضرت عمرؓ کی یہ حالت دیکھی تو صرف اس قدر فرمایا: "عمر میں خدا کا رسول ہوں اور خدا کی منشا کو جانتا ہوں اور اس کے خلاف نہیں جا سکتا۔ وہی میرا مددگار ہے۔"

مگر حضرت عمرؓ جن کے جذبات کا تلاطم لحظہ بلحظہ بڑھتا جا رہا تھا، کہنے لگے: "یا رسول اللہ! کیا آپ نے نہیں فرمایا تھا کہ ہم بیت اللہ کا طواف کریں گے"

آپ ﷺ نے فرمایا: "ہاں ضرور کہا تھا۔ مگر کیا میں نے یہ بھی کہا تھا کہ یہ طواف ضرور اسی سال ہوگا؟"

حضرت عمرؓ نے عرض کیا: "نہیں، ایسا تو نہیں کہا تھا"

آپ ﷺ نے فرمایا: "تو پھر انتظار کرو۔ تم انشاء اللہ ضرور مکہ میں داخل ہوگے اور بیت اللہ کا طواف کروگے"

حضرت عمرؓ کی اس گفتگو سے بھی تسلی نہ ہوئی۔ ان کے جذبات اس قدر برانگیختہ ہو چکے تھے کہ وہ وہاں سے ہٹ کر حضرت ابو بکر صدیقؓ کے پاس آئے اور اسی جوش وخروش کے عالم میں ان سے باتیں کرنے لگے۔ جس پر حضرت ابو بکر صدیقؓ نے انہیں کہا: "عمر، سنبھل کر رہو اور رسول خدا کی رکاب پر جو ہاتھ تم نے رکھا ہے، اسے ڈھیلا نہ ہونے دو،

ادھر یہ گفتگو ہو رہی تھی اور اُدھر خدا کا رسول پورے اطمینان کے ساتھ معاہدہ کی تکمیل میں مصروف تھا۔ جملہ شرائط طے پا جانے کے بعد اس کی دو نقلیں تیار کی گئیں۔ ایک نقل آنحضرت ﷺ نے اپنے پاس رکھ لی اور دوسری نقل قریش کا وفد لے کر مکہ کی طرف لوٹ گیا۔

منجملہ دیگر شرائط کے معاہدہ میں یہ بھی طے پایا تھا:

"آئندہ دس سال تک قریش اور مسلمانوں کے درمیان جنگ بند رہے گی"

"مسلمان اس سال نہیں مگر اگلے سال مکہ آ کر عمرہ کی رسم ادا کریں گے"۔ یہ بھی طے پایا کہ:

"قبائل عرب میں سے جو قبیلہ مسلمانوں کے ساتھ ملنا چاہے وہ ان کا حلیف اور جو اہل مکہ سے ملنا چاہے وہ مکہ والوں کا حلیف سمجھا جائے گا۔

معاہدہ تو طے پا گیا مگر صحابہ مارے غم کے دیوانے ہو رہے تھے۔ وہ دیکھ چکے تھے کہ آنحضرت ﷺ نے اپنی ہر بات چھوڑ کر قریش کا مطالبہ قبول کر لیا ہے۔ انہیں بظاہر رسوا کن معاہدہ کی وجہ سے اس قدر صدمہ تھا کہ قریش کے وفد کے چلے جانے کے بعد جب رسول خدا ﷺ نے اعلان فرمایا کہ: "اے مسلمانو! اٹھو اور اپنی قربانیوں کے جانور ذبح کر کے سروں کو منڈوا دو، تو کسی صحابی نے کوئی حرکت نہ کی۔ آپ ﷺ نے دوبارہ یہی ارشاد فرمایا مگر صحابہ ٹس سے مس نہ ہوئے۔ وہ یوں بے حس و حرکت پڑے تھے گویا ان میں جان ہی نہ تھی۔ یہ حالت دیکھ کر آنحضرت ﷺ کو بے حد صدمہ ہوا اور آپ ﷺ خاموش ہو کر اپنے خیمہ میں تشریف لے آئے اور اپنی زوجہ حضرت ام سلمہؓ سے سارا ماجرہ بیان فرمایا۔ حضرت ام سلمہؓ جو یہ سب منظر اپنی آنکھوں سے دیکھ چکی تھیں، اپنی زیرکی سے بھانپ گئیں کہ صحابہؓ کی طرف سے آنحضرت ﷺ کے ارشاد کی تکمیل نہ ہونا نعوذ باللہ کسی بغاوت یا نافرمانی کے سبب نہیں، بلکہ اس صدمہ کی وجہ سے ہے جو بظاہر ناکامی کے احساس نے ان کے اندر پیدا کر دیا تھا اور اس شدت سے وہ اس قدر نڈھال ہو چکے تھے کہ سنتے ہوئے بھی گویا کچھ سن نہیں رہے تھے۔ چنانچہ انہوں نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا: "یا رسول اللہ! آپ رنجیدہ نہ ہوں۔ آپ کے اصحاب خدا کے فضل سے نافرمان نہیں۔ آپ باہر تشریف لے جا کر اپنی قربانی کا جانور ذبح کر دیں۔ پھر دیکھیں کیا ہوتا ہے"

آنحضرت ﷺ کو حضرت ام سلمہؓ کی یہ تجویز بہت پسند آئی۔ آپ ﷺ باہر تشریف لائے اور بغیر کچھ فرمائے اپنی قربانی کا جانور ذبح کرنے لگ گئے۔ صحابہؓ نے جب یہ دیکھا تو جیسے سویا ہوا شیر بیدار ہوتا ہے وہ چونک اُٹھے اور دیوانہ وار اپنے جانور ذبح کرنے اور دوسروں کے بال منڈوانے لگے۔ اب ایک طرف انہیں غم نے دیوانہ کر رکھا تھا، دوسری طرف وہ اپنے آقا کے عمل کی اقتداء میں اس قدر جوش میں تھے کہ روایت میں آتا ہے کہ خطرہ تھا کہیں وہ ایک دوسرے کے بال منڈتے منڈتے اپنے گلے ہی نہ کاٹ لیں۔ (بخاری: کتاب الشروط)

غم وہم کی اسی حالت میں آنحضرت ﷺ نے صحابہؓ کو مدینہ کی طرف کوچ کرنے کا حکم دیا۔ وہ بیس دن قبل اپنے محبوب آقا ﷺ کے حکم پر ایک بہت بڑا اعزم اور ایک بہت بڑی امید لے کر مدینہ سے چلے تھے اور دو صد میل لمبے اور کٹھن سفر کی صعوبات برداشت کرتے ہوئے وہاں تک پہنچے تھے جہاں انہیں اپنی منزل بہت قریب نظر آ رہی تھی۔ انہیں اللہ تعالیٰ کے وعدوں پر بھی کامل ایمان تھا اور وہ اس سے قبل اس کی قدرت اور جلال کے کئی نشان بھی دیکھ چکے تھے۔ انہیں یہ بھی یقین تھا کہ ان کا محبوب آقا یعنی خدا کا رسول کوئی کام عبث نہیں کرتا، لیکن منزل کے اس قدر قریب پہنچ جانے کے بعد ان کا یوں بے نیل و مرام واپس ہونا انہیں بہت گراں محسوس ہو رہا تھا۔ انہیں ہر دم خیال آ رہا تھا کہ وہ اپنے دوستوں اور عزیزوں کو جو مدینہ میں ہیں جا کر کیا منہ دکھائیں گے۔ نہ صرف یہ بلکہ معاہدہ کی بظاہر رسوا کن شرائط کی وجہ سے وہ غایت درجہ شکستہ خاطر تھے۔ وہ مرغ بسمل کی طرح تڑپ رہے تھے مگر خاموش تھے اور سفر جاری تھا۔

حضرت عمرؓ جن کے جوش کا تلاطم اب کسی قدر کم ہو چکا تھا اپنی اُس گفتگو پر جو وہ رسول اللہ ﷺ سے تھوڑی عرصہ پہلے کر چکے تھے، ندامت محسوس کرنے لگے تھے اور ڈر رہے تھے کہ کہیں ان کا پیارا آقا اور خدا کا رسول، ان سے ناراض نہ ہو گیا ہو۔ چنانچہ وہ سر جھکائے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کچھ عرض کرنا چاہا۔ آپ خاموش رہے۔ حضرت عمرؓ نے دوبارہ، سہ بارہ کوشش کی مگر آنحضرت ﷺ بدستور خاموش تھے۔ یہ دیکھ کر حضرت عمرؓ کی حالت غیر ہو گئی اور ان کی رہی سہی طاقت بھی جواب دے گئی اور وہ اسی حالت میں قافلہ سے بہت آگے نکل گئے۔ ان کو یہ بھی ڈر محسوس ہوا کہ کہیں ان کے بارے میں کوئی وحی نازل نہ ہو جائے، وہ انہیں وسوسوں میں غلطاں جا رہے تھے کہ ان کے کان میں آواز پڑی:

"عمر بن خطاب کو رسول اللہ یاد فرماتے ہیں"

بس اب کیا تھا۔ انہوں نے سمجھ لیا کہ آج عمرؓ کی خیر نہیں۔ ضرور ان کے متعلق کوئی آیت نازل ہوئی ہے۔ چنانچہ وہ اسی گھبراہٹ اور پریشانی کے عالم میں ڈرتے اور کانپتے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سلام عرض کیا۔ انہیں دیکھ کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "عمرؓ! اسی وقت مجھ پر ایک ایسی سورۃ نازل ہوئی ہے جو مجھے دنیا و مافیھا سے زیادہ محبوب ہے اور پھر آپ نے سورۃ الفتح کی وہ آیات تلاوت فرمائیں جو آپ ﷺ پر ابھی ابھی نازل



ہوئی تھیں اور جن میں آپ ﷺ کو بشارت دی گئی کہ اللہ تعالیٰ نے اس عارضی غم اور بظاہر ناکامی کی حالت کو ایک بہت بڑی فتح میں تبدیل کردیا ہے۔ وہ آیات یوں شروع ہوتی ہیں:

اِنَّا فَتَحۡنَا لَکَ فَتۡحًا مُّبِیۡنًا لِّیَغۡفِرَ لَکَ اللّٰہُ مَا تَقَدَّمَ مِنۡ ذَنۡۢبِکَ وَ مَا تَاَخَّرَ وَ یُتِمَّ نِعۡمَتَہٗ عَلَیۡکَ وَ یَہۡدِیَکَ صِرَاطًا مُّسۡتَقِیۡمًاوَّ یَنۡصُرَکَ اللّٰہُ نَصۡرًا عَزِیۡزًا

(سورۃ الفتح: 1 تا 2)

یہ ایک عظیم الشان خوشخبری تھی جس نے غم سے نڈھال صحابہ کے لئے ایک بڑی تریاق کا کام دیا تھا۔ صحابہ کے دل فرطِ انبساط سے بھر گئے اور ان کے چہرے خوشی سے تمتما اٹھے۔ تاہم وہ جن حالات میں سے تھوڑا عرصہ پہلے گزر چکے تھے، ان کے پیش نظر ان کے لئے یہ باور کرنا مشکل ہو رہا تھا کہ اس بظاہر سراسر ذلت اور ناکامی میں کس طرح ان کے لئے فتح عظیم کے سامان پیدا ہوں گے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے حیرانی سے پوچھا:

"یارسول اللہ ﷺ! کیا واقعی یہ صلح کا معاہدہ اسلام کی فتح ہے؟"

آپ ﷺ نے فرمایا: "ہاں، یقیناً۔ یہ ہماری بہت بڑی فتح ہے۔ دیکھو! قریش جو ہمارے خلاف خواہ مخواہ میدان جنگ میں اترے ہوئے تھے، انہوں نے جنگ ترک کر کے امن کا معاہدہ کرلیا ہے۔ احد اور احزاب کی جنگوں میں انہوں نے تمہارے ساتھ کیا کچھ نہیں کیا۔ اُس وقت کی حالت کا تصور کرو تو آنکھیں پتھرا جاتی ہیں اور کلیجہ منہ کو آتا ہے۔ آج بغیر جنگ کے وہ صلح پر آمادہ ہو گئے ہیں۔ پھر یہی نہیں، اگلے سال انہوں نے ہمارے لئے مکہ کے دروازے کھول دینے کا وعدہ کیا ہے۔ کیا یہ ہماری بہت بڑی فتح نہیں؟"

آنحضرت ﷺ کی یہ تقریر سن کر صحابہ کے دلوں میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ ان کے چہرے فرطِ مسرت سے تمتما اٹھے اور وہ اس یقین سے پر نظر آنے لگے کہ اللہ تعالیٰ جلد ہی ان کے لئے فتح و نصرت کے سامان پیدا فرمائے گا۔ تاہم معاہدہ کی ایک شرط ایسی تھی جو ان کو بہت ہی ناگوار تھی اور بظاہر کوئی موجب تسلی کا انہیں نظر نہیں آرہا تھا۔ ان کے دل یہ قبول کرنے کے لئے تیار نہ تھے کہ کیوں ایک مسلمان کو دشمن کی طرف لوٹا دیا جائے گا اور اگر مسلمانوں میں سے کوئی شخص نکل کر اہل مکہ کے ساتھ جا ملے گا تو اسے واپس نہیں کیا جائے گا۔ انہیں ابوجندل کی آہ وزاری رہ رہ کر یاد آ رہی تھی جو اسی شرط کے بموجب واپس لوٹا دیا گیا تھا، ورنہ کیا ان کے بازوؤں میں جان نہ تھی۔ اس بارے میں آنحضرت ﷺ نے صرف اتنا فرمایا کہ:

دیکھو اگر کوئی مسلمان مدینہ سے منحرف ہوکر جائے گا تو وہ ایک گندہ عضو ہوگا جس کا کاٹا جانا ہی بہتر ہے۔ اس کے مقابل پر اگر کوئی شخص سچے دل سے مسلمان ہوگا، تو خواہ مدینہ میں اسے جگہ ملے نا ملے وہ جہاں بھی رہے گا اسلام کی مضبوطی کا باعث ہوگا اور پھر ہمیں یہ بھی یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے لئے کوئی نہ کوئی راستہ ضرور کھول دے گا۔"

تاہم یہ کہ آئندہ کیا ہونے والا ہے، اس کا تفصیلی علم آنحضرت ﷺ کو بھی نہ تھا اور صحابہؓ اگرچہ وقتی طور پر خاموش ہو گئے تھے مگر وہ بھی نہ جانتے تھے کہ اس شرط میں اللہ تعالیٰ کی کیا کیا حکمتیں پوشیدہ ہیں۔ بہرحال وہ اللہ تعالیٰ کے سورۃ الفتح میں دیئے گئے وعدوں پر کامل یقین رکھتے ہوئے مدینہ کی طرف رواں دواں تھے۔ منجملہ ان وعدوں کی انہیں اس امر کی بھی آسمانی یقین دہانی کرائی گئی تھی کہ:

لَتَدۡخُلُنَّ الۡمَسۡجِدَ الۡحَرَامَ اِنۡ شَآءَ اللّٰہُ اٰمِنِیۡنَ ۙ مُحَلِّقِیۡنَ رُءُوۡسَکُمۡ وَ مُقَصِّرِیۡنَ

یعنی تم انشاءاللہ ضرور مسجد حرام میں داخل ہوگے۔ اپنے سر منڈواتے ہوئے یا بالوں کو چھوٹا کرواتے ہوئے۔

یہ جملہ بشارات جن میں مسلمانوں کو مستقبل قریب میں حاصل ہونے والی ایک عظیم الشان فتح کی خوشخبری سرفہرست تھی، کیسے شاندار طور پر پوری ہوئیں، تاریخ اسلام کا ایک حسین باب ہے۔ اب ان بشارات کے یکے بعد دیگرے ظہور میں آنے کا تفصیلی تذکرہ پیش کیا جاتا ہے۔

فتح اور نصرت کا پہلا نشان۔ قریش مکہ کے جگر گوشوں کا قبول اسلام

ابھی آنحضرت ﷺ کو مدینہ واپس پہنچے تھوڑا عرصہ ہی ہوا تھا کہ مکہ کا رہنے والا ایک نوجوان ابوبصیر نامی مسلمان ہوکر مکہ والوں کی حراست سے

بھاگ کر مدینہ پہنچ گیا۔قریش مکہ کو جب اس کا علم ہوا تو انہوں نے اپنے دو آدمی مدینہ بھجوائے۔انہوں نے آنحضرتﷺ کے پاس پہنچ کر التجا کی کہ ابوبصیر کو معاہدہ کی شرائط کے مطابق ان کے حوالے کر دیا جائے۔آنحضرتﷺ نے ابوبصیر کو بلایا اور اسے واپس چلے جانے کا حکم دیا۔ابوبصیر نے بہت کچھ واویلا کیا اور کہا کہ میں مسلمان ہوں اور یہ لوگ مجھ پر سختی کریں گے مگر آپﷺ نے فرمایا: ”ہم معاہدہ کر چکے ہیں اور اس کی خلاف ورزی نہیں کر سکتے۔تمہیں بہر حال واپس جانا ہوگا۔لیکن اگر تم خدا کی خاطر صبر سے کام لو گے تو خدا تمہارے لئے ضرور کوئی راستہ کھول دے گا۔“ اس پر ابوبصیر ناچار ان آدمیوں کے ساتھ واپس ہولیا۔مگر اس کے دل میں بجا خوف تھا کہ مکہ میں پہنچ کر اب اس پر پہلے سے زیادہ سختی کی جائے گی۔چنانچہ ابھی یہ پارٹی مدینہ سے چند میل ہی دور گئی تھی کہ ابوبصیر نے موقع پا کر ان دو آدمیوں میں سے ایک کو جو ان کا رئیس تھا قتل کر دیا اور قریب تھا کہ وہ دوسرے کو بھی قتل کر دیتا مگر وہ اپنی جان بچا کر بھاگا اور مدینہ پہنچ گیا۔ اس کے پیچھے پیچھے ابوبصیر بھی مدینہ پہنچ گیا۔جب آنحضرتﷺ کو اس واقعہ کا علم ہوا تو آپﷺ نے ابوبصیر کو بلایا۔اس نے جواب دیا،آپﷺ نے معاہدہ کے مطابق مجھے قریش کے حوالے کر دیا تھا۔ اب آپﷺ کی ذمہ واری ختم ہو گئی ہے۔ یہ جواب سن کر آنحضرتﷺ بہت متعجب ہوئے،تاہم یہ محسوس کر کے کہ اس سے کوئی اور فتنہ نہ اٹھ کھڑا ہو،آپﷺ نے ابوبصیر کو ملامت فرمائی۔ابوبصیر نے جب آپﷺ کی ناراضگی دیکھی اور خیال کیا کہ آپﷺ ہر صورت میں اسے واپس مکہ بھجوا دیں گے تو وہ چپکے سے مدینہ سے نکل آیا اور بجائے مکہ جانے کے جہاں اب اسے جسمانی موت نظر آ رہی تھی اس نے ساحل سمندر کی راہ لی اور چلتا چلتا بحیرہ احمر کے نزدیک ایک مقام سیف البحر میں پہنچ گیا اور وہاں مقیم ہو گیا۔ سیف البحر بحیرہ احمر کے ساحل پر شام کو جانے والی شاہراہ پر واقع ہے۔ ادھر سے مکہ والوں کا قاصد بھی بے نیل مرام ہو کر واپس مکہ پہنچ گیا اور مکہ والوں کو ساری سرگزشت کہہ سنائی۔

اب مکہ والے تو کچھ کر نہ سکتے تھے مگر جب مکہ کے بعض اور مخفی مسلمانوں کو یہ معلوم ہوا کہ ابوبصیر سیف البحر پہنچ کر مکہ والوں کی دست برد سے آزاد ہو گیا ہے تو وہ بھی آہستہ آہستہ مکہ سے بھاگ کر سیف البحر پہنچنے شروع ہو گئے اور دیکھتے ہی دیکھتے وہاں مسلمانوں کی ایک چھوٹی سی نوآبادی قائم ہو گئی۔انہی لوگوں میں رئیس مکہ سہیل بن عمرو کا بیٹا ابوجندل بھی تھا جسے آنحضرتﷺ نے حدیبیہ سے اسے واپس لوٹا دیا تھا۔

آہستہ آہستہ ان ”بھگوڑے“ مسلمانوں کی تعداد 300 تک پہنچ گئی۔چونکہ یہ لوگ قریش مکہ سے سخت زخم زدہ تھے،دوسری طرف وہ سیاسی طور پر اپنے آپ کو آزاد سمجھتے تھے،لہٰذا انہوں نے شام جانے والے قریش کے تجارتی قافلوں پر چھاپے مارنے شروع کر دیئے،جو قافلہ بھی شام کو جا رہا ہوتا یا شام سے مال لے کر مکہ کو واپس آ رہا ہوتا وہ سیف البحر کے نوجوان مسلمانوں کا شکار ہو جاتا۔

اس نئی اور غیر متوقع صورت نے اہل مکہ کے لئے ایک خطرناک شکل اختیار کر لی،بالخصوص اس لئے بھی کہ ان کے نوجوانوں کی تعداد کم ہوتی جا رہی تھی اور سیف البحر میں بھاگ کر آنے والوں کی تعداد دن بدن بڑھتی جا رہی تھی۔پھر ان بھاگ کے آنے والے نوجوان مسلمانوں کے دلوں میں ان مظالم نے جو کفار ان پر ڈھاتے رہے تھے،بلا کا جوش اور جذبہ انتقام پیدا کر دیا تھا۔دوسری طرف وہ کسی نظام کے ماتحت نہ تھے،نہ مکہ کے قبائلی رسم و رواج کے اور نہ مسلمانوں کے اسلامی نظام کے۔قریش بھی محسوس کرتے تھے کہ معاہدہ کے مطابق مدینہ کی اسلامی ریاست کا ان نوجوانوں پر کوئی کنٹرول نہیں۔چنانچہ انہوں نے باہم مشورہ کر کے ایک سفارتی وفد آنحضرتﷺ کے پاس مدینہ بھجوایا اور رشتہ داری کا واسطہ دے کر آپﷺ سے درخواست کی کہ آپﷺ سیف البحر کے ان مسلمانوں کو مدینہ بلا لیں اور انہیں اپنے انتظام میں لے لیں اور یہ کہ وہ معاہدہ کی اس شرط کو جس کے تحت مکہ سے مدینہ آنے والے مسلمانوں پر پابندی لگائی گئی تھی،منسوخ کر دیں۔آنحضرتﷺ نے قریش مکہ کی اس درخواست کو بخوشی قبول فرما لیا۔دوسری طرف ابوبصیر اور ابو جندل وغیرہ کو ایک خط کے ذریعے اطلاع بھجوائی کہ چونکہ قریش نے اپنی خوشی سے معاہدہ میں ترمیم کر دی ہے،لہٰذا اب وہ بلا روک ٹوک مدینہ آ سکتے ہیں۔

جب آنحضرتﷺ کا قاصد آپؐ کا خط لے کر سیف البحر پہنچا تو اس وقت ابوبصیر صاحب فراش تھے اور ان کی حالت نازک تھی، انہوں نے

آنحضرت ﷺ کا وہ مکتوب بصد شوق اور محبت اپنے سینے پر رکھا اور پھر تھوڑی دیر کے بعد اسی حالت میں جان دے دی۔ اس کے بعد ابو جندل اور اس کے ساتھی اپنے اس جوانمرد اور باہمت امیر کو سیف البحر میں ہی دفن کر کے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں مدینہ پہنچ گئے اور یوں قریش مکہ کو اس "بلائے ناگہانی" سے نجات مل گئی۔

یہ مسلمانوں کی پہلی فتح تھی جو انہیں صلح حدیبیہ کے طفیل حاصل ہوئی۔ گویا معاہدہ کی وہی شرط جس پر مکہ کے قریش بہت نازاں تھے، دوسری طرف جس نے صحابہ کے دلوں کو سخت رنجیدہ کیا تھا، اسے بالآخر انہیں اپنے ہی ہاتھوں سے منسوخ کرنا پڑا اور اس طرح پر اس معاہدہ کی برکت سے جہاں مسلمانوں کو کفار پر اخلاقی فتح حاصل ہوئی، وہاں انہیں مسلمان نوجوانوں کی ایک بہت بڑی جماعت بھی مل گئی جو اہل مکہ سے ہمیشہ کے لئے کٹ کر اب اسلام کے روحانی وجود کا حصہ بن گئے۔

فتح ونصرت کا دوسرا نشان

تبلیغی دعوت ناموں کی روانگی اور شاہان وقت کے درباروں میں اسلام کا چرچا اسلام اور مسلمانوں کے حق میں فتح کا دوسرا نشان اس صورت میں ظاہر ہوا کہ جنگوں سے ایک عرصہ کے لئے نجات مل جانے سے جزوی امن پیدا ہو جانے کے بعد آنحضرت ﷺ نے اب اسلام کے اہم فریضہ کی طرف توجہ فرمائی، جو:

يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ (المائدہ:68)

کے قرآنی ارشاد کے تحت آپ کے سپرد ہو چکا تھا۔ اور اس کے نتیجہ میں عالمی سطح پر اسلام کو وہ شہرت حاصل ہوئی جس نے آئندہ کے لئے مسلمانوں کی ترقی اور غلبے کی راہیں ہموار کر دیں۔

اس سلسلہ میں سب پہلے آنحضرت ﷺ نے اپنے خداداد منصب نبوت کے لحاظ سے اور اسلام کے عالمگیر مشن کی تکمیل کی غرض سے بادشاہانِ وقت کی طرف توجہ فرمائی۔ اس بارے میں جب آپؐ نے صحابہؓ سے مشورہ کیا تو انہوں نے یہ رائے دی کہ دنیوی حکمرانوں کے عام دستور کے مطابق ان کی طرف لکھے جانے والے خطوط پر آنحضرت ﷺ کی ایک مہر ثبت ہونی چاہیے اور یہ کہ ایک ایسی انگوٹھی تیار کروائی جائے جس پر آنحضرت ﷺ کا نام کندہ ہو جو مہر کا کام دے۔ آنحضرت ﷺ نے اس تجویز کو پسند فرمایا اور چاندی کی ایک انگوٹھی تیار کروا کر اس پر محمد رسول اللہ کے الفاظ ایسے طور پر کندہ کروائے کہ سب سے اوپر اللہ کا لفظ آتا تھا، اس کے نیچے رسول کا اور اس سے نیچے محمد کا۔ یہ انگوٹھی اس کے بعد ہمیشہ آپ ﷺ کے ہاتھ میں رہی اور جب کسی بادشاہ یا قبیلہ کے کسی رئیس کو خط لکھا جاتا تو اس انگوٹھی کے ساتھ اس پر "محمد رسول اللہ" کی مہر ثبت کر دی جاتی۔

آنحضرت ﷺ کا پہلا تبلیغی خط

اس سلسلے کا سب سے پہلا تبلیغی خط ہرقل، قیصر روما، کو لکھا گیا۔ یہ خط صلح حدیبیہ کے معاً بعد یعنی ماہ ذوالحجہ سن 6 ھجری میں آنحضرت ﷺ کے ایک صحابی حضرت دحیہؓ بن خلیفہ الکلبی کے ہاتھ روانہ کیا گیا۔ آپؐ نے خط کو ارسال فرماتے وقت غالباً القاء ربانی کے ماتحت یہ خوشخبری سنائی کہ جو شخص یہ خدمت بجا لائے گا، خواہ وہ بظاہر اس مہم میں کامیاب ہو یا نہ ہو، انشاء اللہ جنت میں جائے گا۔ آپ نے اپنے قاصد کو یہ بھی ہدایت فرمائی کہ پہلے یہ خط بصریٰ کے رئیس حارث بن ابی شمر جو عرب کے شمال میں قیصر کا موروثی گورنر سمجھا جاتا تھا، کے پاس لے جایا جائے اور پھر اس کے توسط سے قیصر روم کے پاس پہنچے۔

قیصر روم ان ایام میں کسریٰ شاہ ایران پر ایک فیصلہ کن فتح حاصل ہونے کے بعد ایفاء نذر کے سلسلہ میں حمص سے پیدل چل کر ایلیا (یعنی بیت المقدس) میں پہنچا ہوا تھا۔ خط ملنے سے پہلے ہرقل ایک ایسا نظارہ دیکھ چکا تھا جس کے نتیجے میں وہ اس یقین پر قائم تھا کہ عرب قوم کے اندر کسی نئے بادشاہ کا ظہور ہوا ہے۔ چنانچہ روایت آتی ہے کہ جونہی شہنشاہ ہرقل ایلیا پہنچا تو ایک صبح اس نے اپنے بعض خاص درباریوں کو بلا کر ان سے کہا کہ آج رات ستاروں میں ایک نئی حرکت کے آثار دیکھنے میں آئے ہیں جن سے میں نے یہ اندازہ لگایا ہے کہ کسی ختنہ کرنے والی قوم کے اندر ایک نئے بادشاہ کا ظہور ہوا ہے (ہوسکتا ہے اس نے یہ نظارہ کشفی حالت میں دیکھا ہو)۔ یہ کہہ کر اس نے اپنے درباریوں سے پوچھا کہ آج کل کون کون سی قومیں ختنہ کراتی ہیں۔ انہوں نے جواب دیا کہ ہمارے علم میں یہود کے سوا کوئی قوم ختنہ نہیں کرتی اور ساتھ مشورہ دیا کہ آپ

یہود سے خطرہ محسوس نہ کریں۔ آپ اپنی حکومت کے مختلف شہروں میں حکم بھجوا دیں کہ وہ یہود کو جہاں بھی ہوں قتل کرنا شروع کر دیں۔

ابھی ہرقل کے دربار میں اس قسم کی باتیں ہو رہی تھیں کہ ریاست غسان کے رئیس کی طرف سے دربارِ شاہی میں یہ اطلاع پہنچی کہ عرب میں ایک شخص محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے اور اسے اپنی قوم کے اندر بہت مقبولیت حاصل ہو رہی ہے۔ ہرقل نے جب یہ خبر سنی تو کہا، معلوم کیا جائے کہ آیا عرب لوگ ختنہ کرتے ہیں۔ جب اسے بتایا گیا کہ عرب لوگ بھی ختنہ کرتے ہیں تو وہ کہنے لگا، تو پھر وہ اسی قوم کا بادشاہ معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ اس نے مزید تحقیق کے لئے اپنے ملک کے ایک بہت بڑے عالم کو جو رومیۃ کا رہنے والا تھا خط لکھا اور اسے سارے احوال بتا کر اس کی رائے معلوم کرنے کی کوشش کی۔

اسی دوران ہرقل کو خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خط بھی پہنچ گیا۔ خط پڑھنے کے بعد ہرقل نے ہدایت کی کہ اگر مدعی رسالت کی قوم کا کوئی شخص اس وقت ملک میں موجود ہو تو مجھے اطلاع دی جائے۔ حضرت ابن عباسؓ روایت کرتے ہیں کہ مکہ کا رئیس ابوسفیان بن حرب ان دنوں اپنے بعض قریشی ساتھیوں کے ہمراہ شام میں تجارت کی غرض سے پہنچا ہوا تھا۔ جب قیصرِ روم کو اس کی ملک میں موجودگی کی اطلاع ہوئی تو اس نے حکم دیا کہ اسے اور اس کے ساتھیوں کو دربار میں پیش کیا جائے۔ اس موقع پر ابوسفیان اور شاہ ہرقل کے درمیان وہ تاریخی مکالمہ ہوا جو اسلام کے روشن مستقبل کی نشاندہی کر رہا تھا اور جس نے رئیس مکہ یعنی ابوسفیان کے دل میں اسلام کے بارے میں ایک ہیبت کی کیفیت پیدا کر دی۔ پہلے وہ مکالمہ درج کیا جاتا ہے جو ابوسفیان اور شاہ ہرقل کے درمیان ہوا۔

قیصر: اس مدعی رسالت کا تمہاری قوم میں کیا حسب و نسب ہے؟

ابوسفیان: وہ ہم میں اچھے حسب و نسب کے مالک ہیں۔

قیصر: کیا اس سے پہلے بھی تم میں سے کسی نے اس قسم کا دعویٰ کیا ہے؟

ابوسفیان: نہیں۔

قیصر: کیا اس دعویٰ سے پہلے تم نے اس مدعی کے خلاف کبھی جھوٹ کا الزام لگتے سنا؟

ابوسفیان: نہیں۔

غزل



ڈاکٹر طارق انور باجوہ۔لندن

ذہن ہر روز دریچہ جو نیا کھولتا ہے
قصّہ گوشہ ماضی بھی کہیں بولتا ہے

تیری یادوں میں جو کھویا ہوں تو احساس ہوا
شہد باتوں کا تری کانوں میں رس گھولتا ہے

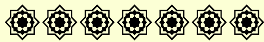
یوں مجھے تیری محبّت کا نشہ رہتا ہے
تُو مرے سامنے آ جائے تو دل ڈولتا ہے

تم نے مُجھ سے سرِ بازار جو اقرار کیا
وہ تو اک راز تھا یوں کون اسے کھولتا ہے

تم نے کیا وار کیا اس پہ کہ گھائل ہو کر
اب تو دُشمن بھی محبّت کی زباں بولتا ہے

شاید آجائے تُو گھر پر مرا مہماں ہو کر
آج منڈیر پہ کاگا تو بہت بولتا ہے

طارق اس عشق کا قائل نہ سہی دل پھر بھی
کیوں یہ گھبراتا ہے، جب اُڑنے کو پر تولتا ہے



قیصر: کیا اس کے باپ دادوں میں سے کبھی کوئی بادشاہ ہوا ہے؟

ابوسفیان: نہیں۔

قیصر: اس مدعی نبوت کو کیا بڑے بڑے لوگ مان رہے ہیں یا کمزور اور غریب لوگ؟

ابوسفیان: کمزور اور غریب لوگ۔

قیصر: کیا اس کے ماننے والوں کی تعداد بڑھ رہی ہے یا کم ہو رہی ہے؟

ابوسفیان: بڑھ رہی ہے۔

قیصر: کیا اس کے ماننے والوں میں سے کبھی کوئی اس کے دین سے مرتد

ہوا ہے؟

ابوسفیان: نہیں۔

قیصر: کیا اس شخص نے کبھی اپنے عہد کو توڑا ہے؟

ابوسفیان: نہیں۔لیکن آج کل ہمارا اور اس کا ایک معاہدہ ہوا ہے۔اس کے متعلق ہم ابھی کچھ نہیں کہہ سکتے کہ آگے چل کر کیا ہوگا۔

قیصر: کیا اس کے ساتھ کبھی تمہاری کوئی جنگ ہوئی ہے اور ہوئی ہے تو اس کا کیا نتیجہ نکلا ہے؟

ابوسفیان: ہاں ہوئی ہے جو اوپر چڑھنے اور نیچے گرنے والے ڈول کی طرح رہی ہے یعنی کبھی اس کا غلبہ ہو جاتا رہا ہے اور کبھی ہمارا۔

قیصر: یہ مدعی تمہیں کس بات کا حکم دیتا ہے؟

ابوسفیان: یہ کہ خدا کو ایک سمجھو اور شرک نہ کرو۔نماز پڑھو۔صدقہ دو۔اپنے عہدوں کو پورا کرو اور امانتوں میں خیانت نہ کرو۔

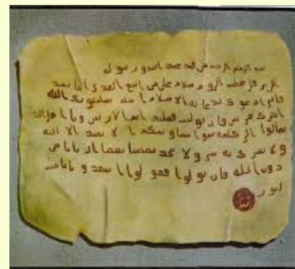
اس سوال و جواب کے بعد قیصر نے اپنے ترجمان کے ذریعے جو کچھ ابو سفیان سے کہا وہ جہاں ایک طرف اس کی انتہائی زیرکی اور حسن تدبر پر دلالت کرنے والا ایک بیان ہے، وہاں ایک بہت بڑا اخراج تحسین بھی ہے جو اُس وقت کے سب سے بڑے اور طاقتور شہنشاہ کی طرف سے آنحضرت ﷺ کو دیا گیا۔ چنانچہ تاریخ بتاتی ہے کہ اس نے ابوسفیان سے کہا کہ یہ جو میں نے تم سے اس مدعی رسالت کے حسب ونسب کے بارے میں پوچھا ہے اور تم نے کہا ہے کہ وہ شریف حسب ونسب کا مالک ہے تو خدا کے رسول ہمیشہ شریف خاندان سے ہی ہوا کرتے ہیں۔پھر میں نے یہ جو پوچھا کہ کیا اس سے پہلے بھی تم میں سے کسی نے اس قسم کا دعویٰ کیا ہے جس کا جواب تم نے یہ دیا کہ نہیں، تو یہ اس لئے پوچھا تھا کہ اگر کسی اور نے ایسا دعویٰ کیا ہوتا تو یہ سمجھا جا سکتا تھا کہ شاید اس نے اس کی نقل کی ہے۔پھر میں نے یہ جو پوچھا تھا کہ کیا تم نے اس کے دعویٰ سے پہلے کبھی کسی بات میں اس کا کوئی جھوٹ دیکھا؟ اور تم نے کہا، نہیں۔تو اس سے میں نے یہ نتیجہ نکالا کہ جو شخص انسانوں کے بارے میں جھوٹ نہیں بولتا وہ خدا پر کیسے جھوٹ بول سکتا ہے۔پھر میں نے یہ جو پوچھا تھا کہ اس کے باپ دادوں میں سے کبھی کوئی بادشاہ گزرا ہے اور تم نے کہا، نہیں تو یہ میں نے اس لئے کہا تھا اگر اس کے باپ دادوں میں سے کوئی بادشاہ گزرا ہوتا تو خیال کیا جا سکتا تھا کہ وہ اپنے خاندان کی کھوئی ہوئی بادشاہت واپس حاصل کرنا چاہتا ہے۔پھر میں نے تم سے پوچھا تھا کہ کیا اسے بڑے بڑے لوگ مان رہے ہیں یا کمزور اور غریب لوگ اور تم نے جواب دیا کہ کمزور اور غریب لوگ، تو خدا کے رسولوں کو شروع شروع میں کمزور اور غریب لوگ ہی مانا کرتے ہیں۔پھر میں نے یہ جو پوچھا تھا کہ اس کو ماننے والے تعداد میں زیادہ ہو رہے ہیں یا کم اور تم نے جواب دیا کہ زیادہ ہو رہے ہیں تو سچے دین کا یہی حال ہوا کرتا ہے کہ جب تک وہ اپنے کمال کو نہیں پہنچتا وہ برابر ترقی کرتا چلا جاتا ہے۔پھر میں نے تم سے پوچھا تھا کہ اس پر ایمان لانے کے بعد کیا کبھی کوئی اس کے دین کو ناپسند کرنے کی وجہ سے مرتد بھی ہوا ہے اور تم نے کہا، نہیں، تو سچے ایمان کی یہی علامت ہوتی ہے کہ جب وہ ایک بار دل میں داخل ہو جائے تو پھر دل سے نکلتا نہیں۔پھر میں نے تم سے پوچھا تھا کہ کیا کبھی اس شخص نے بدعہدی بھی کی ہے اور تم نے کہا، نہیں، تو خدا کے رسولوں کا یہی مقام ہوتا ہے کہ وہ بدعہدی نہیں کرتے۔پھر میں نے تم سے پوچھا تھا کہ کیا تمہارے اور اس کے درمیان کبھی جنگ ہوئی اور اس کا نتیجہ کیا نکلا ہے اور تم نے اس کا جواب دیا کہ ہاں ہوئی ہے اور یہ کہ جنگ میں کبھی ان کا پلڑا بھاری ہوتا رہا اور کبھی ہمارا تو خدا کے رسولوں کا یہی حال ہوا کرتا ہے کہ ان کی جماعتوں پر کبھی کبھی تکلیفوں کے دور آتے رہتے ہیں۔مگر انجام کار فتح انہیں کی ہوتی ہے۔پھر میں نے تم سے پوچھا تھا کہ وہ تمہیں کیا تعلیم دیتا ہے اور تم نے کہا تھا کہ وہ کہتا ہے، ایک خدا کو مانو، شرک نہ کرو، نماز پڑھو، صدقہ دو، اپنے عہدوں کو پورا کرو اور امانتوں میں خیانت نہ کرو تو ایک نبی کے یہی اوصاف ہوا کرتے ہیں۔

پھر قیصر نے کہا میں جانتا تھا کہ ایک نبی مبعوث ہونے والا ہے۔لیکن اے عرب کے لوگو! میرا یہ خیال نہیں تھا کہ وہ تم میں سے ہوگا۔اور اگر وہ باتیں جو اس وقت تم نے مجھ سے بیان کی ہیں درست ہیں تو میں سمجھتا ہوں کہ وہ وقت دور نہیں جب وہ زمین جو اس وقت میرے ان دو قدموں کے نیچے ہے، وہ اس پر ضرور قابض ہو کر رہے گا۔اور آخر پر کہا کہ اگر مجھے توفیق ملے تو میں اس سے ملاقات کے لئے پہنچوں اور اس کے قدموں کو دھو کر راحت پاؤں۔

خود ابوسفیان کا بیان ہے کہ جب وہ قیصر کے دربار سے باہر آیا تو اس نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ محمد (ﷺ) کا ستارہ تو بہت بلند ہوتا نظر آتا ہے کیونکہ روما کی حکومت جیسا بادشاہ اس سے خوف کھا رہا ہے۔ ابوسفیان ہی کے بیان کے مطابق وہ اس کے بعد اسلام کی صداقت اور اس کے تابناک مستقبل کے تصور سے مرعوب رہنے لگ گیا اور پھر یہی کیفیت دو سال بعد اس کے قبولِ اسلام پر منتج ہوئی۔

آنحضرت ﷺ کا وہ خط جس نے ہرقل جیسے زیرک اور طاقتور شہنشاہ کی ہستی کو بنیادوں سے ہلا دیا تھا، مناسب ہوگا کہ اس کا مکمل متن قارئین کی دلچسپی اور ایمانی حلاوت کے لئے یہاں درج کر دیا جائے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم من محمد عبد اللہ ورسولہ الٰی ھرقل عظیم الروم ۔ سلامٌ علٰی من اتبع الھدیٰ۔ اما بعد فانی ادعوک بداعیۃ الاسلام۔ اسلم تسلم و اسلم یؤتک اللہ اجرک مرتین۔ فان تَوَلَّوْا فعلیک اثم الاریسیین و یا اھل الکتاب تعالوا الیٰ کلمۃ سواء بیننا و بینکم ان لا نعبد الا اللہ ولا نشرک بہ شیئا ولا یتخذ بعضنا بعضا اربابا من دون اللہ فان تولوا فقولو ا اشھدوا بِأنّا مسلمون۔



ترجمہ: میں اللہ کے نام سے اس خط کو شروع کرتا ہوں جو رحمٰن اور رحیم ہے۔ یہ خط محمد خدا کے بندے اور اس کے رسول کی طرف سے روما کے رئیس ہرقل کے نام ہے۔ میں تمہیں اسلام کی ہدایت کی طرف بلاتا ہوں۔ مسلمان ہو کر خدا کی سلامتی کو قبول کر۔ اگر تو قبول کر لے تو اللہ تجھے دوہرا اجر دے گا۔ لیکن اگر تو نے روگردانی کی تو تیری رعایا کا گناہ بھی تجھ پر ہوگا۔ اور اے اہلِ کتاب! اس کلمہ کی طرف آ جاؤ جو تمہارے اور ہمارے درمیان مشترک ہے یعنی ہم خدا کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور کسی صورت میں خدا کا کوئی شریک نہ ٹھہرائیں اور خدا کو چھوڑ کر اپنے میں سے کسی کو اپنا حاجت روا نہ گردانیں۔ پھر اگر ان لوگوں نے روگردانی کی تو ان سے کہہ دو کہ ہم تو بہر حال خدائے واحد کے دامن سے وابستہ اور اس کے فرمانبردار بندے ہیں۔

روایات بتاتی ہیں کہ ہرقل اس خط کے دربارِ عام میں پڑھے جانے سے بیشتر اس کے مضمون سے مطلع ہو چکا تھا اور وہ اپنی زیرکی اور خداداد فہم و فراست کی بدولت اس نتیجے پر پہنچ چکا تھا کہ اس کا اور اس کے ملک کا مستقبل اس مدعی نبوت یعنی حضرت محمد ﷺ کے لائے ہوئے دین سے وابستہ ہو جانے میں مقدر ہے۔ چنانچہ ابوسفیان کی روایت ہے کہ جب اس نے اس کے ساتھ اپنی گفتگو ختم کی تو دربار میں ہر طرف رؤساء اور عمائدین کی آوازیں بلند ہونی شروع ہو گئیں اور ان کا اپنا کلام اونچا اور خلط ملط ہونے لگا جس سے یہ سمجھنا کچھ مشکل نہ تھا کہ درباری اس کی اس گفتگو کو سن کر غیض و غضب سے بھر گئے ۔ یہ بھی روایت آتی ہے کہ ہرقل نے ایلیا (بیت المقدس) سے واپس حمص پہنچنے کے بعد اپنی مملکت کے بڑے بڑے اہل الرائے لوگوں کو بلایا اور انہیں شاہی محل میں جمع کر کے اور تمام دروازے مقفل کر کے آنحضرت ﷺ کے خط کا حوالہ دے کر ان کو مخاطب کر کے کہا کہ:

"اے میری مملکت کے سردارو! اگر تمہیں اپنی فلاح اور بہبودی منظور ہے اور تم تباہی سے بچ کر ترقی کا راستہ دیکھنا چاہتے ہو اور ملک کو ہلاکت سے بچانے کے خواہاں ہو تو میرا مشورہ یہ ہے کہ اس نبی کو قبول کر لو جو عرب کی سرزمین میں مبعوث ہوا ہے۔"

قیصر کی یہ بات سن کر اس کے درباری اس طرح بپھرے جیسے جنگل میں گورخر بپھرتا ہے اور قیصر کی مجلس سے بھاگ کر وہ دروازوں کی طرف لپکے اور باہر نکلنا چاہا لیکن قیصر کی دور اندیشی نے پہلے سے دروازے بند کروا رکھے تھے۔ اس نے فوراً ان متکبر رئیسوں اور پادریوں کو واپس بلایا اور ان سے محبت کے انداز میں کہا کہ میں تو صرف تمہارے ایمان کا امتحان لینا چاہتا تھا۔ شکر ہے کہ تم پختہ نکلے۔ جب قیصر نے یہ بات کہی تو درباری بظاہر خوشی سے بھر گئے اور اس خوشی کے جوش میں اس کے سامنے سجدے میں جا گرے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ قیصرِ روم اگرچہ اپنے درباریوں کو اپنا ہم خیال بنانے میں ناکام

رہا اور اسی وجہ سے وہ خود بھی دولتِ اسلام کو حاصل کرنے سے محروم رہا، تاہم اس کے دل پر اسلام کی صداقت کا گہرا نقش بیٹھ چکا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اس نے اس خط کو ایک بیش قیمت تبرک کے طور پر محفوظ کر لیا اور پھر وہ کئی سو سال تک اس کے خاندان میں محفوظ رہا۔

آنحضرت ﷺ کا دوسرا تبلیغی خط

دوسرا تبلیغی خط جو آنحضرت ﷺ کی طرف سے بھیجا گیا وہ کسریٰ، شہنشاہ فارس، کے نام تھا۔ کسریٰ کا ذاتی نام خسرو پرویز بن ہرمز تھا اور وہ ایران کے مشہور ساسانی خاندان سے تعلق رکھتا تھا۔ کسریٰ کی حکومت اپنی شان وشوکت اور دبدبے کے لحاظ سے اس وقت دنیا کی دوسری بڑی مملکت شمار ہوتی تھی اور اس لحاظ سے بھی بڑی اہمیت رکھتی تھی کہ عرب علاقہ کے دو بڑے حصے بحرین اور یمن اس کی عملداری میں شمار ہوتے تھے اور ان علاقوں کے والی کسریٰ کے گورنر کی حیثیت رکھتے تھے۔ کسریٰ مذہباً آتش پرست تھا۔ یہی اس کی رعایا کا مذہب تھا۔

کسریٰ کی طرف بھیجا جانے والا خط آنحضرت ﷺ نے اپنے صحابی عبداللہ بن حذافہ کے ہاتھ بھجوایا اور قیصر کے نام بھجوائے جانے والے خط کی طرح اس کے لیے یہ ہدایت فرمائی کہ اسے پہلے بحرین کے رئیس کے پاس لے جایا جائے اور پھر اس کے توسط سے کسریٰ کو پہنچایا جائے۔ اس خط کا مضمون بھی قریباً وہی تھا جو قیصر والے خط کا تھا، البتہ اس میں یا اھل الکتاب تعالوا .... الی الآخر کے الفاظ نہیں تھے۔

حضرت عبداللہ بن حذافہ فرماتے ہیں کہ جب میں یہ خط لے کر کسریٰ کے پاس پہنچا تو اس نے اسے پڑھ کر ریزہ ریزہ کر دیا اور پھر غصے سے بولا کہ 'میرا غلام ہو کر مجھے اس طرح مخاطب کرتا ہے' (طبری وزرقانی)

آنحضرت ﷺ کو جب یہ اطلاع ملی کہ کس طرح کسریٰ نے آپ ﷺ کا خط ریزہ ریزہ کر کے پھینک دیا تو آپ ﷺ نے بڑے جوش سے فرمایا کہ: ''خدا خود ان لوگوں کو پارہ پارہ کرے۔'' (بخاری، کتاب العلم)

یہ وہی کسریٰ تھا جس نے بعد میں اپنے یمن کے گورنر کو ہدایت بھجوائی کہ حجاز میں جو مدعیٔ نبوت پیدا ہوا ہے اسے گرفتار کر کے میرے پاس لایا جائے اور جس

حمدِ باری تعالیٰ

عاصی صحرائی



دم دم کروں میں حمدیں تیری، تُو نے دیے ہیں لب
کیسے شکر ادا ہو تیرا مخلوقات کے رَب

خاک بھی تیری، بیج بھی تیرے، سارے پھل بھی تیرے
بِن تیرے اِن سب کھیتوں کا، کون ہے اور سبب!

سانس بھی حمد ہے کرتی تیری، خون میں حمد رواں
جسم کا میرے روم روم بھی بھولا تجھ کو کب!

آنکھوں میں ہے نیند بھی تیری، تیرے حکم سے جاگوں
اُجلی اُجلی صُبحیں تیری، تیری ہی ہر شب

خطا سے اپنی ہو جاتا ہے جب بندہ مغموم
دل میں اُس کے میرے مولیٰ تُو ہی بھرے طَرَب

اِنسانوں کی سنے دعائیں ہر سنّت ہے اعلیٰ
اِذن سے تیرے انسانوں کے بدلے دیکھے ڈھب

شکر ہے تیرا نام عاصیؔ کا رکھا تُو نے اونچا
تیرے رحم کرم سے اللہ میرا نام و نَسَب



کا انجام یہ ہوا کہ اس کے معاً بعد وہ اپنے بیٹے شیرویہ کے ہاتھوں قتل ہوا۔

آنحضرت ﷺ کا تیسرا تبلیغی خط

آپ ﷺ کا تیسرا تبلیغی خط مقوقس شاہِ مصر کے نام بھجوایا گیا۔ چونکہ مقوقس بھی مذہباً عیسائی تھا، اس لئے اس کے نام بھیجے جانے والے خط کا مضمون قیصر والے خط کے مضمون سے ملتا جلتا ہے۔ اس کے متعلق آتا ہے کہ جب آنحضرت ﷺ کا قاصد حضرت حاطب بن ابی بلتعہؓ آپ ﷺ کا یہ خط لے کر اسکندریہ پہنچا تو مقوقس نے اسے پڑھ کر حضرت حاطب سے کئی سوالات کیے جن کے جواب سننے کے بعد اس نے اس خط پر اپنی مہر لگائی اور پھر اسے ہاتھی دانت کی ایک ڈبیہ میں رکھ کر شاہی خاندان کی ایک معتبر خاتون کے حوالے

کر دیا (تاریخ الخمیس) اور پھر اس کے جواب میں عربی میں ایک خط لکھوا کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں بھجوایا۔ دوسرے، اس کی آنحضرت ﷺ کے لئے قدر و منزلت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ اس نے اپنے جوابی خط کے ساتھ آپ ﷺ کی خدمت میں قبطی خاندان کی دو معزز لڑکیاں، کچھ پارچات نیز ایک سفید خچر آپ ﷺ کے لئے تحفہ کے طور پر بھجوائیں۔

اس سے یہ تو پتہ چلتا ہے کہ مقوقس شاہِ مصر نے آنحضرت ﷺ کے دعوٰی میں خاصی دلچسپی لی اور تحفے بھجوا کر آپ ﷺ سے اپنی عقیدت اور قدردانی کا اظہار کیا مگر آپ ﷺ پر ایمان لانے کی اسے توفیق نہ ملی۔

جو دو لڑکیاں شاہِ مقوقس نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں تحفۃً بھجوائی تھیں، ان میں سے ایک کا نام ماریہ تھا اور دوسری کا نام سیرین تھا اور یہ دونوں آپس میں سگی بہنیں تھیں۔ روایات میں آتا ہے کہ یہ دونوں لڑکیاں سفر کے دوران ہی حضرت حاطب ؓ کی تبلیغ سے مسلمان ہوگئی تھیں۔ ان کے مدینہ پہنچنے پر ماریہ قبطیہ کو تو آنحضرت ﷺ نے اپنے عقد میں لے لیا اور سیرین قبطیہ عرب کے مشہور شاعر اور آنحضرت ﷺ کے صحابی حضرت حسان بن ثابت ؓ سے بیاہی گئیں۔ حضرت ماریہ آنحضرت ﷺ کی وہ زوجہ مطہرہ ہیں جن کے بطن سے آنحضرت ﷺ کے زمانہ نبوت کی واحد اولاد، حضرت ابراہیم، پیدا ہوئے جن کی وفات پر آنحضرت ﷺ نے فرمایا تھا کہ ”لو عاش لکان صدیقاً نبیاً کہ ’اگر یہ زندہ رہتا تو نبی ہوتا۔‘‘

شاہِ مقوقس والے خط کے متعلق یہ بات خاص طور پر قابلِ ذکر ہے کہ وہ کئی سو سال پردہ اخفا میں رہنے کے بعد اپنی اصلی صورت میں دریافت ہو چکا ہے اور اس وقت قسطنطنیہ کے عجائب گھر میں محفوظ ہے۔ یہ خط 1858 میں ایک فرانسیسی سیاح کو مصر کی ایک خانقاہ میں ملا تھا۔ اس کا فوٹو یعنی عکس 1903 میں مصر کے مشہور جریدہ ”الہلال“ کے ماہ نومبر کے شمار میں شائع ہوا۔

آنحضرت ﷺ کا چوتھا تبلیغی خط

آنحضرت ﷺ کا چوتھا تبلیغی خط نجاشی شاہ حبشہ کے نام بھجوایا گیا۔ یہ وہی نجاشی تھا جس نے مکہ سے جانے والے مہاجر اصحاب و صحابیات کو اپنے ملک میں پناہ دی تھی اور اس سلسلے میں اہلِ مکہ کے کسی سفارتی وفد کی پرواہ نہ کی تھی۔ جب آنحضرت ﷺ کا خط نجاشی کو جس کا اصل نام اصحمہ تھا پہنچا تو ان صحابہ کا ایک بہت بڑا حصہ اس وقت ابھی حبشہ میں موجود تھا۔ اصحمہ جو اسی وقت سے کہ جب یہ مسلمان مہاجرین اس کے ملک میں پناہ لینے آئے تھے، آنحضرت ﷺ کے بارہ میں حسنِ ظن اور احترام کے جذبات رکھتا تھا، آپ ﷺ کا خط پڑھ کر آداب بجالایا، اسے اپنی آنکھوں سے لگایا اور ادب کے طریق پر اپنے تخت سے نیچے اتر آیا اور پھر کہنے لگا: ”میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ خدا کے رسول ہیں“۔ پھر اس نے ایک ہاتھی دانت کی ڈبیہ منگوائی اور اس خط کو اس کے اندر رکھ کر بولا: ”میں یقین رکھتا ہوں کہ جب تک یہ خط ہمارے گھرانے میں موجود رہے گا اہلِ حبشہ اس سے خیر اور برکت پاتے رہیں گے“۔

حبشہ کے بادشاہ کا آنحضرت ﷺ کی رسالت کا یوں اقرار کرنا گویا اس کے اسلام قبول کر لینے کے مترادف تھا اور اس طرح پر یہ ایک بہت بڑی فتح تھی جو حبشہ کے ملک میں اسلام کے حق میں ظاہر ہوئی۔ اصحمہ نے سن 9 ھجری میں وفات پائی۔ روایات میں آتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اطلاع ملنے پر اس کی نمازِ جنازہ غائب پڑھائی جو اس بات کا حتمی ثبوت ہے کہ اصحمہ مسلمان ہو چکا تھا۔ جو نجاشی اس کے بعد حبشہ کے تخت پہ بیٹھا، اس کے متعلق آتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اسے بھی تبلیغی خط لکھا تھا مگر اس نے آپ ﷺ کی دعوت کو قبول نہ کیا اور اپنے مسیحی مذہب پہ ہی فوت ہوا۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ اسلام حبشہ میں زیادہ نہ پھیل سکا۔

والئی حبشہ کے نام تبلیغی خط میں ایک اور واقعہ قابلِ ذکر ہے جو اسلام کے حق میں ایک اور فتح کا نشان بن کر ابھرا۔ وہ یہ ہے کہ جب آنحضرت ﷺ کا قاصد، حضرت عمر بن امیہ، نجاشی سے ملنے اور خط پیش کرنے کے بعد باہر نکلے تو انکی ملاقات مکہ کے رئیس عمرو بن العاص سے ہوئی۔ یہ وہی عمرو بن العاص ہیں جو اس سے قبل قریش کی طرف سے مسلمان مہاجرین کو واپس لانے کی غرض سے حبشہ بھجوائے گئے تھے۔ اس وقت بھی یعنی آنحضرت ﷺ کا تبلیغی خط حبشہ پہنچنے کے وقت وہ اتفاق سے حبشہ میں موجود تھے۔ جب انہیں حضرت عمرو بن امیہ سے ان کی دربارِ شاہی میں آمد اور ان کو حاصل ہونے والی غیر معمولی کامیابی کا علم ہوا تو وہ گہری سوچ میں پڑ گئے اور آخر اس نتیجہ پر پہنچے کہ اب قریش کی کھوئی ہوئی عظمت انہیں اسلام سے وابستہ ہونے سے ہی مل سکتی ہے۔ چنانچہ انہوں نے اسی وقت مسلمان ہونے کا فیصلہ کر لیا۔ مکہ پہنچ کر انہوں نے اپنے ان خیالات کا

اظہار خالد بن ولید سے کیا جس پر وہ بھی ان کے ساتھ مل گئے۔ پھر دونوں نے موقع پا کر مدینہ کا رخ کیا اور آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پہنچ کر باقاعدہ اسلام قبول کرنے کی سعادت پائی اور پھر دونوں ہمیشہ کے لئے مدینہ کے ہی ہو کر رہ گئے۔ اس طرح گویا قریش اپنے دو نامی سرداروں سے محروم ہو گئے۔ دوسری طرف مسلمانوں کو دو ایسے قابل جرنیل میسر آ گئے جنہوں نے آئندہ کی اسلامی فتوحات میں نمایاں کردار ادا کیا۔

آنحضرت ﷺ کا پانچواں تبلیغی خط

آنحضرت ﷺ کا پانچواں تبلیغی خط ریاستِ غسان کے والی حارث بن ابی شمر کو لکھا گیا۔ یہ وہی حارث ہے جس کا ذکر قیصر والے خط کے تعلق میں آ چکا ہے۔ غسان کی ریاست عرب کے جانبِ شمال واقع تھی اور اس کا والی، قیصرِ روم کے ماتحت ہوا کرتا تھا۔ آنحضرت ﷺ نے اپنے خط میں حارث کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دی اور ساتھ لکھا کہ اگر تم اسلام قبول کر لو گے تو تمہاری حکومت کو لمبی زندگی عطا ہو گی۔ حارث اس وقت قیصر کی فتح کے جشن میں مصروف تھا۔ جب قاصدِ رسول ﷺ، حضرت شجاع بن وہب نے اس کے سامنے آنحضرت ﷺ کا خط پیش کیا تو اس نے پڑھتے ہی غصہ سے زمین پر پھینک دیا اور کہا، مجھ سے میرا ملک چھیننے کی کون طاقت رکھتا ہے، بلکہ کہا کہ میں داعی رسالت کے خلاف لشکر کشی کروں گا۔ ساتھ ہی اس نے قیصرِ روم کو بھی اپنے اس ارادے کی اطلاع دے دی۔ قیصر نے جواب میں اسے کہہ بھیجا کہ فوج کشی کا ارادہ چھوڑ و اور مجھے آکر دربار میں شرکت کے لئے ایلیا میں ملو، ایلیا یعنی بیت المقدس میں۔ (زرقانی)

خود قیصر کے نام لکھے جانے والے آنحضرت ﷺ کے خط کو جس عظمت سے دیکھا گیا اس کا ذکر پہلے گزر چکا ہے۔

آنحضرت ﷺ کا چھٹا تبلیغی خط

چھٹا تبلیغی خط یمامہ کے رئیس ہوذہ بن علی کے نام بھجوایا گیا۔ اس خط کو لے جانے والے حضرت سلیط بن عمرو قرشی تھے۔ آنحضرت ﷺ نے اس خط میں بھی رئیسِ یمامہ کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دی۔ ہوذہ بظاہر آنحضرت ﷺ کے قاصد، حضرت سلیط، سے بڑی عزت سے پیش آیا۔ انکی اس نے بڑی آؤ بھگت کی مگر وہ ایک متکبر اور دنیا دار انسان تھا۔ اس نے جواب میں آنحضرت ﷺ کو کہلا بھیجا کہ چونکہ میرا عربوں کے اندر بڑا مقام ہے، میں اس شرط پر مسلمان ہوتا ہوں اگر آپ وصیت کر دیں کہ آپ کے بعد آپ کی حکومت کا کچھ حصہ مجھے بھی ملے گا۔

آنحضرت ﷺ نے جب ہوذہ کا یہ جواب سنا تو بڑے جلال سے فرمایا کہ: ''اگر ہوذہ مجھ سے کھجور کا ایک کچا دانہ بھی مانگے تو میں اسے نہیں دوں گا''۔ اس کے بعد ہوذہ تو فتح مکہ کے بعد کفر کی حالت میں ہی مر گیا۔ اس کی موت کی خبر سن کر آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ''عنقریب یمامہ میں ایک جھوٹا نبی پیدا ہو گا، جو میری وفات کے بعد قتل کیا جائے گا''۔ آنحضرت ﷺ کی یہ پیشگوئی مسیلمہ کذاب کے جھوٹے ادعاء نبوت کرنے پر اور پھر آپ کی وفات کے جلد بعد حضرت ابوبکر کے عہدِ خلافت میں اس کے ہلاک ہو جانے پر پوری ہو گئی۔ (زرقانی، جلد 3)

آنحضرت ﷺ کے سربراہانِ مملکت کے نام خطوط کے ضمن میں ایک اہم امر جو توجہ کے لائق ہے وہ یہ ہے کہ آپ ﷺ نے اپنے ہر خط میں اسلم تسلم کے الفاظ لکھ کر وقت کی حکومتوں کو اس طرف متنبہ فرمایا کہ اب انکی سلامتی اور بقا کا انحصار اس بات پر موقوف ہے کہ وہ اسلام قبول کر لیں، ورنہ خدا کی تقدیر انہیں ختم کر کے رکھ دے گی۔ چنانچہ ایسا ہی عملاً ظہور میں آیا۔ قیصر و کسریٰ کی حکومتیں ہمیشہ کے لئے ختم ہو گئیں۔ مصر کی مملکت بھی تباہ و برباد ہو گئی اور اس کی جگہ مسلمان حکومت قائم ہو گئی۔ غسانی ریاست ٹکڑے ٹکڑے ہو کر اسلامی مملکت کا حصہ بن گئی اور یمامہ کی حکومت اپنے جھوٹے مدعی نبوت، مسیلمہ کذاب، کی باغیانہ سرگرمیوں کی پاداش میں ہمیشہ کے لئے ختم ہو گئی۔ صرف حبشہ کی حکومت پوری شان و شوکت کے ساتھ قائم رہی جس کے سربراہ نجاشی نے آنحضرت ﷺ کی دعوت پر لبیک کہہ کر اپنے آپ کو اور اپنی حکومت کو خدائی عذاب کی گرفت سے بچا لیا تھا۔ اس چھوٹی سی سلطنت نے تیرہ صدیوں تک اپنی آزادی اور ثقافت کو سنبھالے رکھا اور اگرچہ نجاشی کا بیٹا مسلمان نہ ہوا تاہم اپنے باپ کی نیکی کے عوض بچا لیا گیا اور ایک لمبے عرصے تک تاجِ ملوکیت اسی خاندان کے سر قائم رہا۔

قیصر و کسریٰ کی حکومتوں کے بارے میں یہ امر بیان کرنا ضروری ہے کہ

جہاں کسریٰ کی حکومت حضرت عمر کے دورِ خلافت میں ہی مکمل طور پر سرنگوں ہو کر مسلمانوں کے قبضہ میں آ گئی تھی، وہاں قیصر کی حکومت کو کافی لمبی مہلت ملی اور اس کا خاندان سینکڑوں سال تک حکومت کرتا رہا۔ یہ حکومت یقیناً اس نیک اور مؤدبانہ سلوک کی وجہ سے تھی جو قیصرِ روم نے آنحضرت ﷺ کے خط کے ساتھ روا رکھا تھا۔ اس بارے میں خود آنحضرت ﷺ سے روایت آتی ہے کہ جب ایک بار قیصر کا سفیر آپ ﷺ سے ملا تو آپ ﷺ نے اسے فرمایا: ''میں نے کسریٰ کو خط لکھا مگر اس نے اسے پھاڑ دیا۔ اس کی وجہ سے میں یقین رکھتا ہوں کہ خدا اسے بھی ٹکڑے ٹکڑے کر دے گا۔ مگر اس کے مقابل پر میں نے تمہارے آقا قیصر کو بھی خط لکھا اور اس نے اسے اپنے پاس محفوظ کر لیا اور اس کے ساتھ ادب کا رویہ اختیار کیا۔ میں امید کرتا ہوں کہ جب تک ان میں نیکی ہے خدا اس کے خاندان کو کچھ نہ کچھ ضرور اجر دے گا''۔ (زرقانی)

اسلام کی فتح و نصرت کا تیسرا نشان

صلح حدیبیہ کے نتیجے میں اہلِ عرب کا اسلام کی طرف غیر معمولی رجوع



مسلمانوں کے حق میں صلح حدیبیہ کے نتیجے میں حاصل ہونے والی فتح عظیمہ کا تیسرا حسین باب عربوں کی اسلام کی طرف غیر معمولی توجہ اور رغبت پیدا ہو جانے کی صورت میں کھلا۔ اہلِ مکہ کے تین صد یا اس سے اوپر جگر گوشوں کا مسلمان ہو جانا اسی بات کی ایک اہم کڑی تھی۔ تاہم قبولیت کی یہ رو صرف مکہ تک ہی محدود نہ تھی، بلکہ مدینہ کے اردگرد بسنے والے دیگر عرب قبائل تک بھی وسیع ہو گئی اور یہ غیر معمولی توجہ جس کے پیچھے کوئی دنیوی کشش یا لالچ نہ تھا، اس انیس سالہ طویل کشمکش کے ختم ہونے کے نتیجے میں پیدا ہوئی جو مسلمانوں اور قریشِ مکہ کے درمیان معاہدہ حدیبیہ کے عمل میں آ جانے کے بعد امن میں تبدیل ہو چکی تھی۔

اس معاہدہ کی برکت سے مسلمانوں کے لئے پہلی بار امن کا دروازہ کھلا، جس کے ساتھ لوگوں کو اسلام کی طرف آنے یا کم از کم اس کے بارے میں مثبت انداز میں سوچنے کی طرف توجہ پیدا ہوئی۔ چنانچہ اب عرب قبائل کے وفود پر وفود مدینہ آئے اور اسلام قبول کرنے لگے۔ بلکہ جو قبائل پہلے کسی نہ کسی رنگ میں جارحانہ کارروائی میں حصہ لے کر اپنے خلاف جنگی کارروائی کو دعوت دے چکے تھے، وہ بھی دامنِ اسلام سے وابستہ ہو کر جان کی امان پانے لگے۔

اس سلسلے میں ان تبلیغی مہمات کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا جو مسلمانانِ مدینہ کی طرف بھجوائی گئیں۔ ان میں قابلِ ذکر وہ مہم ہے جو حضرت عمرو بن العاص کی سرکردگی میں قبیلہ بنی عذرہ کی طرف بھجوائی گئی۔ خود حضرت عمرو بن العاص بھی بالواسطہ طور پر معاہدہ حدیبیہ کا ہی شیریں ثمر تھے، جن پر اسلام کی حقیقت ابھی تھوڑا عرصہ پہلے اس وقت کھلی تھی جب انہوں نے شاہِ حبشہ کی طرف بھیجے جانے والے تبلیغی خط کی برکت اور کامیابی کا منظر اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کیا تھا۔ علاوہ ازیں حضرت عبیدہ بن الجراح کی سرکردگی میں سمندر کے ساحلی علاقوں کی طرف بھیجی جانے والی تبلیغی مہم بھی بہت کامیاب رہی۔ بہر حال معاہدہ حدیبیہ کی ہی برکت تھی کہ ایک طرف عربوں کو مسلمانوں سے ملنے اور ان کے اندر اسلام اور محمد رسول اللہ ﷺ کی قوتِ قدسیہ کے طفیل پیدا ہونے والی زبردست اخلاقی اور روحانی تبدیلی کا مشاہدہ کرنے کا موقع ملا۔ دوسری طرف تبلیغی مہمات کی بدولت انہیں اسلامی تعلیم کی خوبیوں سے اطلاع ہوئی۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ دو سالوں کے اندر اندر مسلمانوں کی تعداد ڈیڑھ ہزار سے ترقی کر کر دس ہزار سے تجاوز کر گئی، جس کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ غزوۂ مکہ جو صلح حدیبیہ کے دو سال بعد واقع ہوا اور جو فتح مکہ پر منتج ہوا، اس میں دس ہزار صحابہ نے شمولیت کی۔ اس کے مقابلہ میں انیس سال تکلیفوں اور جنگوں کے دور میں ترقی کی، رفتار بہت کم رہی۔ سات سال قبل غزوۂ بدر میں کل 313 صحابہ نے شرکت کی۔ احد کی جنگ میں ایک ہزار صحابہ شامل ہوئے اور احزاب والے معرکہ میں زیادہ سے زیادہ ڈیڑھ ہزار صحابہ شامل تھے۔ اگرچہ اس معرکہ کے مدینہ کے اندر محدود رہنے کی وجہ سے بچوں اور بوڑھوں کی کل تعداد تین ہزار بنتی تھی تاہم جنگ میں عملاً حصہ لینے والے مسلمان ڈیڑھ دو ہزار سے زیادہ نہ تھے۔ اس کے بعد صلح حدیبیہ کا واقعہ جو صرف دو سال قبل پیش آیا تھا، اس میں شریک ہونے والے صحابہ کی تعداد طرف چودہ سو تھی۔

اسلام کی فتح کا چوتھا اور سب سے بڑا نشان۔ فتح مکہ

صلح حدیبیہ کا آخری اور اپنی نوعیت کا عظیم الشان نشان ایسے غیر متوقع طور پر ظاہر ہوا کہ سارا عالم دنگ رہ گیا۔اس کے نتیجہ میں سرزمینِ عرب کی تقدیر پلٹ کر رہ گئی اور اس کے ساتھ اسلام ایک بہت بڑی طاقت بن کر صفحہِ ہستی پر نمودار ہوا۔

معاہدہ حدیبیہ کی ایک شرط یہ تھی کہ قبائلِ عرب میں سے جو قبیلہ مسلمانوں کا حلیف بننا چاہے وہ مکہ والوں کے ساتھ مل جائے گا۔اس شق کی رو سے مکہ کے قبائل میں سے بنوخزاعہ مسلمانوں کے اور بنوبکر قریشِ مکہ کے حلیف بن گئے۔مگر ابھی معاہدہ پر بامشکل دو سال ہی گزرنے پائے تھے کہ بنوبکر نے قریش کے ساتھ مل کر بنوخزاعہ کا نہایت بے دردی سے خون بہایا۔چنانچہ قریشِ مکہ کو اپنی اس بدعہدی کی سزا دینے کے لئے آنحضرت ﷺ نے مکہ کی طرف پیش قدمی فرمائی،جس کے نتیجہ میں وہ عظیم الشان معرکہ رونما ہوا جو فتح مکہ کے نام سے اسلامی تاریخ میں ایک اہم سنگِ میل کی حیثیت رکھتا ہے اور جس کی بدولت قریشِ مکہ کی طاقت ہمیشہ کے لئے ختم ہوگئی، بلکہ چند مستثنیات کو چھوڑ کر مکہ کے سارے قریش،مرد،عورتیں اور بچے اسلام قبول کر کے مستقل طور پر اسلامی جھنڈے تلے آ گئے۔

اس عظیم معرکہ کی تفصیل یہ ہے کہ جیسا کہ بتایا جا چکا ہے،جب قریشِ مکہ کا وفد،یعنی ابوسفیان،مدینہ سے خائب وخاسر ہو کر واپس لوٹا تو اس کے جانے کے معاً بعد آنحضرت ﷺ نے صحابہ کو مکہ کی طرف کوچ کا حکم دے دیا،لیکن ابھی آپ ﷺ مدینہ سے نکلنے نہ پائے تھے کہ آپ ﷺ کو بذریعہ وحی الٰہی یہ اطلاع ملی کہ ایک عورت سارہ کوئی خفیہ خط لے کر مکہ کی طرف جا رہی ہے۔آپ ﷺ نے یہ آسمانی خبر ملتے ہی حضرت علی بن ابی طالب اور حضرت زبیر بن العوام کو دوڑایا کہ وہ فوراً اس عورت کا پتہ کر کے اس کے قبضے سے وہ خط برآمد کر کے لے آئیں۔چنانچہ یہ دونوں اصحاب فوری طور پر روانہ ہوگئے اور وضہ خاخ کے مقام پر جا کر اس عورت کو گرفتار کر لیا۔اس کے سارے سامان کی تلاشی لی گئی مگر وہ خط برآمد نہ ہوا۔اس عورت سے پوچھا گیا کہ وہ سچ سچ بتائے کیا کوئی خفیہ خط لے کر جا رہی ہے۔اس عورت نے انکار کیا۔اس پر حضرت علی نے کہا:"یہ نہیں ہو سکتا کہ آنحضرت ﷺ کی بات سچی نہ ہو۔چنانچہ انہوں نے اس عورت کو ڈرایا اور دھمکایا کہ اگر اس نے وہ خط نکال کر نہ دیا تو یاد رکھے اس کی جان کی خیر نہیں۔اس پر وہ عورت ڈر گئی اور اس نے وہ خط اپنے بالوں کے جوڑے میں سے نکال کر دے دیا۔حضرت علی اس عورت کو گرفتار کر کے خط سمیت آنحضرت ﷺ کے پاس مدینہ لے آئے۔اس عورت سے پوچھنے پر معلوم ہوا کہ وہ خط حضرت حاطب بن ابی بلتعہ نے اہلِ مکہ کو لکھا ہے،جس کا مضمون یہ تھا کہ مسلمان تم پر چڑھائی کرنے والے ہیں،اس لئے تم ہوشیار ہو جاؤ۔حضرت حاطب کو بلا کر پوچھا گیا کہ یہ کیا معاملہ ہے؟ تو وہ نہایت عاجزی سے کہنے لگے کہ یا رسول اللہ ﷺ!میرے عزیز و اقارب مکہ میں ہیں۔میں نے چاہا کہ مکہ والے ممنون ہو کر انہیں کوئی نقصان نہ پہنچائیں۔ان کا یہ کہنا تھا کہ حضرت عمر بولے:"یا رسول اللہ ﷺ!مجھے حکم دیں۔میں اس منافق کی گردن اڑا دوں"۔آنحضرت ﷺ نے فرمایا:"عمر!تمہیں معلوم نہیں،حاطب ان بدری صحابہ میں سے ہیں جن کے بارے میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ ان کے سب گناہ معاف کر دیے گئے ہیں۔"چنانچہ حضرت حاطب کی یہ غلطی انہیں معاف کر دی گئی۔

اب آنحضرت ﷺ کی قیادت میں اسلامی لشکر مکہ کو روانہ ہوا۔یہ دس یا گیارہ رمضان المبارک 8ھ کا دن تھا۔دس ہزار صحابہ کے جلو میں نکلنے والا یہ لشکر اس سے پہلے کے تمام اسلامی لشکروں سے منفرد اور نرالی شان کا حامل تھا۔اس میں قبیلہ بنوسلیم کے ایک ہزار سپاہی،بنومزینہ کے ایک ہزار،بنوغفار کے چار سو اور بنواسلم کے چار سو جنگجو شامل تھے۔ان کے علاوہ کچھ بنواسد،بنوتمیم اور دیگر قبائل کے لوگ تھے اور باقی مہاجرین اور انصار تھے۔صحابہ کا یہ لشکر جرار برق رفتاری سے سفر کرتا ہوا جب وادی مرالظہر ان میں جو مکہ سے صرف چار میل کے فاصلہ پر ہے،شام کے وقت خیمہ زن ہوا تو پہلی بار چرواہوں کے ذریعہ اس کی خبر اہلِ مکہ کو پہنچی۔تاہم انہیں ابھی تک یہ معلوم نہ ہو سکا کہ یہ اتنا بڑا کون سا لشکر ہے جو مکہ کے اس قدر قریب پہنچ چکا ہے اور انہیں اس کی کانوں کان خبر نہیں۔کیونکہ اگرچہ ابوسفیان ابھی چند دن پہلے مدینہ سے واپس مکہ لوٹا تھا مگر اسے مسلمانوں کی جنگی تیاریوں کی قطعاً کوئی خبر نہ ہوئی،کیونکہ جیسا کہ پیچھے گزر چکا ہے،آنحضرت ﷺ کی ہدایت کے مطابق یہ سب کچھ صیغہ راز میں رکھا جا رہا تھا۔لہٰذا اہلِ مکہ حیران تھے کہ یہ لشکر کون سا ہو سکتا ہے۔ادھر آنحضرت ﷺ نے اہلِ مکہ کو مرعوب کرنے کے لئے یہ تدبیر فرمائی کہ

سارے لشکر کو ایک ایک ہزار کے دستوں میں تقسیم کر کے اسے سارے میدان میں پھیلا دیا اور آگ روشن کرنے کا حکم صادر فرمایا۔

حضرت عباس (رسولِ کریم ﷺ کے چچا) اس دوران مسلمان ہو کر کسی نہ کسی طرح لشکرِ اسلام کے ساتھ آ ملے تھے۔ وہ آنحضرت ﷺ سے اجازت لے کر اور آپ ﷺ کے خچر دلدل نامی پر سوار ہو کر اس غرض سے جانب مکہ روانہ ہوئے کہ اگر کوئی مکہ کا سردار مل جائے تو اسے آنے والے خطرہ سے آگاہ کر کے اہلِ مکہ کو مسلمان ہونے کی ترغیب دیں۔ کیونکہ اگرچہ وہ اپنے سابقہ اعمال کی پاداش میں سب کے سب واجب القتل تھے، ان کے لیے سلامتی کی اب یہی ایک راہ رہ گئی تھی۔ حسنِ اتفاق سے حضرت عباس کو مکہ کا رئیسِ اعظم، ابوسفیان مل گیا جو اس غرض سے اس طرف آ رہا تھا کہ پتہ لگائے کہ یہ لشکرِ جرار کہاں سے اور کس غرض سے آیا ہے۔ ابوسفیان دور دور تک روشن ہونے والی آگ کو دیکھ کر اپنے ساتھیوں کے ساتھ اس لشکر کے بارے میں قیاس آرائی کر رہا تھا کہ حضرت عباس نے اس کی آواز پہچان کر دور سے آواز دی۔ کیا ابو حنظلہ ہے؟ (ابوحنظلہ، ابوسفیان کی کنیت تھی) ابوسفیان نے بھی حضرت عباس کی آواز پہچان لی اور بولا: ''عباس! جانتے ہو یہ لشکر کیسا اور کہاں سے آیا ہے؟'' حضرت عباس نے جواب دیا: ''ابوسفیان! یہ آنحضرت ﷺ کی فوج ظفر موج ہے۔ اگر خیریت چاہتے ہو تو میرے پیچھے سوار ہو جاؤ اور آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر مسلمان ہو جاؤ، ورنہ صبح ہوتے ہی یہ لشکر مکہ پر حملہ کر دے گا''۔ ابوسفیان جو پہلے ہی حواس باختہ ہو چکا تھا، فوراً حضرت عباس کے پیچھے خچر پر سوار ہو گیا۔ ابھی دونوں لشکر کے اندر گھسے ہی تھے کہ حضرت عمر نے ابو سفیان کو دیکھ لیا اور دیکھتے ہی کہا: ''یہ دشمنِ رسول جا تا ہے، یہ زندہ نہ جانے پائے۔'' اور تلوار لے کر پیچھے بھاگے مگر حضرت عباس خچر کو تیزی سے دوڑاتے ہوئے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پہنچ گئے۔ آپ ﷺ نے ابوسفیان کو دیکھا تو فرمایا: ''اے ابوسفیان! کیا اب بھی تو نہیں سمجھا کہ خدا کے سوا کوئی اور معبود نہیں'' اور پھر حضرت عباس سے فرمایا کہ: ''آج رات اسے اپنے پاس رکھو اور صبح میرے پاس لانا''۔

لشکرِ اسلام نے رات گزاری اور صبح مکہ پر حملے کی تیاریاں کرنے لگا۔ ادھر مکہ کا رئیسِ اعظم اب مسلمانوں کے قبضے میں تھا۔ وہ دشمنِ رسول، جس نے ابو جہل کے بعد سب سے زیادہ نقصان مسلمانوں کو پہنچایا، اس قابل تھا کہ آج اس کے قتل کا حکم دیا جاتا اور اگر کوئی اور ہوتا تو فی الواقعہ اس کا سر قلم کر کے مکہ والوں کو بھجوا دیتا۔ مگر یہاں رسولِ خدا ﷺ تھے جو بدلہ لینے کے لئے نہیں، بلکہ مجسمِ رحمت بنا کر بھیجے گئے تھے اور آپ ﷺ کی رحمت اس دشمنِ رسول ﷺ کو بخشنے کا بہانہ تلاش کر رہی تھی۔ چنانچہ علی الصبح جب ابوسفیان کو آپ ﷺ کی خدمت میں لایا گیا تو اسے اختیار دیا گیا کہ چاہے تو کلمہ شہادت پڑھ کر اسلام قبول کر لے اور چاہے تو اپنے جرموں کی پاداش میں موت قبول کرنے کے لئے تیار ہو جائے۔ ابوسفیان، جس کے دماغ پر ابھی تک جہالت اور تکبر کا بھوت سوار تھا، کچھ پس و پیش کرنے لگا تو حضرت عباس نے جلدی سے اسے گردن سے پکڑ کر آنحضرت ﷺ کے قدموں میں ڈال دیا او کہا کہ پڑھ اشھد ان لا الہ الا اللّٰہ و اشھد ان محمداً رسول اللّٰہ، ورنہ دیکھ وہ عمر تیری گردن اڑانے کے لیے آ رہا ہے۔ ابوسفیان نے جب یہ سنا تو جھٹ کلمہ پڑھ دیا اور اس طرح جان کی امان پا گیا۔

ابوسفیان کے یوں مسلمان ہو جانے پر آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ابھی اسلامی لشکر حرکت میں آنے والا ہے۔ ابوسفیان کو دامنِ کوہ میں کسی ایسی جگہ بٹھا دو جہاں سے اسے سارا لشکرِ اسلام مارچ کرتا ہوا نظر آ جائے تا کہ اس پر اسلام کی قوت اور شان و شوکت ظاہر ہو جائے۔ حضرت عباس نے ایسا ہی کیا۔ ابو سفیان جوں جوں اس لشکرِ ناپیدا کنار کو دیکھتا جاتا تھا، مرعوب ہوتا جاتا تھا، حتیٰ کہ اسے یقین ہو گیا کہ اب اہلِ مکہ کو کوئی نہیں بچا سکتا۔ ان کی خیر اسی میں ہے کہ وہ اب دل و جان سے اسلام قبول کر کے رسولِ خدا ﷺ کہ کنارِ عافیت میں آ جائیں۔ چنانچہ اس نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اجازت چاہی کہ وہ مکہ میں اپنی قوم کے پاس جائے اور انہیں آنے والے خطرہ سے آگاہ کرے۔ اس پر حضرت عباس نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا کہ: ''یا رسول اللہ ﷺ! ابوسفیان مکہ کے رؤساء میں سے ہے، اسے کوئی ایسا امتیازی نشان دیا جائے، جس سے وہ دوسروں سے ممتاز سمجھا جائے''۔ آنحضرت ﷺ نے یہ سن کر فرمایا کہ: ''اچھا آج جو شخص ابوسفیان کے مکان میں پناہ لے گا، اسے امان دی جائے گی''۔ ابوسفیان کے لئے یہ اعزاز آج ہر دوسری چیز کے مقابلے میں بہت زیادہ تھا، کیونکہ اہلِ مکہ جو اپنی خونی

اور ظلم و ستم سے آلودہ کارروائیوں کے سبب واجب القتل ہو چکے تھے، ان کے لئے آج ابوسفیان کا گھر پناہ کا قلعہ بنا دیا گیا تھا، مگر حضرت عباس نے عرض کیا: ''یارسول اللہ ﷺ! ابوسفیان کا گھر تو چھوٹا سا ہے، اس میں کتنے لوگ سما سکیں گے؟'' تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''اچھا جو شخص حکیم بن حزام کے گھر میں پناہ لے لے گا، اسے بھی کچھ نہیں کہا جائے گا''۔ حکیم بن حزام آنحضرت ﷺ کے بچپن کے دوست تھے اور بہت دیر بعد اسلام لے آئے۔ آپ ﷺ کے دعویٰ نبوت کے بعد جب آپ ﷺ ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لا چکے تھے تو حکیم بن حزام شام میں تجارت کی غرض سے گئے۔ وہاں انہوں نے ایک نہایت اعلیٰ قسم کا کوٹ دیکھا۔ انہیں وہ اتنا پسند آیا کہ آنحضرت ﷺ کو تحفہ دینے کی نیت سے خرید لیا۔ چنانچہ مکہ پہنچ کر وہ صرف یہ تحفہ دینے کی غرض سے مدینہ آئے اور آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پہنچ کر وہ کوٹ پیش کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''تمہاری اس دوستی کی میرے دل میں بہت قدر ہے، لیکن میں نے عہد کیا ہوا ہے کہ میں کسی مشرک کا تحفہ نہیں لوں گا، تم اگر چاہو تو میں یہ کوٹ قیمتاً لینے کے لئے تیار ہوں۔ حکیم بن حزام کو صدمہ تو بہت ہوا مگر وہ کوٹ واپس بھی نہیں لے جانا چاہتے تھے۔ چنانچہ چارو ناچار انہوں نے اس کی قیمت قبول کر لی۔ آنحضرت ﷺ نے اس دوستی کا حق فتح مکہ کے موقع پر ان کی حوصلہ افزائی کر کے نبھایا۔ اس پر حضرت عباس نے دوبارہ عرض کیا: ''یارسول اللہ ﷺ! وہ گھر بھی تو اتنا بڑا نہیں''۔ جس پر آپ ﷺ نے فرمایا: ''اچھا جو شخص خانہ کعبہ کے اندر داخل ہو جائے گا، اس کی بھی جان بخشی کر دی جائے گی۔ جو شخص اپنے گھر کے دروازے بند کر کے بیٹھ جائے گا اور مقابلہ کے لیے تلوار نہیں اٹھائے گا، اس سے بھی درگزر کیا جائے گا''۔ پھر آپ ﷺ نے کچھ خیال کر کے فرمایا: ''اچھا کوئی کپڑا لاؤ''۔ جب کپڑا لایا گیا تو آپ ﷺ نے اس کا جھنڈا بنا کر حضرت بلال کے منہ بولے بھائی ابورویحہ کو دیا اور فرمایا: ''یہ بلال کا جھنڈا ہے، جو شخص بھی اس جھنڈے کے نیچے آ کر کھڑا ہو جائے گا، اس کو بھی جان کی امان دی جائے گی''۔

یہ امر قابلِ ذکر ہے کہ بلال کا جھنڈا بنانا اور تجویز کرنا اور اسے اہلِ مکہ کی پناہ گاہ قرار دینا آنحضرت ﷺ کے کمالِ حکمت پر دلالت کرتا تھا۔ آپ ﷺ کو اس امر کا احساس تھا کہ بلال پر صرف کلمہ شہادت پڑھنے پر بے پناہ مظالم توڑے گئے۔ آپ ﷺ کو خیال آیا کہ آج جب کہ اہلِ مکہ کی عام معافی کا اعلان کیا جا رہا ہے، تو بلال کیا کہتا ہوگا۔ وہ زبان سے تو نہیں، البتہ زبانِ حال سے ضرور کہتا ہوگا کہ آج محمد الرسول اللہ ﷺ نے اپنی قوم کو تو معاف کر دیا ہے، مگر میرے بدن پر برسنے والے کوڑوں کا بدلہ کون لے گا۔ میری چھاتی کے اوپر توڑے جانے والے زخم کون بھرے گا۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے بلال کے جھنڈے کو قریشِ مکہ کی جانوں کی امان قرار دے کر ایک طرف حضرت بلال کے زخمی دل پر اپنی شفقت اور رحمت کا پھاہا رکھا اور دوسری طرف مکہ والوں کو یہ احساس دلا کر شرمسار کیا کہ دیکھو وہی شخص جو چند سال قبل تمہارے لئے اتنا بے حقیقت تھا کہ تم اس کے سینے پر چڑھ کر ناچا کرتے تھے، آج خدا اور اس کے رسول ﷺ نے اسے وہ عزت بخشی ہے کہ تمہاری جانوں کی سلامتی کو اس کی ذات کے ساتھ وابستہ کر دیا ہے۔

ادھر ابوسفیان کی سنیئے۔ اسلام قبول کر لینے اور اپنی ذات کے لئے رسولِ خدا ﷺ کی خوشنودی اور اپنے لوگوں کے لئے عام معافی کا پروانہ لینے کے بعد وہ جونہی واپس ہوا تو اہالیانِ مکہ، جو لشکر کے بارے میں خبر سننے کے لیے بے تاب بیٹھے تھے، اس کے ارد گرد جمع ہو گئے۔ ابوسفیان پہلے سیدھا خانہ کعبہ میں گیا اور پھر با آوازِ بلند بولا کہ اے اہلِ قریش! محمد ﷺ اپنے لشکر کے ساتھ آن پہنچے ہیں۔ اچھی طرح سن لو کہ آج صرف اسی شخص کو امان ملے گی جو میرے گھر کی چار دیواری میں داخل ہو جائے گا، پھر اسے ملے گی جو حکیم بن حزام کے گھر پناہ لے گا اور اسی طرح دوسری پناہ گاہوں کا اعلان کرنے لگا۔ ابھی وہ اس قسم کی باتیں کر ہی رہا تھا کہ ہندہ اس کی بیوی، ایک بپھری ہوئی شیرنی کی طرح اس پر جھپٹ پڑی اور اس کی داڑھی پکڑ کر کہنے لگی: ''اے آلِ غالب! اس بڈھے کا دماغ چل گیا ہے، اسے قتل کر دو''۔ ابوسفیان نے یہ سنا تو ہندہ کا ہاتھ جھٹک کر بولا: ''اے عورت خدا کی قسم۔ آج تو نے اسلام قبول نہ کیا تو تیری بھی خیر نہیں۔ تو ضرور قتل ہوگی''۔ ہندہ کا یہ سننا تھا کہ اس کے ہوش اڑ گئے۔ اس کی ساری شوخی جاتی رہی اور وہ مارے خوف کے کانپنے لگی۔

ادھر اہلِ مکہ نے جب یہ ساری باتیں سنیں تو ان کے اندر سخت خوف و ہراس پھیل گیا۔ ان کے اوسان خطا ہو گئے۔ انہیں کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ یہ سب کچھ کیا ہو رہا ہے۔ ان کے مظالم انہیں یاد آ رہے تھے اور وہ سمجھ رہے تھے کہ آج ان کی

خیر نہیں۔ابھی وہ اس حیرت واستعجاب اور سراسیمگی کی حالت سے سنبھلنے نہ پائے تھے کہ انہوں نے اسلامی لشکر کو مکہ کی جانب تیزی سے بڑھتے ہوئے دیکھا۔یہ دیکھتے ہی وہ بدحواس ہوکر ادھر ادھر بھاگنے لگے اور ان پناہ گاہوں کو تلاش کرنے لگے جن کا اعلان وہ ابوسفیان کی زبانی سن چکے تھے۔کوئی حرم کعبہ کی طرف بھاگ رہا تھا،تو کوئی ابوسفیان کے گھر کی طرف دوڑ رہا تھا،کسی کو حکیم بن حزام کے گھر کی تلاش تھی تو کوئی بلال کے جھنڈے کو دیکھنے اور اس کے نیچے پناہ لینے کے لیے بے قرار نظر آنے لگا۔غرض افراتفری کا ایسا عالم تھا کہ کسی دوسرے کی ہوش نہ رہی۔ہر ایک اپنی جان بچانے کی فکر میں تھا اور ہر ایک اپنے ظلموں کو یاد کر کے اس خوف میں غلطان و پریشان تھا کہ کہیں اس کے لیے بھی قتل کا حکم صادر نہ ہو چکا ہو۔

اس اثنا میں لشکرِ اسلام بھی مکہ میں داخل ہو چکا تھا۔مقدمتہ الجیش میں حضرت عبیدہ بن الجراح تھے۔میمنہ میں حضرت خالد بن ولید اور میسرہ میں حضرت زبیر بن العوام اپنے اپنے دستوں کی کمان کر رہے تھے۔قلبِ لشکر میں آنحضرت ﷺ کبار صحابہ کے جلو میں سیاہ عمامہ پہنے ایک عظیم فاتح کی حیثیت سے شہر میں داخل ہو رہے تھے۔آج اگر کوئی دنیوی بادشاہ ہوتا تو فتحمندی اور خودسری کے احساس سے اس کی گردن اکڑی ہوتی اور وہ جس طرف دیکھتا کشتوں کے پشتے لگ جاتے۔مگر رحمتِ مجسم کا یہ عالم تھا کہ آپ ﷺ اپنی سواری پر سوار جا رہے تھے اور آپ ﷺ کا سر تشکر اور امتنان کے جذبات سے لبریز آستانہ خداوندی کے سامنے سجدہ ریز تھا۔آپ ﷺ کا یہ حال تھا کہ مجسم انکسار بنے آگے بڑھ رہے تھے اور دوسری طرف آپ ﷺ نے ھدایت دے رکھی تھی کہ جب تک کوئی سامنے سے تلوار نہ اٹھائے کسی پر تلوار نہ اٹھائی جائے۔آپ ﷺ نے مزید احتیاط کی خاطر حضرت زبیر بن العوام کو مکہ کے نشیبی حصہ کی طرف سے اور حضرت خالد بن ولید کو اسکی بالائی جانب سے داخل ہونے کی ہدایت فرمائی۔مقصد یہ تھا کہ شہر کے چاروں طرف امن وامان کی ذمانت مل جائے اور عملاً ایسا ہی ظہور میں آیا،سوائے اس کے کہ جس طرف سے حضرت خالد بن ولید داخل ہوئے،وہاں مکہ کے بعض شوریدہ فطرت نوجوان اپنے سرداروں عکرمہ بن ابی جہل،صفوان بن امیہ اور سہیل بن عمرو کے ساتھ مل کر مقابلہ کے لیے کھڑے تھے۔حضرت خالد بن ولید پہلے تو حملہ کرنے سے رکے رہے،لیکن جب ان کفار نے مسلمان لشکر پر تیر برسانے شروع کر دیے تو حضرت خالد بن ولید نے بھی اپنے لشکر کو مقابلہ کا حکم دے دیا۔بس پھر کیا تھا دونوں جانب سے فنِ سپاہ گری اور بہادری کا مظاہرہ ہوا اور کچھ دیر تک اچھی خاصی معرکتہ آرائی ہوتی رہی۔مگر آخر قریش مقابلہ کی تاب نہ لا کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ان کے چوبیس آدمی قتل ہو چکے تھے۔ادھر سے تین صحابہ شہید ہوئے۔آنحضرت ﷺ کو جب اس کی اطلاع ملی تو آپ ﷺ نے فرمایا:''قضاالٰہی اسی طرح تھی''۔

آنحضرت ﷺ اسلامی فوج کا باقی حصہ لے کر سیدھے حرم کعبہ میں تشریف لائے اور بیت اللہ کے دروازے پر پہنچ کر نعرۂ تکبیر بلند کیا۔آپ ﷺ کی اقتداء میں صحابہ کے لشکر نے زور سے اللہ اکبر کہا۔یہ نظارہ دیکھنے والا تھا۔وہ مسلمان جو آج سے آٹھ سال قبل حرم کعبہ میں قدم رکھنے کی جرأت نہ کر سکتے تھے،آج وہ اس جگہ پہنچ کر اس زور سے نعرۂ تکبیر بلند کر رہے تھے کہ تمام مکہ گونج اٹھا۔آنحضرت ﷺ نے حرم کعبہ میں پہنچتے ہی پہلے بیت اللہ کا طواف فرمایا۔پھر کعبہ کے متولی عثمان بن طلحہ سے چابی لے کر خانہ خدا کو بتوں کی آلائش سے پاک کرنا شروع کیا۔آپ ﷺ چھڑی سے بتوں کو گراتے اور ساتھ ساتھ یہ قرآنی آیت پڑھتے جا رہے تھے

قل جاء الحق وزھق الباطل ان الباطل کان زھوقا۔

(سورۃ بنی اسرائیل:82)

اس کے بعد آپ ﷺ مقامِ ابراہیم پر تشریف لے گئے اور وہاں دو رکعت نفل نماز ادا فرمائی۔

خانہ کعبہ اب بتوں سے ہمیشہ کے لیے پاک وصاف ہو چکا تھا۔وہی بت جو قریش کا سب سے بڑا سرمایہ حیات تھے اور جن کی محبت اور عقیدت میں وہ اس قدر غرق تھے کہ اور سب کچھ سننے کے لیے تیار تھے مگر ان کی مذمت گوارا نہ کر سکتے تھے،آج ان کا یہ حال تھا کہ ٹکڑے ٹکڑے ہو کر مٹی میں لت پت ہو رہے تھے۔کسی کا سر نہیں تھا تو کسی کا دھڑ غائب تھا۔غرض کجا یہ کہ ان سے حاجات مانگی جاتی تھیں۔ان پر چڑھاوے چڑھائے جاتے تھے اور ان کے آگے منتیں مانی جاتی تھیں اور کجا ان کا یہ حال ہو چکا تھا کہ صحابہ انہیں اپنے پاؤں تلے روندتے جا رہے تھے اور کفار کی مجال نہ تھی کہ اف بھی کر سکیں۔روایت میں آتا ہے کہ جب

آپ ﷺ نے اپنی لاٹھی سے سب سے بڑے بت 'ھبل' کو گرایا تو ایک صحابی نے ابوسفیان کی طرف دیکھا اور کہا کہ: ''ابوسفیان! یہ وہی 'ھبل' ہے نا، جس کا نعرہ تم نے احد کی جنگ میں بلند کیا تھا اور کہا تھا 'اعلی ھبل!' (یعنی ھبل زندہ باد)۔ آج دیکھتے ہو اس کی کیا حالت ہوئی پڑی ہے''۔ ابوسفیان کھسیانا ہو کر بولا: ''بھائی اب جانے بھی دو یہ باتیں۔ اگر محمد ﷺ کے خدا کے سوا کوئی اور خدا ہوتا تو آج جو ہم حالت دیکھ رہے ہیں، وہ کبھی نہ ہوتی''۔

اس مہم سے فارغ ہو کر آنحضرت ﷺ بیت اللہ کے دروازے پر کھڑے ہو گئے اور خطبہ پڑھا۔ یہ خطبہ کیا تھا۔ ایک درسِ توحید تھا۔ حرمتِ کعبہ اور وحدت نسلِ انسانی کے مضامین پر مشتمل ایک تاریخ ساز اعلان تھا۔ اور جب دس ہزار صحابہ ہمہ تن گوش ہو کر کھڑے آپ ﷺ کا خطبہ سن رہے تھے، دوسری طرف ان کے سامنے سردارانِ قریش سر جھکائے کھڑے تھے۔ یہ ایک دیکھنے والا منظر تھا۔ ان سردار قریش میں وہ بھی تھے جو کسی کو خاطر میں نہ لاتے تھے۔ ان میں قاتل بھی تھے۔ ان میں مفسد اور جلاد بھی تھے اور ان میں وہ بھی تھے جنہوں نے نہتے اور بے بس مسلمانوں پر ظلم وستم کی برچھائیاں برسائی تھیں۔ وہ بھی تھے جنہوں نے عورتوں کی شرمگاہوں میں نیزے مار کر انہیں شہید کر دیا تھا اور وہ بھی تھے جنہوں نے بے کس اور بے بس مسلمانوں کو جلتے کوئلوں پر لٹا کر اپنے دل کی آگ ٹھنڈی کی تھی۔ وہ اس انتظار میں تھے کہ دربارِ نبوی سے ان کے لیے کیا حکم صادر ہوتا ہے۔ لیکن خطبہ سے فارغ ہو کر اس رحمتِ مجسم نے ان سردارانِ قریش سے مخاطب ہو کر فرمایا:

''اے قریش! اب تم ہی بتاؤ کہ تمہارے ساتھ کیا سلوک کیا جائے''۔

اس کے جواب میں قریش کے منہ سے نکلا تو صرف یہ جملہ نکلا کہ:

''ہم آپ ﷺ سے بھلائی کی توقع رکھتے ہیں۔ کیونکہ آپ ﷺ ہمارے بزرگ بھائی اور بزرگ بھائی کے بیٹے ہیں''۔

آپ ﷺ نے یہ جواب سن کر فرمایا:

''اچھا! تو میں بھی تم سے وہی کہتا ہوں جو میرے بھائی یوسف نے اپنے بھائیوں سے کہا تھا کہ لا تثریب علیکم الیوم آج کے دن تم پر کوئی گرفت نہیں۔ پھر فرمایا: ''اذھبوا فانتم الطلقاء ۔ جاؤ تم سب کے سب آزاد ہو''۔

کفار کا یہ سننا تھا کہ مارے خوشی کے انکی باچھیں کھل گئیں اور انکی انکھوں میں آنسو اُمڈ آئے اور ہر طرف سے مرحباً مرحباً کی صدا بلند ہونے لگی۔

اخلاقِ محمدی کا یہ نمونہ ایسا نہیں تھا جو دلوں پر اثر نہ کرتا۔ چنانچہ اس نے بالفعل جادو کا سا کام کیا۔ برسوں کے بغض اور کینے ایک دم سے زائل ہو گئے۔ دلوں کی کدورتیں اور عداوتیں آن کی آن میں دور ہو گئیں اور اب ان کی جگہ محبت اور عقیدت کے سوتے پھوٹ پڑے۔ خدا کا وہ رسول جس کے لیئے چند ہی لمحے بیشتر انکی تلواروں سے خون ٹپک رہا تھا، اب انکے جسم کا ذرہ ذرہ اس کے لیے نثار ہو رہا تھا۔ انکی زبانوں سے بے ساختہ لا الہٰ الا اللہ محمد رسول اللہ کی صدائیں بلند ہو رہی تھیں۔ اسی اثنا میں ظہر کا وقت آن پہنچا۔ آنحضرت ﷺ نے حضرت بلال کو ارشاد فرمایا کہ کعبہ کی چھت پر چڑھ کر اذان دو۔ کیا کوئی اندازہ کر سکتا ہے کہ کتنا سوز ہو گا ان کلماتِ شہادت میں جو اس حبشی غلام نے اس وقت بلند کیے اور اس فضا میں بلند کیے جس کے اندر چند سال قبل وہی کلمات دہرانے کی پاداش میں اس کی ننگی پیٹھ کے اوپر کوڑے برسائے گئے تھے۔

نماز سے فارغ ہونے کے بعد آپ ﷺ صفا پہاڑی پر تشریف لے گئے اور ایک بلند جگہ پر بیٹھ کر آپ ﷺ نے پہلے مردوں کی بیعت لی اور پھر عورتوں کی۔ یہ ایک عجیب نظارہ تھا جو دنیا نے اسلام سے باہر اور کہیں نہیں دیکھا تھا یعنی ایک قوم کی قوم بھیانک جرموں کا ارتکاب کرتی ہے۔ بادشاہِ وقت اس جرم کی سزا دینے کے لیے ان پر فوج کشی کرتا ہے اور اپنی قوت اور طاقت کے بل پر ان پر غلبہ پا لیتا ہے اور جب سزا کا وقت آتا ہے تو وہ ان کی جھولیاں زر وجواہر سے بھر دیتا ہے اور انہیں اپنی رحمت اور شفقت سے نوازتا ہے۔ کیا اس سے بڑا محسنِ انسانیت کبھی دنیا میں پیدا ہوا ہوگا۔ ہرگز نہیں۔

بیعت کے ضمن میں ایک واقعہ کا بیان دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ وہ یہ ہے کہ جب آپ ﷺ عورتوں کی بیعت لے رہے تھے تو ابوسفیان کی بیوی ہندہ جس کے بارے میں قتل کا حکم صادر ہو چکا تھا۔ یہ ان سات اشخاص میں سے ایک تھی، جو آنحضور ﷺ کی عام معافی کے اعلان سے مستثنٰی کیے گئے تھے اور جن کے متعلق پہلے سے اعلان کیا جا چکا تھا کہ وہ جہاں ملیں، قتل کئے جائیں۔ وہ بھی چھپتی چھپاتی عورتوں میں جا کر بیٹھ گئی اور بیعت میں شامل ہو گئی۔ جب آنحضرت ﷺ بیعت کے کلمات دہراتے ہوئے ان الفاظ پر پہنچے کہ اقرار

کرو، ہم شرک نہیں کریں گی، تو ہندہ اپنی جوشیلی طبیعت کی وجہ سے فوراً بول اٹھی کہ: ''یا رسول اللہ ﷺ! کیا اب بھی ہم شرک کریں گی۔ آپ ﷺ اکیلے تھے اور ہم ایک قوم تھے۔ سارا عرب ہمارے ساتھ تھا۔ مگر آپ ﷺ اکیلے ہو کر جیت گئے اور ہم ہار گئے۔ ہمارا جتھہ، ہماری طاقت اور ہمارے بت ہمارے کسی کام نہ آئے اور آپ ﷺ کا ایک خدا ہم سب پر غالب آ گیا۔ اتنا بڑا نشان دیکھنے کے بعد کیا اب بھی ہم خدا کے سوا کسی اور کو معبود تسلیم کریں گے''۔ جب آنحضرت ﷺ نے ہندہ کی آواز سنی تو پہچان گئے۔ فرمایا: ''ہندہ ہو؟'' وہ بولی: ''ہاں یا رسول اللہ!۔ لیکن اب تو میں مسلمان ہو چکی ہوں اور خدا تعالیٰ کی حفاظت میں آ گئی ہوں۔ اب آپ ﷺ مجھے کچھ نہیں کہہ سکتے''۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ہندہ! تم ٹھیک کہہ رہی ہو''۔ اور اس کو معاف فرما دیا۔

جیسا کہ اوپر بتایا گیا ہے، آنحضرت ﷺ کی طرف سے جاری ہونے والے عام معافی کے اعلان سے سات ایسے اشخاص کو مستثنیٰ کیا گیا تھا، جنہوں نے خاص جرائم کا ارتکاب کیا تھا مگر آپ ﷺ کی شانِ رحیمی اور جذبہ عفو درگزر دیکھیے کہ ان کو بھی ان کے اپنے یا کسی عزیز کی طرف سے معافی مانگنے پر معاف کر دیا گیا۔ نہ صرف معاف کیا گیا بلکہ ان کی خاص رنگ میں دلجوئی بھی فرمائی گئی، ان میں سے سب سے اول، قابلِ ذکر عکرمہ بن ابی جہل اور صفوان بن امیہ ہیں۔ یہ دونوں مکہ کے بڑے رؤساء میں شمار ہوتے تھے اور یہ وہ تھے جو کہ عین اس دن جب کہ لشکرِ اسلام مکہ میں داخل ہو رہا تھا، مسلمانوں کی پناہ میں آنے کی بجائے ان سے جنگ پر آمادہ ہو گئے تھے جس کے نتیجے میں تین صحابہ شہید ہو گئے، بلکہ بنو خزاعہ پر حملے اور معاہدہ حدیبیہ کی خلاف ورزی کے بھی یہی دونوں رؤساء مرتکب ہوئے تھے۔ چنانچہ ان کے لیے حکم صادر ہو چکا تھا کہ جہاں بھی پائے جائیں، قتل کر دیئے جائیں۔

اب ان کی معافی کا حال بھی سننے سے تعلق رکھتا ہے۔ مکہ فتح ہو جانے پر عکرمہ اپنی جان بچا کر حبشہ کی طرف بھاگ نکلا۔ اس کی بیوی کو جب یہ پتہ چلا (اس کی بیوی فتح مکہ سے بھی پہلے پوشیدہ طور پر مسلمان ہو چکی تھی) تو وہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کرنے لگی کہ ''یا رسول.... ! عکرمہ تو حبشہ کی طرف بھاگ گیا ہے اور اس طرح سے اگر اسے

نظم

راجا عبدالرحیم لندن



مسیح کو ہی مہدی پکارا خدا نے
غلام اک چنا مصطفیٰ کا خدا نے
ہو تا ہے بندوں سے وہ ہم کلام
ورثہ یہ مومن کو بخشا خدا نے
شریعہ آخری ہے یہ اعلیٰ و اکمل
لکھا مصطفیٰ کا نصیبا خدا نے
یہ جو لگتا نیا سا ہے دینِ محمدؐ
مہدی کے ہاتھوں سنوارا خدا نے
تقویٰ سے آنکھیں ذرا اپنی کھولو
اُمت میں مہدی اُتارا خدا نے
فرمان نبی کا ہے امت کو پیارو
کرو بیعت جس کو بھیجا خدا نے

ہدایت ملنی ہے تب بھی نہیں ملے گی اور وہ اپنے آپ کو برباد کر لے گا۔ اگر آپ ﷺ اسے معاف فرما دیں تو ہو سکتا ہے وہ میرے پاس رہے اور ہدایت پا جائے''۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ٹھیک ہے۔ اگر وہ واپس آ جائے تو ہم اسے کچھ نہیں کہیں گے''۔ اس پر عکرمہ کی بیوی بہت خوش ہوئی اور اسکی تلاش میں نکل کھڑی ہوئی۔ جب وہ ساحلِ سمندر پر پہنچی تو اسے معلوم ہوا کہ عکرمہ حبشہ کی طرف جانے والی کشتی میں سوار ہوتے ہوتے رہ گیا ہے۔ اس کے دوسرے ساتھی سوار ہو کر چلے گئے تھے۔ عکرمہ نے بیوی کو دیکھا تو بہت متعجب ہوا اور پوچھنے لگا: ''تم یہاں کیسے آئی ہو؟'' وہ بولی: ''میں تیرے پیچھے ماری ماری پھر رہی ہوں اور کہاں آئی ہوں۔ کیا یہ بہتر نہیں کہ تو غیر عرب کی غلامی میں رہنے کی بجائے اپنے ہی ملک میں رہتے ہوئے عرب بھائیوں کی غلامی اختیار کر لے''۔ عکرمہ کہنے لگا: ''لیکن میرے لیے تو قتل کا حکم جاری ہو چکا ہے۔'' اس کی بیوی نے کہا: ''میں تیرے لیے آنحضرت ﷺ سے معافی کا پروانہ لے کر آئی ہوں۔'' عکرمہ حیران ہو کر بولا، ''مگر میں نے تو مسلمانوں کا اس قدر خون بہایا ہے، مجھے معافی کیسے مل سکتی ہے''۔ بیوی نے کہا، ''اگر تجھے یقین نہیں آتا تو چل کر خود دیکھ لے''۔ عکرمہ کو پھر بھی یقین نہ آیا مگر آخر بیوی کے اصرار

کرنے اوراس کے بار باریقین دلانے پر وہ اس کے ساتھ ہولیا۔مکہ پہنچ کر وہ سیدھا آنحضرت ﷺ کے پاس پہنچا اور کہنے لگا:

''میری بیوی کہتی ہے کہ آپ ﷺ نے میری قتل کی سزا واپس لے لی ہے۔کیا یہ درست ہے؟''

آپ ﷺ نے فرمایا:''ہاں درست ہے''۔عکرمہ نے کہا:''کیا اگر میں اپنے مذہب پر ہی رہوں، پھر بھی قابلِ معافی سمجھا جاؤں گا'' آپ ﷺ نے فرمایا:''ہاں۔بے شک،تم اپنے مذہب پر ہی رہو''۔

یہ سنتے ہی عکرمہ نے کلمہ پڑھ دیا اور کہنے لگا:''یا رسول...! میں آپ ﷺ پر ایمان لاتا ہوں، کیونکہ میں سمجھتا ہوں کہ ایک قاتل اور پرلے درجہ کے دشمنِ اسلام شخص کو غیر مشروط معافی سوائے خدا تعالیٰ کے نبی کے اور کوئی نہیں دے سکتا''۔

آنحضرت ﷺ بھی عکرمہ کے ایمان لانے پر بہت خوش ہوئے اور فرمانے لگے،''عکرمہ!تم جو کچھ مانگنا چاہتے ہو، مانگ لو''۔مگر عکرمہ، جواب دل وجان سے آپ ﷺ پر فدا ہو چکا تھا، بولا:''یا رسول اللہ ﷺ! مجھے دنیا میں اب کسی چیز کی حاجت نہیں رہی۔آپ ﷺ میرے لیے خدا تعالیٰ سے صرف یہ دعا کریں کہ وہ میری خطائیں معاف فرمادے''۔

دوسرا شخص یعنی صفوان بن امیہ اپنے چچازاد بھائی عمیر بن وھب کے اس کے لئے معافی کی درخواست کرنے پر قتل کی سزا سے معاف کیا گیا۔آنحضرت ﷺ نے اسکے لئے اتنی شفقت فرمائی کہ اسکے لئے اپنا عمامہ بجھوایا۔

تیسرا شخص جس کے قتل کا حکم صادر کیا گیا تھا،ابن کلثوم تھا۔یہ ایک بڑے شاعر کا بیٹا تھا اور خود بھی بڑا اچھا شاعر تھا۔یہ شام کی طرف بھاگا اور وہاں جا کر پناہ لی۔وہاں دھکے کھا رہا تھا کہ اسے لوگوں نے کہا،

''تو اپنے محسن کو چھوڑ کر یہاں کیوں اپنی زندگی خراب کر رہا ہے، جا کر معافی مانگ لے''۔اس نے جواب دیا،''میں کس طرح معافی مانگوں، میرے لیے تو یہ حکم جاری ہوا ہے کہ جہاں بھی پایا جاؤں، قتل کر دیا جاؤں''۔انہوں نے اسے مشورہ دیا کہ تم ذہین آدمی ہو۔بھیس بدل کر کسی نہ کسی طرح مدینہ پہنچ جاؤ۔کیونکہ وہ جانتے تھے کہ آنحضرت ﷺ پہلے بھی دوسرے واجب القتل لوگوں کو معاف فرما چکے ہیں،اس لیے انہوں نے مشورہ دیا کہ بھیس بدل کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو جاؤ۔اس نے ایسا ہی کیا اور جاتے ہی عرض کیا کہ:''یا رسول اللہ ﷺ! میں آپ ﷺ کی خدمت میں کچھ شعر لکھ کر لایا ہوں۔اجازت ہو تو سناؤں''۔

آپ ﷺ نے اجازت مرحمت فرمائی تو اس نے عرب کے عام معروف دستور، کہ وہ پہلے اپنی محبوبہ یا اونٹنی کا ذکر کرتے تھے، سے ہٹ کر پہلے آنحضرت ﷺ کی مدح میں شعر کہنے شروع کر دیے اور یوں شروع کیا،''آپ جود وسخا کا سمندر ہیں۔لوگ مجھے کہتے تھے کہ اے ابنِ کلثوم! تو اپنے آپ کو شیر کی غار میں ڈال رہا ہے، مگر میں نے انہیں کہا۔جانے دو۔رسول اللہ تو معاف کرنے والے انسان ہیں...وغیرہ''(ترجمہ)

ابھی اس نے اتنے شعر کہے تھے کہ صحابہ یہ سمجھ گئے کہ یہ ان سات اشخاص میں سے ہے جن کے قتل کا حکم دیا گیا تھا، مگر سب آنحضرت ﷺ کے ادب کی وجہ سے خاموش رہے۔پھر اس نے یہ شعر پڑھا:

ان الرسول لسیف یستضاء بہٖ

مھند من سیوف اللہ مسلول

یعنی محمد الرسول اللہ ﷺ ایک ہندی تلوار کی مانند ہیں اور اللہ کی تلواروں میں سے ایک ایسی تلوار ہیں جو بجائے کاٹنے کے روشنی عطا کرتی ہے۔آخر پر اس نے قرآن کریم کی تعریف میں کچھ اشعار پڑھے۔

اس کے اس طرح سے اشعار پڑھنے کا وہی نتیجہ نکلا جس کی اس پیکرِ رحمت سے توقع کی جاتی تھی، یعنی آپ ﷺ نے نہ صرف اسے معاف فرمایا بلکہ اپنی چادر اتاری اور اس کے اوپر ڈال دی۔یہ تھی آپ ﷺ کی شانِ کریمی!

لیا ظلم کا عفو سے انتقام علیک الصلوٰۃ علیک السلام

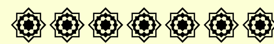
ہندہ، ابوسفیان، رئیسِ مکہ کی بیوی کے متعلق بتایا جا چکا ہے کہ وہ بھی ان سات اشخاص میں سے ایک تھی جن کے قتل کا حکم جاری ہو چکا تھا۔مگر وہ عورتوں کی بیعت کے وقت ان کے اندر چھپ کر بیٹھ گئی اور کلمہ شہادت پڑھ لیا۔اور جب آنحضرت ﷺ کو اس کی موجودگی کا علم ہوا تو کس قدر جرأت سے اس نے کہا کہ''یا رسول اللہ ﷺ! اب تو میں اللہ کی پناہ میں آ گئی ہوں، اب آپ ﷺ مجھے کچھ نہیں کہہ سکتے''۔یہاں اگر کوئی دنیوی حاکم ہوتا تو ایسی مجرم اور قاتل عورت کے پتہ چل جانے پر اسے کہتا کہ اچھا تم اس طرح دھوکہ دے کر

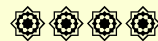
جان بچانا چاہتی ہو۔تم جاتی کہاں ہو اور پھر اپنے سپاہیوں کو حکم دیتا کہ پکڑو اس مکار عورت کو اور اس کا سرتن سے جدا کر دو۔مگر یہاں تو خدا کا پیغمبر تھا۔جو سراسر پیکرِ رحمت بنا کر بھیجا گیا تھا۔وہ نہ صرف خود اعلٰی اخلاق کا مالک تھا بلکہ دنیا کو حسنِ اخلاق کی تعلیم دینے آیا تھا۔ہندہ کلمہ پڑھ چکی تھی اور یوں وہ خدا کی امان میں آ چکی تھی۔چنانچہ اس مجسمِ رحمت نے اسے ہمیشہ کے لیے معاف فرما دیا۔ اللھم صل علٰی محمد و علٰی آل محمد۔

ان چار اشخاص کی معافیاں تو تاریخ سے ثابت ہیں۔البتہ دوسرے تین اشخاص کے متعلق بھی تاریخ سے ثابت نہیں ہوتا کہ ان کو قتل کیا گیا ہو۔غالب گمان یہی ہے کہ وہ ملکِ عرب چھوڑ کر کسی اور ملک میں چلے گئے ہوں گے اور گمنامی کی زندگی گزارنے کے بعد راہی ملک عدم ہو گئے ہوں گے۔واللہ اعلم۔

صلح حدیبیہ کے ذریعہ آنحضرت ﷺ کی سیرت کے حوالہ سے بالآخر انسان یہ تسلیم کئے بنا نہیں رہ سکتا کہ اسلام کی یہ فلاسفی نہایت سچی اور حقیقت پر مشتمل ہے کہ الٰہی سلسلوں میں فتوحات کی پیدائش دراصل ابتلاؤں کی کوکھ سے ہی ہوتی ہے۔لیکن اس کیلئے شرط یہ ہے کہ انسان اطاعت کے دامن کو اپنے ہاتھ سے نہ چھوڑے۔

صلح حدیبیہ جس کی شرائط جلیل القدر صحابہ کرام کیلئے بھی نہایت گراں تھی اور اس موقعہ پر تمام مسلمان ایک شدید ابتلاء میں گھرے ہوئے تھے۔جب انہوں نے ابتلاؤں سے گھرے ہوئے خوفناک و کربناک ماحول میں آنحضرت ﷺ کی اطاعت کو اپنا شعار بنایا تو نہایت ہی تھوڑے عرصہ میں دعوت اسلام کی برکت سے نہ صرف اردگرد کے بادشاہان تک اسلام کا پیغام پہنچا یا بلکہ پندرہ صد سے بڑھ کر دس ہزار کی تعداد میں وہ فاتحانہ شان کے ساتھ توحید کے مرکز خانہ کعبہ تک پہنچے اور اسلام کی محبت کی اور آنحضرت ﷺ کی رحمت کی تلوار لہرا کر وہاں کے تمام مسلمانوں کی گردنیں توحید کے پرچم تلے جھکا دیں۔خلاصہ یہ کہ صلح حدیبیہ کے ذریعہ آنحضرت ﷺ کی عظیم الشان سیرت صداقت اسلام کا منہ بولتا ثبوت ہے۔







شرائطِ بیعت جماعتِ احمدیہ

ڈاکٹر طارق انور باجوہ۔لندن

عہدِ بیعت، آج کرتا ہوں مسیحِ پاک سے
شرک سے بچتا رہوں، جب تک ملوں میں خاک سے
جھوٹ بد نظری زنا،سب دور ہوں فسق و فجور
اور خیانت ظلم سے پرہیز رکھنا ہے ضرور
میں بغاوت اور فسادوں سے رہوں گا بچ کے اب
جوشِ نفسانی مجھے مغلوب کر پائے نہ اب
اب نمازِ پنج وقتہ کا رہے گا التزام
اور تہجّد کا عموماً میں کروں گا اہتمام
ساتھ اِستِغفار کے بھیجا کروں گا میں درود
یاد احسانوں کو کر کے شکر کے ہوں گے سجود
سب مسلماں اور انساں مجھ سے ہوں محفوظ اب
میرے ہاتھوں سے،زباں سے امن ہی پائیں وہ سب
میں رہوں راضی ہمیشہ رنج ہو راحت مجھے
عسر ہو یا یسر، تنگی ہو یا آسائش مجھے
ابتلا کوئی ہو پھر بھی میرا پیار اس سے بڑھ ہے
میری سب امیّد اپنے رب سے وابستہ رہے
میرا سب احکامِ قرآں پر عمل ہو جائے گا
اور سنّت پر محمّد کی قدم ہو پائے گا
چھوڑ دوں گا دیں کی خاطر سب تکبّر اور غرور
عاجزی سے اور خوش خُلقی سے پیش آؤں حضور
جان، دولت،عزت و اولاد سب دِیں پر فدا
ہو گی چاہت، عزّتِ اسلام کی بے انتہا
دیں کو دنیا پرمقدّم کر کے میں دکھلاؤں گا
خدمتِ انسان میں، آگے قدم بڑھاؤں گا
اک وفاداری مسیحِ پاک کی مطلوب ہو
میرے ہر رشتے سے بڑھ کر وہ مجھے محبوب ہو



برکاتِ خلافت اور ہماری زمہ داریاں

صفدر نذیر گولیکی



ابتدائیہ

خدا کا لاکھ لاکھ نہیں بلکہ کروڑ کروڑ شکر جس نے ہمیں خلافت حقہ جیسی عظیم نعمت عطا فرمائی اور پھر اس کے سایہ عاطفت میں اپنے گنتی کے دن امن وسلامتی صلح وآشتی کے ساتھ گزارنے کی توفیق عطا فرماتا چلا جارہا ہے۔ صد سالہ خلافت جوبلی کے ان بابرکت ایام میں اگر اس نعمت عظمیٰ کو نہ گنا جائے تو اور کیا کیا جائے۔ لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ ''مبارک صد مبارک'' دنیا کے ہر احمدی کو یہ دن بہت بہت مبارک ہوں۔ آمین۔ خاکسار نے برکات خلافت کے ساتھ اپنی ذمہ داریوں کو احسن رنگ میں نبھانے کے لئے کچھ حوالے بھی شامل کر دیئے ہیں تاکہ یہ برکات تاقیامت جاری وساری رہیں اور ہم نسل درنسل اپنی ذمہ داریوں کو ادا کرتے ہوئے ان برکات سے متمتع ہوتے چلے جائیں۔ آمین۔ خلافت احمدیہ کا ادنیٰ غلام صفدر نذیر گولیکی مربی سلسلہ شعبہ احتساب امور عامہ ربوہ

تحدیث نعمت

خاکسار نے 1974ء میں میٹرک کا امتحان پاس کیا اور وقف ہوکر جامعہ احمدیہ میں داخل ہوا۔ مجھ سے پہلے میرے بڑے بھائی نصیر احمد خیال مرحوم وقف تھے۔ وہ میٹرک کا امتحان 1969ء میں دے چکے تھے اور گرمیوں کی تعطیلات تھیں کہ اچانک ہیضہ ہوا اور دنیا سے رخصت ہو گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اس کے بعد والد محترم بزرگوارم چوہدری نذیر گولیکی (واقف زندگی سیکرٹری گندم کمیٹی جلسہ سالانہ ربوہ) نے مجھے جب میں چھٹی کلاس میں خانیوال میں تھا فرمایا! کہ اب آپ وقف زندگی ہیں۔ آمنا وصدقنا۔ چنانچہ 1974ء سے 1981ء تک 7 سال جامعہ احمدیہ میں پڑھنے کے بعد شاہد کی ڈگری حاصل کی۔ اس دوران خلافتِ ثالثہ کا دور تھا جو بہت ہی بابرکت تھا۔ حضور انور سے ملاقات قریباً ہر جمعہ کو ہوتی۔ 9 سال تک پہرہ کی ڈیوٹی دینے کا موقع ملا۔ الحمدللہ۔ انفرادی، اجتماعی ملاقاتیں ہوتی اور روحانی تشنگی دور ہوتی رہتی۔ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کے ساتھ تعلق خلافت سے پہلے ہی تھا۔ طاہر کبڈی ٹورنامنٹ، طاہر گھوڑ دوڑ، ناصر باسکٹ بال کی گیمیں ہوتیں تو ڈیوٹی لگتی اور حضور سے ملاقات ہوتی۔ پھر جب میں مرید کے میں متعین ہوا تو حضرت مرزا طاہر احمدؒ دورہ پر آئے تو پھر مزید دوستی ہوگئی۔ 1982ء میں جب خاکسار کی شادی ہوئی تو حضور انور کو ملنے گیا۔ حضور انور نے واپسی پر 200 روپے، سوسو کے نوٹ عطا فرمائے جو اس بات کی علامت تھی کہ رزق میں کمی نہ ہوگی۔ خدا نے ایسا فضل کیا کہ میں اس کے فضلوں کا شمار نہیں کر سکتا۔ الحمدللہ 1985ء لندن میں پہلا جلسہ سالانہ حضور کی موجودگی میں ہو رہا تھا مجھے بھی سعادت نصیب ہوئی کہ اس جلسہ میں شامل ہوں۔ حضور انور نے نصف کرایہ آمد ورفت عطا فرمایا اور 3 ماہ اپنے پاس لندن رکھا اور خوب محبت وشفقت کے پھول برسائے۔ 1989ء جماعت احمدیہ کی صد سالہ جوبلی کا سال تھا اس میں بھی شرکت کا موقع ملا۔ خلافت کی برکت اور فیض سے بیرون ملک تبلیغ اسلام کرنے کا بھی موقعہ ملا۔ 1988ء تا 1996ء 8 سال امیر ہائے جماعت احمدیہ ریپبلک آف بینن، ٹوگو، نائیجیر، کیمرون میں کام کرنے کا موقعہ ملا اور حضور کی عنایت کی بارشیں برستی رہیں۔ وقف نو تحریک کا آغاز ہوا تو میں نے اپنی کیفیت بھی لکھی حضور نے دعا کی۔ اللہ تعالیٰ نے پہلی بیٹی کے 13 سال بعد دو اور بیٹیاں عطا فرمادیں۔ الحمدللہ علیٰ ذالک۔

1996ء میں جرمنی میں جلسہ میں شامل ہوا تو حضور انور نے ارشاد فرمایا کہ کچھ عرصہ ادھر رہ کر تبلیغ کرو۔ چنانچہ 38 شہروں میں 5 ماہ کے دوران 412 بیتیں افریقین دوستوں کی حاصل ہوئیں۔ الحمدللہ یہ سب فرانسیسی بولنے والے ملکوں سے تعلق رکھنے والے دوست تھے۔ الحمدللہ۔ خلافت کی برکات لمحہ بہ لمحہ ہر گھر کے فرد پر تیزی سے نازل ہو رہی ہیں اسے احاطہ نہیں کر سکتے۔ رَبِّ

اَوۡزِعۡنِیۡۤ اَنۡ اَشۡکُرَ نِعۡمَتَکَ الَّتِیۡۤ اَنۡعَمۡتَ عَلَیَّ۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ خلافت سے وابستہ رہنے اور اس کے فیوض و برکات حاصل کرنے، انجام بخیر ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین۔ خلافت احمدیہ کا ادنیٰ غلام صفدر نذیر گولیکی مربی سلسلہ شعبہ احتساب امور عامہ ربوہ۔

پہلی برکت:

قرآن کریم میں بیان شدہ خلافت کی برکات میں سے ایک برکت یہ ہے کہ اس کے ذریعہ دین کو تمکنت اور مضبوطی اور استحکام نصیب ہوتا ہے اس کے امور دینیہ کی انجام دہی اور تبلیغ رسالت کا کام بطریق احسن انجام پاتا ہے۔ انبیاء تو تخم ریزی کر کے دنیا سے رخصت ہو جاتے ہیں خلفاء اس کی آبیاری کرتے ہیں اور انبیاء کا لگایا ہوا پودا تن آور ہوتا ہے اور خطرات سے محفوظ ہو جاتا ہے۔ نبی کے وصال کے بعد شریعت پر عمل کرنے پر جو کمزوری پیدا ہو جاتی ہے خلافت اس کو دور کرتی ہے۔ اس کے ذریعہ تمام شکوک و شبہات کا ازالہ کیا جاتا ہے جن کی وجہ سے دین کمزور ہونے کی بجائے اور مضبوط ہو جاتا ہے۔ سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل (اللہ آپ سے راضی ہو) خدا تعالیٰ کے مقرر کردہ خلیفہ کی شناخت کی علامت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ ”ایک تو یہ نشان ہے کہ وہ بھولی بسری متاع جس کو خدا تعالیٰ پسند کرتا ہے اس سے لوگ آگاہ ہوں اور غلطی سے چونک اٹھیں اور اسے چھوڑ دیں اس کو پورا کرنے کے لئے اس کو طاقت دی جاتی ہے۔ اس قسم کی بہادری اور نصرت عطا ہوتی ہے اس بات کو قائم کرنے کے لئے جس کے لئے اس کو بھیجا قسم قسم کی نصرتیں ہوتی ہیں کوئی ارادہ اور سچا جوش پیدا نہیں ہوتا جب تک خدا تعالیٰ کی مدد کا ہاتھ ساتھ نہ ہو۔“

(الحکم 03مارچ 1899ء)

ایک اور موقع پر بیان فرماتے ہیں۔ ”یہ بھی ایک سنت اللہ چلی آتی ہے کہ خلفاء پر مطاعن ہوتے ہیں آدمؑ پر بھی مطاعن کرنے والی خبیث روح کی ذریعت بھی اب تک موجود ہے۔۔۔۔۔ مگر اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ان کو تمکنت دیتا ہے اور خوف کو امن سے بدل دیتا ہے۔“

(الحکم 05مئی 1899ء)

دوسری برکت:

خلافت کی قرآن کریم نے یہ تعریف بیان فرمائی ہے کہ خدا تعالیٰ نہ صرف اس کے نبی کی وفات کے بعد پیدا ہونے والے خوفوں کو دور کر دیتا ہے بلکہ آئندہ پیدا ہونے والے خوفوں کو مومنوں کی جماعت سے دور رکھتا ہے اور محفوظ رکھتا ہے۔ اگر خلافت نہ ہوتی تو نبی کا کام ختم ہو جاتا اور اللہ تعالیٰ کو یہ بات پسند نہیں۔ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل (اللہ آپ سے راضی ہو) نے بھی خلافت کی برکت کے اس پہلو پر روشنی ڈالی۔ آپ فرماتے ہیں ”بڑی بڑی مشکلات آتی ہیں اور ڈرانے والی چیزیں آتی ہیں مگر اللہ تعالیٰ ان سب خوفوں اور خطرات کو امن سے بدل دیتا ہے اور دور کر دیتا ہے۔“ (الحکم 03مارچ 1899ء) وَلَیُبَدِّلَنَّھُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ خَوۡفِھِمۡ اَمۡنًا۔ ان کو مشکلات بھی پیش آئیں گی لیکن اللہ تعالیٰ ان کی پناہ ہوگا۔ ان پر خوف بھی آوے گا لیکن وہ خوف امن سے بدل جاوے گا۔ (الحکم 24جنوری 1904ء) (تفسیر سورہ النور) جب کسی قسم کی بدامنی پھیلے تو اللہ تعالیٰ ان کے لئے امن کی راہیں نکال دیتا ہے۔ سیدنا حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا، کیسا خوف پیدا ہوا کہ عرب مرتد ہو گئے مگر سب خوف جاتا رہا۔ (الحکم 03مارچ 1899ء)

تیسری برکت:

خلافت کے ذریعہ قومی طاقت یکجا ہوتی ہے اس کی انرجی منتشر ہونے سے محفوظ رہتی ہے اور تھوڑی سی طاقت سے بہت سے کام نکل آتے ہیں کیونکہ طاقت کا کوئی حصہ ضائع نہیں ہوتا۔ اگر خلافت نہ ہوتی تو بعض کاموں پر بے تحاشا خرچ ہوتا اور بعض کام توجہ بغیر رہ جاتے ہیں۔ پس خلافت کے ذریعے قوم ترقی کی راہوں پر گامزن ہو جاتی ہے اور ناکامی اور نامرادی سے محفوظ رہتی ہے۔ خلفاء حضرت مسیح موعود نے جو اہم فیصلے کئے جو اس بات کی ضمانت ہیں کہ بر وقت عظیم الشان فیصلوں نے جماعت احمدیہ کو چار چاند لگا دیئے ہیں۔ مسلمانوں کی ترقی اور عروج کا دور دراصل وہی تھا جب ان کی زندگی پر اجتماعیت کی رحمت طاری تھی اور جب تشتت اور افتراق نے جگہ لے لی تو اسلامی نظام درہم برہم ہو گیا۔ ایک موقع پر حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ فرماتے ہیں۔ ”جناب الٰہی کا انتخاب بھی ایک انسان ہی ہوتا ہے اس کو کوئی ناکامی پیش نہیں آتی وہ جدھر منہ اُٹھاتا ہے اُدھر ہی اس کے واسطے کامیابی کے دروازے کھولے جاتے ہیں اور ماحاصل۔۔۔ نور اور رحمت کہلاتا ہے۔

(الحکم 10فروری 1901ء)

خلافت کے خلاف رشیہ دوانیہ کرنے والوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا
۔''تم کان کھول کر سنو اگر اب اس معاہدہ (بیعت خلافت) کے خلاف کرو گے تو اعقبھم نِفَاقًا فِیْ قُلُوْبِھِم کے مصداق بنو گے۔۔۔تم معاہدہ کا حق ادا کرو پھر دیکھو کس قدر ترقی کرتے اور کیسے کامیاب ہوتے ہو۔''

(بدر 21 اکتوبر 1905ء)

چوتھی برکت:

انبیاء بشر ہونے کی وجہ سے بہر حال موت اور فنا سے محفوظ نہیں ہوتے وہ اللہ تعالیٰ کی تقدیر کے ماتحت ایک عرصہ تک زندہ رہ کر دنیا میں مشن کے قیام کے سلسلہ میں ابتدائی کام کرتے ہیں اور پھر اپنے مولیٰ کے حضور حاضر ہو جاتے ہیں اگر ان کے مشن کو جاری رکھنے کا کوئی انتظام نہ ہو تو پھر ان کی لائی ہوئی تعلیم کی اشاعت تھوڑے ہی عرصہ بعد رک جائے گی اور یہ امر خدا تعالیٰ کو پسند نہیں اس لئے اللہ تعالیٰ نے نبوت کی روحانی روشنی کو دور تک پہنچانے اور دیر تک قائم رکھنے کے لئے خلافت کو قائم کیا ہے۔ انبیاء تخم ریزی کرتے ہیں اور خلفاء اس تخم کی نگہداشت اور آبیاری کرتے ہیں۔اس لئے وہ تخم پودا بنتا ہے، پھر درخت بنتا ہے اور پھر اس کی شاخیں دُور دُور تک پھیل جاتی ہیں۔خلافت ایک ریفلیکٹر ہے جو نورنبوت کو دُور دُور تک پھیلا دیتا ہے۔حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل (اللہ آپ سے راضی ہو) فرماتے ہیں۔''جب کسی قوم کا مورث اوّل اپنا کام پورا کرتا ہے تو اس کے کام کے سرانجام دینے کے واسطے قدرت کا ہاتھ نمودار ہوتا ہے۔جیسا کہ قرآن شریف میں آیا ہے اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ۔اس کا ظہور رسول کریم ﷺ کے زمانہ میں ہو گیا۔مگر آپ ﷺ کے بعد آپ ﷺ کے خلفاء نواب مجددین کے وقت یہ بھی ہوتا رہا سب قدرت ثانیہ کی حد بندی نہی ہو سکتی جب کوئی قوم کسی قدر کمزور ہو جاتی ہے تب ہی اللہ تعالیٰ اپنی مصلحت سے اس کی طاقت کو پورا کرنے کے واسطے قدرت ثانیہ بھیجتا رہتا ہے۔''(بدر 22 مئی 1913ء)

پانچویں برکت:

حضرت مولانا سید محمد اسماعیل صاحب شہید بالاکوٹ فرماتے ہیں۔امامت تامہ کو خلافت راشدہ، خلافتِ علی منہاج النبوۃ اور خلافت رحمت بھی کہتے ہیں۔واضح ہو کہ جب امامت کا چراغ شیشہ خلافت میں جلوہ گر ہوا تو نعمت ربانی بنی نوع انسان کی پرورش کے لئے کمال تک پہنچی اور کمال روحانی اسی رحمتِ ربانی کے کمال کے ساتھ نور علی نور آفتاب کی مانند چمکا۔''(منصب امامت صفحہ 49ء)

چھٹی برکت:

بیت المال کا استحکام۔تمکنت دین کا ایک حد تک بیت المال کے استحکام کے ساتھ بھی تعلق ہے۔چنانچہ اللہ تعالیٰ اپنے قائم کردہ نظام خلافت کو مالی لحاظ سے بڑی برکت بخشتا ہے تا تمکنت دین کی خاطر خلیفہ وقت کو جس قدر اموال کی ضرورت ہو وہ میسر آجائیں۔نظام خلافت کی تاریخ شاہد ہے کہ بعض خلفاء ابتائی مہیب قسم کے مالی خطرات اور دگرگوں حالات میں مسند خلافت پر متمکن ہوئے مگر دیکھتے ہی دیکھتے یہ حالات مالی فروانی اور خوشحالی خلافت سے وابستگی میں ہے۔سیدنا حضرت مسیح موعودؑ کے دوسرے جانشین سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی (نور اللہ مرقدہ) کے عہد خلافت کی ابتداء نہایت شدید قسم کے مالی بحران کی فضا میں ہوئی۔مالی حیثیت رکھنے والے لوگوں نے آپ کی بیعت سے انکار کر دیا اور لاہور چلے آئے اور یہی نہیں بلکہ روانگی کے وقت سارا خزانہ بھی لوٹ کر لے گئے۔حضرت مصلح موعود نے جب حساب کتاب دیکھا تو خزانہ میں صرف سترہ روپے تھے جبکہ سکول کے اساتذہ کی تنخواہوں کے علاوہ کئی سو کا قرض جماعت پر تھا۔ان نامساعد حالات میں آپ نے ہر چہ باداباد کہتے ہوئے خدا کی تھمائی ہوئی خلافت کی بھاگ دوڑ سنبھالی اور خدا تعالیٰ کے فضلوں اور اس کی رحمتوں کی بارش میں اپنے کارواں کو لے کر آگے بڑھنے لگے۔چند سال میں جماعت کی مالی حالت بڑی خوشکن ہو گئی اس کا اندازہ اس بات سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے کہ قرض تو الگ رہے حضور نے اپنی خلافت کے چھٹے سال یعنی 1920ء میں برلن کی مسجد تعمیر کرنے کے لئے جماعت کی خواتین سے ایک لاکھ روپے کا مطالبہ کیا تو جماعت کی خواتین نے صرف ایک ماہ کے اندر اندر یہ خطیر رقم جمع کر کے اپنے آقا کے حضور پیش کر دی۔ایسے ہی ایمان افروز واقعات اور خلافت کی برکات کا ذکر کرتے ہوئے سیدنا حضرت مصلح موعود فرماتے ہیں۔جیسا کہ میں نے بتایا ہے ایک دفعہ میں نے ایک لاکھ روپیہ مانگا تھا لیکن اب میں خدا تعالیٰ سے اربوں روپیہ مانگا کرتا ہوں۔میں سمجھتا ہوں کہ میں نے ایک لاکھ مانگ کر غلطی

کی۔اللہ تعالیٰ نے کہا ہم تیری اس دعا کو قبول نہیں کرتے جس میں تو نے ایک لا کھ مانگا ہے ہم تجھے اس سے بہت زیادہ دیں گے تا کہ سلسلہ کے کام چل سکیں ۔اب اللہ تعالیٰ کے اس انعام کو دیکھ کر میں نے ایک لاکھ مانگا مگر اس نے 22 لاکھ سالا نہ دیا ۔میں سمجھتا ہوں کہ اگر میں ایک کروڑ مانگتا تو 22 کروڑ سالا نہ ملتا۔ایک ارب مانگتا تو 22 ارب سالا نہ ملتا، ایک کھرب مانگتا تو 22 کھرب سالا نہ ملتا اور ایک پدم مانگتا تو 22 پدم سالا نہ ملتا اور اسی طرح ہماری جماعت کی آمد امریکہ اور انگلینڈ دونوں کی مجموعی آمد سے بڑھ جاتی ۔بس خلافت کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے بہت سی برکات وابستہ کی ہوئی ہیں تم ابھی بچے ہو تم تم اپنے باپ دادوں سے پوچھو کہ قادیان کی حیثیت جو شروع زمانہ خلافت میں تھیں وہ کیا تھی اور پھر قادیان کو اللہ تعالیٰ نے کس قدر ترقی بخشی تھی ۔(الفضل 05 ستمبر 1956ء) پس ہم دیکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ خلافت کی برکات سے جماعت احمدیہ کو مالی فراوانی دیتا چلا آیا ہے اور دیتا چلا جا رہا ہے ۔جماعت احمدیہ ک ابجٹ سینکڑوں ہزاروں میں، ہزاروں سے لاکھوں میں اور لاکھوں سے کروڑوں میں اب بفضلہٖ اللہ تعالیٰ اربوں میں جا چکا ہے ۔تحریک جدید کا 2005-06ء کی آمد 38 لاکھ پاؤنڈ تھی ۔یہ صرف ایک تحریک کی آمد ہے جبکہ چندوں کی تعداد 15 سے زائد ہے ۔الحمدللہ علیٰ ذالک جب بھی خلیفہ وقت کسی کام کے لئے مطالبہ کرتے ہیں خواہ فضل عمر فاؤنڈیشن ہو یا مجلس نصرت جہاں کے تحت افریقہ میں علمی طبی امداد کی ضرورت ہو یا صد سالہ خلافت جوبلی کا منصوبہ ہو ۔MTA کا قیام ہو یا مساجد کہ تعمیر ہو غرضیکہ کوئی بھی منصوبہ دین کی اشاعت کی ترقی اور تمکنت کا ہو خلافت کی برکت سے احباب جماعت رقوم دریا کی فراوانی کی طرح بہا دیتے ہیں اور خلیفہ وقت کے قدموں میں ڈھیر کر دیتے ہیں ۔اب صد سالہ خلافت جوبلی کے دن قریب آرہے ہیں 1908-2008ء اس غرض کے لئے جماعت احمدیہ اپنے پیارے امام کے قدموں میں حقیر نذرانہ پیش کرے گی ۔انشاءاللہ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔

ساتویں برکت:

غیر متزلزل ایمان خلافت کی ایک برکت یہ بھی ہے کہ اس کے طفیل مومنوں کو مضبوط چٹانوں جیسا غیر متزلزل ایمان بخشا جاتا ہے وہ کسی قسم کے لالچ میں نہیں آتے وہ کسی کے ورغلائے نہیں پھسلتے ۔05 ستمبر 1956ء کے اخبار الفضل میں ایک واقعہ درج ہے جو اس امر کی سچی تصویر پیش کرتا ہے اور وہ یہ ہے کہ جب 1914ء میں خلافت ثانیہ کا انتخاب ہوا تو پیغامیوں نے اس خیال سے کہ جماعت کے لوگ خلافت کو کسی طرح چھوڑ نہیں سکتے یہ تجویز کیا کہ کوئی اور خلیفہ بنا لیا جائے اور اس کے لئے سیالکوٹ کے ایک صوفی منش دوست میر عابد علی کا انتخاب کیا گیا ۔پیغامیوں کا خیال تھا کہ چونکہ میر صاحب صوفی منش اور عبادت گزار آدمی ہیں اس لئے الوصیت کے مطابق 40 (چالیس) آدمیوں کا ان کی بیعت پر متفق امر نہیں ہے ۔چنانچہ مولوی صدرالدین صاحب اور دوسرے لوگ رات کے وقت ان کے پاس گئے اور اپنے آنے کی غرض بیان کی جس پر وہ آمادہ ہو گئے ۔اس کے بعد وہ پیغامی لے کر ساری رات قادیان میں دو ہزار احمدیوں کے ڈیروں پر پھرتے رہے ۔لیکن چالیس آدمی تو ایک طرف وہ کسی ایک آدمی کو بھی میر صاحب کی بیعت پر آمادہ نہ کر سکے اور جب انہیں میر صاحب کی بیعت کے لئے چالیس آدمی بھی نہ ملے تو وہ مایوس ہو گئے ۔حضرت مصلح موعود نے ان دنوں کا نقشہ کھینچتے ہوئے فرمایا:

''خدا تعالیٰ نے اپنے فضل سے ایک جماعت کو پکڑ کر میرے ہاتھ میں جمع کر دیا تھا جب بڑے بڑے احمدی میرے مخالف ہو گئے تھے اور کہتے تھے کہ اب خلافت ایک بچہ کے ہاتھ آ گئی ہے ۔اس لئے جماعت آج نہیں کل تباہ ہو جائے گی ۔لیکن اس بچہ نے 42 سال پیغامیوں کا مقابلہ کر کے جماعت کو جس مقام تک پہنچایا وہ تمہارے سامنے ہے شروع میں ان لوگوں نے کہا تھا کہ 98 فیصدی احمدی ہمارے ساتھ ہیں لیکن اب وہ دیکھائیں کہ جماعت کا 98 فیصدی ملتان میں ہیں یا لاہور میں ہیں آخر وہ کہاں ہیں کہیں بھی دیکھ لیا جائے ان کے ساتھ جماعت دو فیصدی بھی نہیں نکلے گی ۔''

(الفضل 28 اپریل 1957ء)

آٹھویں برکت:

قرب الٰہی کا حصول: دین کی تمکنت کے لئے ضروری ہے کہ اس کے ماننے والوں کا خدا تعالیٰ کے ساتھ ذاتی تعلق ہو اور ان کو خدا کا خاص قرب حاصل ہو اور یہ امر پیدا ہو ہی نہیں سکتا جب تک خدا تعالیٰ کے خاص قائم کردہ نمائندہ کے

ساتھ تعلق نہ ہو۔خلیفہ وقت زمین پر بعد از نبی اللہ خدا کا نمائندہ ہوتا ہے اور اسے یہ برکت دی جاتی ہے کہ وہ خدا تعالیٰ اور اس کے بندوں کے درمیان را بطہ کا کام کرے اور خدا تعالیٰ تک پہنچنا چاہے۔اس کی راہنمائی کرے۔سیدنا حضرت مسیح موعودؑ کے دوسرے جانشین فرماتے ہیں۔''انبیاء اور خلفاء اللہ تعالیٰ کے قرب کے حصول میں ممد ہوتے ہیں۔جیسے کمزور آدمی پہاڑ کی چڑھائی پر نہیں چڑھ سکتا تو سونٹے یا کھڈ سٹک کا سہارا لے کر چڑھتا ہے اسی طرح انبیاء او رخلفاء لوگوں کے لئے سہارا ہیں وہ دیواریں نہیں جنہوں نے الٰہی قرب کے را ستوں کو روک رکھا ہے بلکہ وہ سونٹے اور سہارے ہیں جن کی مدد سے کمزور آدمی بھی اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کر لیتا ہے۔''(الفضل 11 ستمبر 1937ء)

نویں برکت: احکام دین اور سنت نبوی کا قیام

خلیفہ وقت خدا تعالیٰ کا نمائندہ ہونے کے لحاظ سے خدا تعالیٰ کے کلام اور اس کے احکام کو سب سے بہتر سمجھتا ہے کیونکہ خدا تعالیٰ اس کی راہنمائی کر رہا ہو تا ہے۔اسے اپنے الہام اور وحی کے ذریعہ نئے نئے حقائق اور دقائق سے نوا زتا ہے جن سے روشنی پا کر وہ قرآن کریم کے نئے نئے معانی اور اسرار و رموز لو گوں کے سامنے پیش کرتا ہے اور احکام قرآنی پر عمل کی صحیح راہوں کی نشاندہی کرتا ہے۔اس لحاظ سے بھی خلیفہ کا وجود بڑا ہی بابرکت ہے۔اسی لئے آ نحضرت ﷺ نے اپنی امت کو نصیحت فرمائی تھی کہ عَلَیْکُمْ بِسُنَّتِیْ وَسُنَّ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِیْنَ الْمَھْدِیِّیْن سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی (نور اللہ مرقدہ) فرماتے ہیں۔''خلفاء کے ذریعہ سنن اور طریقے قائم کئے جاتے ہیں ورنہ احکام تو انبیاء پر نازل ہو چکے ہوتے ہیں خلفاء دین کی تشریح اور وضاحت کرتے ہیں اور معلق امور کو کھول کر لوگوں کے سامنے بیان کرتے ہیں اور ایسی راہیں بتا تے ہیں جن پر چل کر اسلام کی ترقی ہوتی ہے۔''(الفضل 04 ستمبر 1937ء)

تمام خلفاء احمدیت نے اپنے وقت میں درس قرآن کا سلسلہ جاری رکھا اور نئے نئے نکات زمانہ کی تبدیلی کے اعتبار سے اور ترقیات دین کے لئے بیان کئے۔ یہ تمام دروس پڑھنے اور سننے کے لائق ہیں۔

دسویں برکت:

خلافت کامیابی کی کلید: ہر انسان چاہتا ہے کہ اسے ہر میدان میں کامیابی ملے اسے فتح نصیب ہو ایسی خواہش رکھنے والے ہر انسان کے لئے خدا تعالیٰ کا یہ پیغام ہے کہ وہ اس کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے اپنے آپ کو خلافت کے ساتھ وابستہ کرے اور اس کے نتیجہ میں اس کی کامیابی اور فتح یقینی ہوگی۔خلافت کے ساتھ یہ وابستگی کیسی ہونی چاہئے۔حضرت مصلح موعود(نور اللہ مرقدہ) فرماتے ہیں۔''امام اور خلیفہ کی ضرورت یہی ہے کہ ہر قدم پر جو مومن اٹھاتا ہے اس کے پیچھے اٹھاتا ہے اپنی مرضی اور خواہشاتکو اس کی مرضی اور خواہشات کے تابع کرتا ہے اپنی تدبیروں کو اس کی تدبیروں کے تابع کرتا ہے اپنے ارادوں کو اس کے ارادوں کے تابع کرتا ہے اور اپنی آرزوؤں کو اس کی آرزوؤں کے تابع کرتا ہے او ر اپنے سامانوں کو اس کے سامانوں کے تابع کرتا ہے اگر اس مقام پر مومن کھڑے ہو جائیں تو ان کے لئے کامیابی اور فتح ۔۔۔
(الفضل 04 ستمبر 1937ء)

پس کامیابی اسے ملتی ہے جو اپنے آپ کو پوری طرح خلافت کے ساتھ وابستہ رکھتا ہے۔کامیابی اسے ملتی ہے جو اپنا سب کچھ خلافت پر نثار کر دیتا ہے۔ کامیابی اسے ملتی ہے جو خلیفہ وقت کی دعائیں حاصل کرتا ہے کیونکہ ''اللہ تعالیٰ جب کسی کو منصب خلاف پر سرفراز کرتا ہے تو اس کی دعاؤں کی قبولیت کو بڑھا دیتا ہے کیونکہ اگر اس کی دعائیں قبول نہ ہوں تو پھر اس کے انتخاب کی ہتک ہوتی ہے۔''(منصب خلافت صفحہ 32)

گیارہویں برکت: ازالہ خوف بذریہ خلافت؛

جب خلافت کے ساتھ وابستہ مومنوں پر خوف کے حالات آتے ہیں اس وقت بھی خدا تعالیٰ جماعت پر بارش کی طرح برکتیں نازل کرتا ہے۔مضمون کا یہ حصہ بھی برکات خلافت کی طویل داستان لئے ہوئے ہے۔بہر حال تاریخ عالم کا مطالعہ کریں تو ایک گھمبیر خوف نبی کی وفات کے بعد مومنوں کے دلوں میں لا زمی طور پر پیدا ہوتا ہے۔اس خوف کی تصویر حضرت عائشہؓ نے یوں کھینچی ہے کہ''بباعث چند در چند فتنوں و ربغاوت اعراب اور کھڑا ہونے والے جھوٹے پیغمبروں کے میرے باپ پر جبکہ رسول ﷺ مقرر کیا گیا وہ مصیبتیں پڑیں اور وہ غم دل پر نازل ہوئے کہ اگر وہ غم کسی پہاڑ پر پڑتے تو وہ بھی پاش پاش ہو جاتا۔''اسی طرح حضرت مسیح موعودؑ نے لکھا ہے کہ مگر چونکہ خدا کا یہ قانون

قدرت ہے کہ جب خدا کے رسول کا کوئی خلیفہ اس کی موت کے بعد مقرر ہوتا ہے شجاعت اور استقبال اور فراست اور دل قوی ہونے کی روح اس میں پھونکی جاتی ہے جیسا یشوع کی کتاب باب اوّل آیت 6 میں حضرت یشوع کو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ مضبوط اور دلاوری کر یعنی موسیٰ مر گیا اب تو مضبوط ہو جا۔ یہی حکم قضاء قدر کے رنگ میں۔ نہ شرعی رنگ میں حضرت ابوبکرؓ کے دل پر بھی نازل ہوا تھا۔ (تحفہ گولڑویہ صفحہ 58)

حضرت علامہ عبداللہ الحلیمی نبی کی بعثت کی چار اغراض اپنی کتاب التفسیر الکبیر جلد 3 صفحہ 89 پر فرماتے ہیں

۔1۔ عام لوگ کئی قسم کی خامیوں کا شکار ہوتے ہیں پھر ان میں قلت فہم اور عدم علم کا مرض بھی پایا جاتا ہے اس لئے نبی کئی قسم کے دلائل ان کے سامنے رکھتا ہے اور اس طرح ان کے شکوک اور شبہات کو دور کرتا ہے۔ 2۔ گو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ انہیں اپنے مولا کی خدمت (بالفاظ دیگر دین کی خدمت) کرنی چاہئے لیکن وہ خدمت کی کیفیت سے ناواقف ہوتے ہیں پس نبی ان کے سامنے اس خدمت کی کیفیت بالتفصیل رکھتا ہے تا کہ وہ کوئی غلط یا غیر مناسب قدم اٹھائے بغیر اس خدمت کو بجالا سکیں۔ 3۔ لوگوں میں غفلت اور سستی اور لا پرواہی کا مادہ بھی پایا جاتا ہے پس نبی انہیں مختلف طریق ترغیب وترہیب سے بیدار اور ہوشیار کرتا ہے۔ 4۔ انسانی عقل ویسی ہے جیسی کہ آنکھ۔ اور بصارت سے کامل طور پر اس وقت تک فائدہ نہیں اٹھایا جاسکتا جب تک کہ سورج کی روشنی نہ ہو۔ پس نبی ان کے لئے جو نور الٰہی لاتا ہے۔ وہ عقول انسانی کو ایسے ہی منور کرتا ہے کہ سورج کی روشنی آنکھ کو منور کرتی ہے۔ اس خلاصہ مطلب سے واضح ہوتا ہے کہ ایک نبی کی بعثت کی اغراض کیا ہیں۔ یہی چار اغراض خلیفہ کے تقرر کی ہیں نبی کی وفات کے بعد اس کا خلیفہ یہ چاروں کام بجالاتا ہے۔ پس خلافت روحانی کی یہ برکت ہے جو لوگوں کے شبہات وشکوک کو دور کرتی ہے۔ بارھویں برکت: اس کے ذریعہ لوگوں کو علم حاصل ہوتا ہے۔

تیرھویں برکت:

خلیفہ لوگوں کو سست نہیں ہونے دیتا اگر وہ سست ہو بھی جائیں تو مختلف قسم کی ترغیب وترہیب سے وہ انہیں بیدار کرتا رہتا ہے۔

چودھویں برکت:

یہ ہے کہ وہ انسانی عقول کی خداداد نور کے ذریعہ رہنمائی کرتے ہوئے انہیں ترقی کی راہ پر گامزن کرتا ہے اور انہیں چلاتا چلا جاتا ہے۔ حتیٰ کہ وہ منزل مقصود تک پہنچ جائیں اور خدا کی رضا کو حاصل کر لیں۔ نبی یہ ذرائع کیسے حاصل کرتا ہے۔ سورہ جمعہ کی آیت ہے۔ يَتْلُوا عليهم ايٰتِهٖ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ

1۔ کہ وہ ان کے سامنے خدا تعالیٰ کے نشانات پیش کرتا ہے۔

2۔ اور ان کی اصلاح کرتا ہے حتیٰ کہ وہ پاکباز انسان بن جاتے ہیں۔

3۔ انہیں کتاب الٰہی سکھاتا ہے۔

4۔ اور انہیں احکام الٰہی کی حکمتیں اور دلائل بھی سمجھاتا ہے۔ چونکہ نبی ان طریقوں سے اپنے مشن کو کومیاب بنانے کا کام کرتا ہے اس لئے اس کے خلفاء بھی انہی ذرائع کو استعمال کرتے ہیں۔

پندرھویں برکت:

جسے خلافت دی جاتی ہے اسے زبردست نشانات اور نمونہ ہائے قدرت الٰہیہ عطا کئے جاتے ہیں تا کہ ان کے ذریعہ لوگوں کے دلوں میں ہستی باری تعالیٰ کے متعلق یقین اور ایمان پیدا ہو۔ (تفسیر الکبیر جلد 5 صفحہ 465)

سولہویں برکت:

خلافت کی یہ ہے کہ خلیفہ وعظ ونصیحت کے ذریعہ اور اپنے نیک نمونہ کے ذریعہ لوگوں کی اصلاح کرتا رہتا ہے اور اس کی کوشش اور دعاؤں کے نتیجہ میں بہت سے لوگوں کی زندگی میں ایک عظیم انقلاب برپا ہو جاتا ہے۔

سترھویں برکت:

خلفاء روحانی کو اللہ تعالیٰ اپنی کتاب (شریعت) کا خاص علم عطا فرماتا ہے۔ اس میں دوسرے لوگ اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی

اٹھارویں برکت:

جب کبھی قوم کو کتاب الٰہی کا کوئی مسئلہ سمجھ میں نہ آئے تو خلیفہ وقت خداداد استعدادوں اور صلاحیتوں کے ذریعہ وہ اس کے عقلی دلائل اور حکمتیں بیان کرتا ہے کہ سننے والے تسلی پا جاتے ہیں۔

انیسویں برکت:

اقیمو ا الصلوٰۃ کا حکم دراصل مکمل طور پر خلفاء کے ذریعہ ہی پورا ہوتا ہے۔اس لئے چاروں آئمہ ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل نے اس بات پر اتفاق کیا ہے کہ امام کا ہونا ضروری ہے اور اس بات پر بھی اتفاق کیا ہے کہ مسلمانوں کے لئے ایک امام کا ہونا ہر زمانہ میں لازمی ہے تا کہ وہ شعائر دین کو قائم کرے۔

(کتاب المیز ان للشعرانی جلد 2 صفحہ 157 باب حکم البغاۃ)

بیسویں برکت:

زکوٰۃ کی کما حقہ وصولی اور اس کا صحیح طور پر استعمال بھی خلافت کے ذریعہ ہو تا ہے۔امام رازی اپنی (تفسیر الکبیر جلد 4 صفحہ 464) میں سورۃ التوبہ کی آیت خُذْ مِنْ اموالھم صَدَ قَۃ کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔کہ یہ آیت بتاتی ہے کہ امام ہی یہ زکوتیں وصول کرنے کا حق دار ہے۔

اکیسویں برکت:

سورہ التوبہ کی آیت بالا خُذۡ مِنۡ اَمۡوَالِهِمۡ کے آگے فرمایا ہے وَ صَلِّ عَلَيۡهِمۡ کہ اے رسول اور رسول کے خلیفہ جب تم ان سے زکوۃ لو تو ان کے لئے دعا کرو۔حضرت امام احمد الصادی آیت وقل رب اغفر وارحم کے متعلق تحریر فرماتے ہیں۔ترجمہ: یہ حکم ہے نبی کریم ﷺ کو کہ وہ کیسی دعا کریں جس کی برکت سے وہ کفار کے عذاب سے بچ جائیں اور یہ دعا یقینا مقبول ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں کسی دعا کا حکم نہیں دیا مگر وہ دعا ضرور قبول ہوئی۔

(حاشیہ جلالین المصادی جلد 3 صفحہ 102 مطبوعہ عصر)

بائیسویں برکت:

اس کے ذریعہ حقیقی اطاعت رسول کا ملکہ اور قوت پیدا ہوتی ہے اس لئے جب دوسری جگہ تمام مومنوں کو یہ حکم دیا کہ اطیعوا اللہ کہ اللہ کی اطاعت کرو تو اس کے بعد اطیعوا الرسول میں دوبارہ اطیعوا کا حکم دہرایا تا کہ مسلمان یہ سمجھ لیں کہ الٰہی احکام کے متعلق جو تفصیلات رسول بیان کرے اس کی اطاعت بھی ضروری ہے لیکن اگلے حصے میں فرمایا وَاُولِی الۡاَمۡرِ مِنۡکُمۡ کہ اپنے حکام کی بھی اطاعت کرو مگر اُولِی الۡاَمۡرِ مِنۡکُمۡ سے پہلے اطیعوا کے لفظ کو دہرایا نہیں گیا جس سے اس طرف اشارہ معلوم ہوتا ہے کہ روحانی اولوا الامر (خلیفہ اور امام الزمان) کی اطاعت دراصل رسول اللہ ﷺ کی اطاعت ہی ہے اس لئے نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ میں تمہیں تاکیداً کہتا ہوں کہ تم اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرو اور اطاعت اور فرمانبرداری کو اپنا شیوہ بناؤ خواہ کوئی حبشی غلام ہی تم پر حکمران کیوں نہ ہو کیونکہ جو لوگ تم میں سے میرے بعد زندہ رہیں گے وہ لوگوں میں بہت اختلافات دیکھیں گے۔پس ایسے وقت میں تم میری سنت اور میرے خلفاء راشدین کی سنت کی پیروی کرنا اور اسے مضبوطی سے پکڑ لینا اور اس سنت سے چمٹے رہنا اور کبھی اس سنت کے خلاف نئی ایجاد شدہ باتوں کو وقعت نہ دینا کیونکہ ہر نئی بات جو میری اور خلفاء راشدین کی سنت کے خلاف ہوگی وہ بدعت ہوگی اور بدعت ضلالت ہوتی ہے۔(مسند احمد حنبل جلد 4 صفحہ 127) پس خدا تعالیٰ کے مقرر کردہ خلیفہ اور امام کی اطاعت دراصل رسول کی ہی اطاعت ہے بلکہ خلافت کو چھوڑ کر حقیقی اطاعت رسول کا مقام حاصل ہو ہی نہیں سکتا۔

تئیسویں برکت:

جو شخص خلافت کی خلعت پاتا ہے اسے خود اللہ تعالیٰ منتخب فرماتا ہے لَيَسۡتَخۡلِفَنَّهُمۡ۔ اور مومنین کے ذریعہ اس کا تقرر کرواتا ہے گویا خدا تعالیٰ بھی اسے ہی اس مقام کے لئے پسند فرماتا ہے اور مومنین بھی اسے ہی پسند اور لائق سمجھتے ہیں۔ایسا شخص یقینا موید من اللہ ہوگا اور یقینا مومنین مخلصین اس کا ساتھ دیں گے۔پس خلافت الہیہ کے ساتھ وابستگی یقینی کامرانی اور غلبہ وفتح دین کی دلیل ہے جو لوگ اس سے وابسطہ ہو گئے وہ اس برکت سے حصہ پائیں گے۔

چوبیسویں برکت

اس کے ذریعہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر یعنی تبلیغ رسالت کا کام بطریق احسن ہوتا ہے اور نبی کے کام جاری اور ساری رکھنے اور اسے پایہ تکمیل تک پہنچانے کا کام خلافت کے ذریعہ ہوتا ہے اور اس کام میں مومنین بھی حصہ لے کر یہ برکت حاصل کرتے چلے جاتے ہیں۔

پچیسویں برکت:

دنیا کی تمام وجاہتیں تمام بزرگیاں خلافت سے وابستگی کے ذریعہ مل جاتی ہیں۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ فرماتے ہیں۔ ''ہمارے لئے ضروری ہے کہ ہم اس کے شکر گزار بندے بن کر زندگیوں کے دن گزاریں اور جماعت کے اندر اتحاد اور اتفاق کو ہمیشہ قائم رکھیں اور اس حقیقت کو نظر انداز نہ کریں۔ بزرگیاں اور ساری ولایت خلافت راشدہ کے پاؤں کے نیچے ہے۔''
(تعمیر بیت اللہ کے 23 عظیم الشان مقاصد صفحہ 116)

حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل کے بعد حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کے باون سالہ دور خلافت کا ہر لحہ اور خلیفۃ ثالثؒ اور رابعؒ اور اب خامس یہ صد سالہ دور ترقیات وبرکات کا حامل رہا ہے اس کی ایک جھلک حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کے اپنے الفاظ میں بیان کرتا ہوں۔ فرماتے ہیں۔

''وہ خدا جس نے قرآن شریف نازل کیا ہے وہ خدا کہ جس نے اس دنیا کے لئے ایک روحانی نظام بنایا ہے جس کے ماتحت یہ دنیا ترقی کر رہی ہے وہ خدا جس نے احمد مسیح موعود مہدی معہود کو بتایا تھا کہ وہ اُن کی ذریت سے 1886ء سے لے کر 9 سال کے اندر ایک لڑکا پیدا کرے گا جو خدا تعالیٰ کے فضل اور رحم سے جلد جلد ترقی کرے گا اور دنیا کے کناروں تک شہرت پائے گا اور اسلام کو دنیا میں پھیلا کر اسیروں کی رستگاری اور مُردوں کے احیاء کا موجب ہوگا۔ اس کی بات پوری ہوئی اور اس کا کلمہ اُونچا رہا۔ ہر روز جو طلوع ہوتا تھا وہ میری کامیابی کے نشانوں کو ساتھ لاتا تھا۔ ہر روز جو غروب ہوتا تھا وہ میرے دشمن کے تنزل کے اسباب چھوڑ جاتا تھا۔ یہاں تک کہ خدا تعالیٰ نے جماعت احمدیہ کو میرے ذریعہ سے دنیا میں پھیلا دیا اور قدم قدم پر خدا تعالیٰ نے میری راہنمائی کی اور بیسوں موقوں پر اپنے تازہ کلام سے مجھے مشرف کیا یہاں تک کہ ایک دن اس نے مجھ پر ظاہر کر دیا کہ میں ہی موعود فرزند ہوں جس کی خبر حضرت مسیح موعودؑ نے 1886ء میں میری پیدائش سے تین سال پہلے دی تھی۔ اس وقت سے خدا تعالیٰ کی نصرت اور مدد اور بھی زیادہ زور پکڑ گئی اور آج دنیا کے ہر براعظم پر احمدی مشنری اسلام کی لڑائیاں لڑ رہے ہیں۔ قرآن جو ایک بند کتاب کے طور پر مسلمانوں کے ہاتھ میں تھا۔ خدا تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کی برکت اور مسیح موعودؑ کے فیض سے ہمارے لئے یہ کتاب کھول دی ہے اور اس میں نئے سے نئے علوم ہم پر ظاہر کئے جاتے ہیں۔ دنیا کا کوئی علم نہیں جو اسلام کے خلاف آواز اُٹھاتا ہو اور اس کا جواب خدا تعالیٰ نے مجھے قرآن کریم سے ہی نہ سمجھا دیا ہو۔ ہمارے ذریعہ سے پھر قرآنی حکومت کا جھنڈا اُونچا کیا جا رہا ہے اور خدا تعالیٰ کے کلاموں اور الہاموں سے یقین اور ایمان حاصل کرتے ہوئے ہم دنیا کے سامنے پھر قرآنی فضیلت کو پیش کر رہے ہیں گو دنیا کے ذرائع ہم سے کروڑوں کروڑ گنے زیادہ ہیں لیکن دنیا خواہ کتنا ہی زور لگائے مخالفت میں کتنی ہی بڑھ جائے یہ ایک قطعی اور یقینی بات ہے کہ سورج ٹل سکتا ہے ستارے اپنی جگہ چھوڑ سکتے ہیں زمین حرکت سے رک سکتی ہے لیکن رسول اللہ ﷺ اور اسلام کی فتح میں اب کوئی شخص روک نہیں بن سکتا قرآن کی حکومت دوبارہ قائم کی جائے گی اور دنیا اپنے ہاتھوں سے بنائے ہوئے بتوں یا انسانوں کی پوجا کو چھوڑ کر خدائے واحد کی عبادت کرنے لگے گی اور باوجود اس کے کہ دنیا کی حالت اس وقت قرآنی تعلیم کو قبول کرنے کے خلاف ہے اسلام کی حکومت پھر قائم کر دی جائے گی اس طرح کہ پھر اس کی جڑوں کا ہلانا انسان کے لئے ناممکن ہو جائے گا۔۔۔۔ تب اس دنیا کے فساد دور ہو جائیں گے اس کی تکلیفیں مٹا دی جائیں گی۔ خدا تعالیٰ کی بادشاہت پھر اس دنیا میں قائم کر دی جائے گی اور پھر اللہ تعالیٰ کی محبت انسان کے لئے سب سے قیمتی متاع قرار پائے گی۔
(دیباچہ تفسیر القرآن از حضرت خلیفۃ المسیح الثانی)

نظام خلافت سے وابستگی سے دنیا وآخرت کے نقطہ نظر سے برکات ہی برکات حاصل ہوتی ہیں۔ انفرادی بھی اجتماعی بھی۔ اس دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی خلاصہ کلام یہ ہے کہ

1۔ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی۔ 2۔ محمد رسول اللہ ﷺ کی خوشنودی۔ 3۔ قبر کے حساب کتاب میں آسانی۔ 4۔ شفاعت رسول۔ 5۔ حوض کوثر سے وابستگی۔ 6۔ حشر نشر کے حساب کتاب میں آسانی 7۔ خلفاء راشدین کے جھنڈے تلے قیام۔ 8۔ دیدار الٰہی۔ 9۔ جنت کے نعماء کا حصول۔ 10۔ فردوسی باغات کی سیر اس دنیا میں سب سے بڑی نعمت اور برکت خلافت کی ذہنی سکون اور اطمینان قلب ہے اور آج یہ برکت سب سے زیادہ احمدی احباب حاصل کر رہے ہیں۔ انفرادی برکات: 1۔ آزادی فکر وعمل۔ 2۔ پاکیزگی وطہارت کا ماحول۔ 3۔ عدل وانصاف کا حصول۔ 4۔ عزت نفس کا قیام۔ 5۔ ضروریات زندگی کی دستیابی میں آسانیاں۔

خلافت میرے نزدیک سب سے بڑی برکت (انٹرویوز)

خلافت کی برکات کے حوالے سے جماعت احمدیہ کے بزرگوں نے جن خیالات کا اظہار کیا ہے وہ یوں ہیں۔

مکرم حضرت صاجزادہ مرزا طاہر احمد صاحب (خلیفۃ المسیح الرابع) آپ فرماتے ہیں۔

''آیت استخلاف کی سب سے بڑی برکت اور خصوصیت، قیام توحید اور تمکین دین بیان کی گئی ہے۔ خدا کی وحدت کا تصور نہ صرف وحدت الٰہی ہے بلکہ اس میں وحدت ملی بھی آجاتی ہے اور تمکین دین سے جو فوائد حاصل ہوتے ہیں اس کے بارے میں اسلام کا عملی تجربہ گواہ ہے۔ تاریخ بتاتی ہے کہ جب بھی ملت اسلامیہ پر خوف کے حالات طاری ہوئے تو وابستگان خلافت سے اللہ تعالیٰ کا وعدہ پورا ہوا کہ وہ خوف کی صورت کو امن کی حالت سے بدل دے گا۔ اس سے مراد یہ ہے کہ کسی خاص نقصان کے بغیر بہت معمولی تکالیف اٹھا کر بڑے بڑے خطرات سے مسلمانوں کی جماعت من حیث القوم آسانی سے گزر جائے گی۔ اس کی متعدد مثالیں خلافت راشدہ اولیٰ میں نظر آتی ہیں۔ مثلاً سب سے پہلے انتہائی خوفناک حالات کا ارتداد کی شکل میں ظاہر ہونا اور حضرت ابو بکرؓ کی خلافت کے ذریعہ دیکھتے دیکھتے قبائل کا مطیع و فرماں بردار ہو جانا۔ یہ بہترین مثال ہے۔ بظاہر دنیا کے اعتبار سے ایسا فتنہ اگر کسی دنیاوی نظام میں پیدا ہو جاتا اور اسے استیصال کے لئے الٰہی مدد حاصل نہ ہوتی تو یہ نتیجہ نکلنا ناممکن تھا۔ دوسری بار خلافت اولیٰ جماعت احمدیہ اور پھر خلافت ثانیہ میں بار ہا جماعت اس کا مشاہدہ کر چکی ہے۔ اس کے لئے کسی خاص تشریح کی ضرورت نہیں۔ ہم اچھی طرح جانتے ہیں کہ کمزوریاں اور ناطاقتی کیا تھی۔ خوف کتنے شدید اور وسیع تھے اور کس طرح نہایت ہی معمولی قربانی سے خدا نے نہ صرف امن کے حالات پیدا فرمائے بلکہ اس کی عنایات پہلے سے بھی دو چند ہو گئیں۔ یہ خوف کے امن سے بدلنے کے واقعات اتفاقی معاملات یا روزمرہ کے دستور کی بات نہیں بلکہ غیر معمولی الٰہی ہاتھ کے ظاہر ہونے کا وعدہ ہے اور اس کے عام احمدی بلکہ غیر بھی شاہد ہیں۔ اسی طرح تمکنت دین کا کام ہے اور اس سلسلہ میں جماعت احمدیہ کو دنیا بھر میں جو خدمت بجالانے کی توفیق ملی ہے دنیا کے اکثر ممالک اس پر گواہ بن چکے ہیں مزید کہنے کی حاجت نہیں۔ ہم نے یہ بھی دیکھا ہے کہ جو لوگ خلافت سے ہٹے یا جماعت کے اندر جماعت سے علیحدگی اختیار کی یا خلافت کا پورا احترام نہیں کیا وہ عملاً کامیاب خدمت دین سے محروم کر دیئے گئے۔ ان کی ساری صلاحیتیں اور کوششیں رائیگاں گئیں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ لازماً خلافت کے ساتھ مخلصانہ اور خادمانہ تعلق قائم کرنا پڑے گا۔ ورنہ تمکنت دین کا کوئی رنگ یا نظام قائم نہیں ہوسکتا۔'' مکرم صاجزادہ مرزا مبارک احمد صاحب: آپ فرماتے ہیں۔ ''میری نگاہ میں خلافت کی سب سے بڑی برکت یہ ہے کہ جماعتی اتحاد کا ذریعہ ہے جس طرح کسی بلڈنگ کو بنانا ہے تو اس کی بنیاد مضبوط رکھی جاتی ہے اسی طرح کسی بھی ادارہ کی بنیاد ہی اس کی اہمیت اور قوت کا تعین کرتی ہے روحانی لحاظ سے خلافت کو جماعت احمدیہ میں بنیادی اور کلیدی اہمیت (Pivotal Position) حاصل ہے اور جماعت احمدیہ کی ساری خوبیاں اسی کے اردگرد گھومتی ہیں۔ جماعتی اتحاد کے ذریعہ سے ہی بین الاقوامی اور قومی اخوت حاصل ہوتی ہے۔ تعلیم و تربیت اور قربانیاں بھی اسی سے ملتی ہیں کہ ہم ایک آواز پر لبیک کہتے ہیں اور اسی ایک آواز کو اپنی قوت خیال کرتے ہیں۔''

مکرم صاجزادہ مرزا منصور احمد صاحب:

آپ فرماتے ہیں ''میرے خیال میں خلافت کی سب سے بڑی برکت یہ ہے کہ خلیفہ وقت کو خدا تعالیٰ کی بھرپور تائید و حمایت حاصل ہوتی ہے۔ ایک لمبا عرصہ خلافت ثانیہ اور خلافت ثالثہ کے ساتھ اہم معاملات میں منسلک رہنے کے بعد میرا ذاتی تجربہ اور مشاہدہ یہ ہے کہ مثلاً حضرت مصلح موعود پر بھی لوگوں نے کئی اعتراض کئے۔ آپ کے بعض فیصلوں پر تنقید کی اور بزعم خود بڑے بڑے لوگوں نے آپ کے فیصلوں پر ردّ وقدح کی کہ فلاں قدم غلط اُٹھایا ہے اور یہی صورتحال بعض اوقات خلافت ثالثہ میں بھی پیش آتی رہی مگر آخر کار وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ہر فیصلے کے بارے میں بڑے بڑے مخالف کو بھی یہ کہنا پڑا کہ خلیفہ درست نکلا اور اس کے بہترین نتائج برآمد ہوئے اور قدم قدم پر اس بات کا اظہار ہوتا رہا کہ خلیفہء وقت کے بلا استثناء ہر فیصلے کو آسمانی تائید و نصرت حاصل ہوتی رہی اور کبھی بھی کوئی ایسا فیصلہ سامنے نہیں آیا جس کے نتائج ناقص نکلے ہوں یا وقت گزرنے کے بعد یہ خیال پیدا ہوا ہو کہ فلاں فیصلہ غلط تھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر فیصلے کو خدا کی خصوصی تائید و رضا حاصل تھی اور خلا

فت کی یہی سب سے بڑی برکت ہے۔''

مکرم صاجزادہ ڈاکٹر مرزا منور صاحب: آپ فرماتے ہیں۔''

میرے خیال میں خلافت میں برکت ہی برکت ہے۔۔۔خلیفہ خدا بنا تا ہے اور جماعت مومنین کی طرف سے جو انتخاب کیا جا تا ہے وہ صرف ایک ذریعہ ہے اور جس کو اللہ تعالیٰ خلیفہ بنا تا ہے اس کی تائید ونصرت اپنے خاص فضل سے ہر آن اور ہر گھڑی کرتا ہے۔میرا تجربہ ہے کہ خلیفہ وقت کے منہ سے نکلی ہوئی چھوٹی سے چھوٹی بات کو اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے پورا کر دیتا ہے یہی سلوک اللہ تعالیٰ کا حضرت مصلح موعود کے ساتھ تھا اور اب یہی سلوک حضرت خلیفہ ثالث کے ساتھ ہے۔''

مکرم صاجزادہ مرزا خورشید احمد صاحب: آپ فرماتے ہیں۔

''یہ خلافت۔۔۔خلافت علیٰ منہاج نبوت ہے اس کی سب سے بڑی برکت یہ ہے کہ یہ بندے کا رب سے تعلق قائم کرتی ہے۔یہ نبوت کا کام ہے جس کا تسلسل خلافت قائم رکھتی ہے یہ ایک ایسا کام ہے کہ اس کو کوئی انجمن ،ادارہ انسٹی ٹیوشن یا کوئی باڈی سرانجام نہیں دے سکتی۔اس کام کے لئے اللہ تعالیٰ ہمیشہ بندوں کو ہی مقرر کرتا ہے۔اس کے یہ بندے خدا تعالیٰ سے بندے کا تعلق ثابت کرتے ہیں۔اس سے تعلق کی راہوں کی نشاندہی کرتے ہیں اور خدا سے بندوں کا پختہ تعلق قائم کرتے ہیں اور یہی خلافت کی سب سے بڑی برکت ہے۔''

مکرم مولانا عبدالمالک خان صاحب: آپ فرماتے ہیں۔''

خلافت کی سب سے بڑی برکت یہ ہے کہ یہ نوع انسانی کے لئے ایمان اور اعمال صالحہ رکھنے والوں کے حق میں ایک آسمانی شہادت ہے کیونکہ خدا نے مومن اور نیکو کاروں سے ہی یہ وعدہ کیا ہے کہ وہ ان کو خلافت کی نعمت عطا کرے گا اور یہ تو ارشاد خداوند ہے کہ اوفوا بعھدی اوف بعھد کمکہ جو میرے عہد پورے کرے گا خدا اس سے اپنے عہد کو پورے کرے گا۔یہ وعدہ خدا تعالیٰ نے پہلے۔۔۔رسول ﷺ سے پورا کیا اور پھر بمو جب پیشگوئی ثم تکون الخلافۃ علیٰ منھاج النبوۃ آخر میں یہ نعمت حضرت مسیح موعودؑ کی جماعت کو عطا فرمائی۔اس نعمت کی دو خاصیتیں ہیں۔اوّل یہ کہ دین کو تمکنت دینا خلافت حقہ اسلامیہ کا کام ہے اور اس کے لئے جو سکیم بھی خلیفہ وقت بنائے گا اس کو خدا تعالیٰ کامیابی عطا کرے گا اور یہ اس کی سچائی کی علامت ہوگی۔اس کی دوسری خاصیت یہ ہے کہ مومنین اور نیکوکاروں پر جب خوف کے حالات آئیں گے تو اللہ تعالیٰ ان کو امن سے بدل دے گا۔یہ خدا کا قانون ہے کہ دنیا کی کوئی چیز مرکزیت سے خالی نہیں اس لئے خدا تعالیٰ کے لئے رسالت کے بعد خلافت کی مرکزیت حاصل ہے جو جماعت کی حیات کا موجب ہے اس لئے حدیث پاک ہے۔''اپنے امام اور جماعت کو لازم پکڑو۔''

مکرم مولانا نسیم سیفی صاحب: آپ فرماتے ہیں۔

''میرے خیال میں خلافت کی سب سے بڑی برکت یہ ہے کہ ہمیں ایک شخص مل جاتا ہے جس کا اللہ تعالیٰ سے تعلق ہوتا ہے۔اور وہ دن رات خدا تعالیٰ سے جماعت کے لئے دعائیں کر کے برکات حاصل کرتا ہے۔یہ ہی دراصل سب سے بڑی برکت ہے جو کہ خلیفہ کے ذریعہ جماعت کو ملتی ہے۔ہم نے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کا زمانہ دیکھا ہے اور اب خلافت ثالثہ کا دور دیکھ رہے ہیں۔خلافت کی یہ خوبی ہمیشہ۔۔۔۔۔۔اس برکت سے ہر شخص استفادہ کر سکتا ہے اور ایسا شخص جتنا خلافت سے تعلق بڑھائے گا اللہ تعالیٰ سے اتنا ہی اس کا تعلق بڑھتا چلا جائے گا اور اس طرح سے تسلسل نبوت قائم رہے گا۔حضرت مسیح موعودؑ نے بھی فرمایا ہے کہ ان کی آمد کا مقصد یہی ہے کہ لوگوں کے ایمان پختہ ہوں اور وہ خدا کے نزدیک آجائیں یہی وہ اصل بات ہے جس کے لئے خلافت کو اسلام میں قائم کیا گیا ہے۔''

مکرم مولانا ابوالمنیر نورالحق صاحب: آپ فرماتے ہیں۔

'خلافت کی اصل برکت خدا سے تعلق الہام وکلام اور غیبی خبروں کا علم حاصل کرنا ہے جو کہ خدا سے تعلق پر دلالت کرتا ہے اور یہ خلافت کے وجود ہی میں پایا جاتا ہے۔آنحضرت ﷺ کے بعد جب خلافت ختم ہوگئی تو یہ نور امت مسلمہ کو مجددین کے واسطے سے ملتا رہا جو کہ آنحضرت ﷺ کے روحانی خلیفہ تھے۔اور یہ نور جس کا احیاء حضرت مسیح موعودؑ کے ذریعہ ہوا۔خلافت کے اندر چلتا جائے گا۔کیونکہ ہر خلیفہ اسی طرح مسیح موعودؑ سے نور حاصل کر رہا ہوں جیسے ایک بلب بجلی کے ہولڈر سے لگ کر نور حاصل کرتا ہے۔گویا خلیفہ خدا تعالیٰ کی ذات

پر ایمان کے لئے ایک زندہ وجود اور زندہ ثبوت ہوگا۔ خلافت کی دوسری اہم بر کت اجتماع ہے جس کے ذریعہ قوم ایک ہاتھ پر جمع ہو جاتی ہے اور تیسری بر کت یہ ہے کہ تبلیغ دین خلافت ہی کے ساتھ وابستہ ہے۔"

(الفضل خلافت نمبر 1980ء)

برکات خلافت کے جلوے:

جماعت احمدیہ کی تاریخ اس بات پر شاہد ہے کہ قدرت ثانیہ کے ان مظاہر عالی مرتبت کی قیادت اور راہنمائی میں اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے جماعت احمدیہ ترقی کی بلند سے بلندتر منزلیں طے کرتی چلی جارہی ہے۔ آج ساری دنیا میں جماعت احمدیہ کو ایک منفرد اور ممتاز، عالمی تشخیص حاصل ہے۔ تبلیغ اسلام تعلیم اور بے لوث خدمتِ انسانیت کے میدانوں میں جماعت احمدیہ کی مساعی کی ایک دنیا مُعترف ہے۔ محبت و پیار، امن وسلامتی اور ملکی قوانین کی پابندی کی اعلیٰ اقدار کی وجہ سے یہ جماعت ساری دنیا میں اسلام کی حسین تعلیم کی علمبردار ہے۔ قرآن مجید اور اسلامی لٹریچر کی اشاعت میں جماعت کو ایک امتیازی مقام حاصل ہے۔ آج بفضلہ تعالیٰ یہ جماعت دنیا کے ایک سو چوراسی (184) ملکوں میں مستحکم طور پر قائم ہے اور دنیا بھر میں احمدی مسلمانوں کی تعداد 200 ملین سے زیادہ ہو چکی ہے۔ خلافت کی برکت نے جماعت کو باہمی اتحاد، غیر متزلزل ایمان اور اعمال صالحہ کی دولت عطا کر کے بنیان مرصوص بنا دیا ہے اور اُن سب برکات سے حصہ وافر عطا فرمایا ہے جن کا وعدہ آیت استخلاف میں جماعت مو منین سے کیا گیا تھا۔ جماعت احمدیہ کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ دین اسلا م کی منادی اکناف عالم میں ہو رہی ہے۔ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا کا ایمان افروز نظارہ ہماری نظروں کے سامنے ہے اور دوسری طرف، جب بھی اور جہاں بھی، جماعت کے مخالفین کی طرف سے خوف کی کوئی حالت پیدا کی جاتی ہے، خدا تعالیٰ کی نصرت فوراً آسمان سے اترتی ہے اور ہر حالتِ خوف کو امن میں تبدیل کر دیتی ہے۔ خدائی نصرت کے نزول کی یہ داستان بہت ہی ایمان افروز ہے۔ تاریخ احمدیت اس کے شواہد سے بھری ہوئی ہے۔ جماعتی تاریخ میں بعض سال ایسے ہیں جن میں جماعت سخت پریشانی اور فکرمندی کے ادوار سے گزری۔ 1934ء میں احرار کا فتنہ اُٹھا۔ 1947ء میں قادیان سے ہجرت کی صورت بنی۔ 1953ء میں جماعت کے خلاف ملک گیر ہنگامے ہو ئے۔ 1974ء میں فسادات اور جماعت کے خلاف قانون سازی کی گئی۔ 1984ء میں رسوائے زمانہ آرڈیننس کے اجراء نے جماعت پر پابندیاں انتہائی سخت کر دیں۔ خلیفہ وقت کو پاکستان سے ہجرت کرنی پڑی۔ ان پر آشو ب سالوں میں احمدیوں نے اپنی جانوں کے نذرانے پیش کئے۔ اسیران راہ مولیٰ نے مسکراتے ہوئے اپنی بیڑیوں کو چوما۔ یہ وہ سال ہیں جب آلام و مصائب کے مہیب سائے جماعت کے سر پر منڈلاتے رہے لیکن خدائے رحیم و کریم کا احسان کہ جماعت کے سر پر خلافت احمدیہ کا سایہ تھا جس کی برکت سے جماعت مومنانہ استقامت کے ساتھ ان ادوار سے گزرتی گئی اور ہر خوف کی حا لت امن میں تبدیل ہوتی رہی۔ اسی طرح جماعتی تاریخ میں جب بھی نئی خلافت کے آغاز کا موقع آیا جو مشکل ترین عرصہ امتحان ہوتا ہے۔ غم زدہ عشاق احمدیت قیامت کیسی کیفیت سے گزر رہے ہوتے ہیں۔ یتیمی کا ایک عجیب عالم ہوتا ہے ہر آنکھ اشکبار اور ہر دل غم سے بھرا ہوتا ہے۔ مخالفین خوشی کے شادیانے بجا رہے ہوتے ہیں کہ اب یہ جماعت ختم ہوا چاہتی ہے۔ خوف کے ان گھٹا ٹوپ اندھیروں میں یک بیک خدائے قادر کی تجلی ہوتی ہے سارا غم کافور ہو جا تا ہے۔ ہر دل امن اور سکینت سے بھر جاتا ہے۔ قدرت ثانیہ کا ظہور ہوتا ہے اور جماعت نظام خلافت کے سایہ میں پھر سے منزل کی طرف رواں دواں ہو جا تی ہے۔ 1908,1914,1965,1982,2003ء میں جماعت احمدیہ انہی مراحل سے گزری اور آج ہر احمدی اس بات کا زندہ گواہ ہے کہ کس طرح خدا تعالیٰ نے ان کے ہر خوف کو خلافت احمدیہ کے ذریعہ امن میں بدلا اور دین اسلام کو تمکنت اور استحکام عطا فرمایا۔ پس اللہ تعالیٰ کا یہ عظیم احسان ہے کہ ہم خلافت کی برکت سے تائیدات الٰہیہ کے ایمان افروز جلوے دن رات دیکھتے ہیں اور اللہ کرے کہ ہمیشہ دیکھتے چلے جائیں۔ خلفائے احمدیت کے ارشا دا ت: خلافت احمدیہ کے تعلق میں ہم پر کیا ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں؟ یہ ایک ایسا سوال ہے جس کا جواب ہر احمدی کے دل پر ہمیشہ پوری طرح نقش رہنا چا ہئے۔ اس کی اہمیت اور ضرورت یہ ہے کہ جب تک ہمیں ان ذمہ داریوں کا پورا ادراک اور احساس نہ ہو ہم ان سے کس طرح عہدہ برآ ہو سکتے ہیں۔ پس ان ذمہ داریوں کا علم اور پورا پورا احساس ان ذمہ داریوں کی ادائیگی کے لئے

ازبس لازم ہے۔

آیئے ان ذمہ داریوں کا علم حاصل کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ کے ان بزرگ بندوں کے آگے زانوئے تلمذ طے کریں جب کا معلم اور مربی خود خدائے علیم و خبیر ہوتا ہے۔میری مراد اس دور میں جماعت احمدیہ کے اندر قائم ہونے والے ان خلفائے کرام سے ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے امام الزمان حضرت مسیح موعودؑ کے خلیفہ ہونے کی سعادت عطا فرمائی۔ان خلفائے عظام کو اللہ تعالیٰ نے اپنے دست قدرت سے اس منصب کے لئے چنا اور اس کی غالب تقدیر کا تاج ان کے سروں پر رکھا۔خدا ان کا معلم اور راہنما بنا اور ان کو علم و عرفان کی دولت سے مالا مال کیا۔آیئے سنئے کہ خدا کے ان برگزیدہ بندوں نے مشفق و مہربان ناصح کے طور پر، کن الفاظ میں افراد جماعت کو خلافت کے تعلق میں ان کی ذمہ داریوں کی طرف متوجہ فرمایا۔عرفان و حکمت پر مبنی یہ وہ سنہری الفاظ ہیں جو خدا کے بندوں کے منہ سے نکلے اور جن میں ہماری روحانی زندگی کی بقا اور ترقی کا راز مضمر ہے۔بطور نمونہ چند منتخب ارشادات پیش کرتا ہوں۔

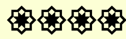
☆سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل (اللہ آپ سے راضی ہو) نے فرمایا:
''میں یہ وصیت کرتا ہوں کہ تمہارا اعتصام حَبْلُ اللہِ کے ساتھ ہو۔قرآن تمہارا دستور العمل ہو۔باہم کوئی تنازع نہ ہو کیونکہ تنازع فیضان الٰہی کو روکتا ہے ۔۔۔۔چاہئے کہ تمہاری حالت اپنے امام کے ہاتھ میں ایسی ہو جیسے میّت غسال کے ہاتھ میں ہوتی ہے۔تمہارے تمام ارادے اور خواہشیں مردہ ہوں اور تم اپنے آپ کو امام کے ساتھ ایسا وابستہ کرو جیسے گاڑیاں انجن کے ساتھ۔اور پھر ہر روز دیکھو کہ ظلمت سے نکلتے ہو یا نہیں۔استغفار کثرت سے کرو اور دعاؤں میں لگے رہو۔وحدت کو ہاتھ سے نہ جانے دو۔دوسرے کے ساتھ نیکی اور خوشی معاملگی میں کوتاہی نہ کرو، تیرہ سو برس کے بعد یہ زمانہ ملا ہے اور آئندہ یہ زمانہ قیامت تک نہیں آسکتا پس اس نعمت کا شکر کرو کیونکہ شکر کرنے پر ازدیادِ نعمت ہوتا ہے۔''(خطبات نور صفحہ 131)

☆حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نوراللہ مرقدہ نے فرمایا:
اس بات کو خوب اچھی طرح یاد رکھو کہ خلافت حَبْلُ اللہِ ہے اور ایسی رسی ہے کہ اس کو پکڑ کر تم ترقی کر سکتے ہو۔اس کو جو چھوڑ دے گا وہ تباہ ہو جائے گا

تو نسلوں کو، ہم کو بھی خلافت کی ردا دے

(نسرین نیناں۔لندن)

دنیا کو ضرورت ہے دعاؤں کی، دعا دے
اے احمدی اٹھ نالوں سے تو عرش ہلا دے
فرزانہ نہیں بننا مجھے راہ میں تیری
''دیوانوں کی فہرست میں اک نام بڑھا دے''
ہر خطرے میں وہ ڈھال ہماری ہے خدایا
تو نسلوں کو ، ہم کو بھی خلافت کی ردا دے
دیکھا ہے کوئی بڑھ کے خلیفہ سے بھی نیناں
جو درد کا درماں تجھے ماں جیسی دعا دے



۔''(درس القرآن بیان فرمودہ یکم مارچ 1921ء بحوالہ درس القرآن صفحہ 67 تا 84 مطبوعہ قادیان نومبر 1921ء)

☆حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:
'ہمارے لئے ضروری ہے کہ ہم اس کے شکر گزار بندے بن کر اپنی زندگیوں کے دن گزاریں اور جماعت کے اندر اتحاد اور اتفاق کو ہمیشہ قائم رکھیں اور اس حقیقت کو نظر انداز نہ کریں کہ سب بزرگیاں اور ساری ولایت خلافت راشدہ کے پاؤں کے نیچے ہے۔''
(تعمیر بیت اللہ کے 23 عظیم الشان مقاصد صفحہ 116)

☆حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:
''قیامت تک کے لئے خلافت سے اپنا دامن اس مضبوطی سے باندھ لیں کہ جیسے عروۃ وثقیٰ پر ہاتھ پڑ گیا ہو جس کا ٹوٹنا مقدر نہیں۔۔پس آپ اگر خلافت کے ساتھ رہیں گے تو خلافت لازماً آپ کے ساتھ رہیں گی اور یہی دونوں کا ساتھ ہے جو توحید پر منتج ہوگا۔''(بحوالہ ماہنامہ خالد مئی 1994ء صفحہ 2 تا 4)

☆ہمارے پیارے آقا سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ جن

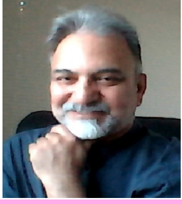
کو اللہ تعالیٰ نے اس دور میں تاج خلافت سے نوازا ہے اور جو ساری عالمگیر جماعت احمدیہ کی ترقی کی اعلیٰ ترین راہوں کی طرف راہنمائی فرما رہے ہیں۔ آپ نے خلافت کے تعلق میں جماعت کو بار باران کی ذمہ داریوں کی طرف متوجہ فرمایا ہے۔ چند حوالے عرض کرتا ہوں۔ منصب خلافت پر متمکن ہونے کے بعد فرمایا: ''قدرت ثانیہ خدا کی طرف سے ایک بہت بڑا انعام ہے جس کا مقصد قوم کو متحد کرنا اور تفرقہ سے محفوظ رکھنا ہے۔ یہ وہ لڑی ہے جس میں جماعت موتیوں کی مانند پروئی ہوئی ہے۔ اگر موتی بکھرے ہوں تو نہ تو محفوظ ہوتے ہیں اور نہ ہی خوبصورت معلوم ہوتے ہیں۔ ایک لڑی میں پروئے ہوئے موتی ہی خوبصورت اور محفوظ ہوتے ہیں۔ اگر قدرت ثانیہ نہ ہو تو اسلام کبھی ترقی نہیں کرسکتا۔ پس اس قدرت کے ساتھ کامل اخلاص اور محبت اور وفا اور عقیدت کا تعلق رکھیں اور خلافت کی اطاعت کے جذبہ کو دائمی بنائیں اور اس کے ساتھ محبت کے جذبہ کو اس قدر بڑھائیں کہ اس محبت کے بالمقابل دوسرے تمام رشتے کمتر نظر آئیں۔ امام سے وابستگی سے ہی سب برکتیں ہیں اور وہی آپ کے ہر قسم کے فتنوں اور ابتلاؤں کے مقابلہ کے لئے ایک ڈھال ہے۔'' اسی پیغام میں آپ نے مزید فرمایا: ''پس اگر آپ نے ترقی کرنی ہے اور دنیا پر غالب آنا ہے تو میری آپ کو یہی نصیحت ہے اور میرا یہی پیغام ہے کہ آپ خلافت سے وابستہ ہو جائیں۔ اس حَبْلُ اللہِ کو مضبوطی سے تھامے رکھیں۔ ہماری ساری ترقیات کا دارومدار خلافت سے وابستگی میں ہی پنہاں ہے۔''

(روزنامہ الفضل ربوہ 30 مئی 2003ء)

ایک اور موقع پر آپ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے آپ کو خلافت کی نعمت سے نوازا ہے جو تمام قسم کی ترقیات کے لئے ایک بابرکت راہ ہے۔ اس حَبْلُ اللہِ کو مضبوطی سے پکڑے رکھیں۔ وحدت اور یک جہتی کے قیام کے لئے اور کامیابیوں کے حصول کے لئے خلافت کے دامن سے ہمیشہ وابستہ رہیں اور نسل در نسل اپنی اولادوں کو بھی اس نعمت عظمیٰ سے وابستہ رہنے کی تلقین کرتے رہیں۔ ہمیشہ اس کی سربلندی اور مضبوطی کے لئے کوشاں رہیں اور اس راہ میں درپیش ہر قربانی کے لئے مستعد رہیں۔''

(مشعل راہ جلد پنجم صفحہ 32-33)

مسرورؔ کے ہاتھوں میں تُو بھی ہاتھ تھما دے



(ڈاکٹر طارق احمد مرزا۔ آسٹریلیا)

مسرورؔ کے ہاتھوں میں تُو بھی ہاتھ تھما دے
''دیوانوں کی فہرست میں اِک نام بڑھا دے''

غفلت میں پڑے سوتے ہیں جو نیند کے ماتے
اے کاش کوئی ان کے ضمیروں کو جگا دے

ہر خوف ہوا دُور، خلافت کی ہے برکت
ہر روز نئی تمکنتِ دیں کی عطا دے!

مصلح بنے پھرتے ہیں یہاں نت نئے مُفسد
شیطاں کی دکانیں ہیں ، خدا سب کو مِٹا دے

جتنے بھی جتن کر لو گے ناکام رہو گے
دُشمن کو کوئی میرے یہ پیغام سنا دے

بیمار ہوں ، لاغر بھی ہوں، دامن بھی ہے صد چاک
مالک دے دوا اور غذا اور قبا دے

'کورونا' کے ایّام میں اتنا ہے غنیمت
آقا میرا گر دُور سے ہی ہاتھ ہلا دے

قائم ہے ''سَمِعْنَا وَ اَطَعْنَا'' کا قرینہ
حائل ہے ملاقات میں جو روک، ہٹا دے

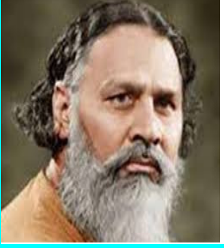
جو آگ لگاتے ہو، وہی بنتی ہے گلزار
اے دشمنِ جاں تجھ کو خدا اس کی جزا دے!

دُشمن تو ہے نادان، اُسے عقل عطا ہو
اے دوست ذرا ہاتھ اٹھا اُس کو دُعا دے

تحریر پہ قدغن ہے زبانوں پہ ہیں پہرے
اے دل میں دبی آہ نکل عرش ہلا دے

دیوانہ ہے طارقؔ بھی، رہِ یار میں اُس کو
وہ زخم مزا دے جو اسے درد سوا دے





عطاء اللہ شاہ بخاری صاحب کی طرف منسوب بیان کی اصل حقیقت

ایک ویڈیو میں بیان کردہ افسانہ

بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ ہم جماعت احمدیہ کے خلاف کوئی بیان سنتے ہیں یا کوئی تحریر پڑھتے ہیں۔ اور یہ واضح نظر آرہا ہوتا ہے کہ اس میں مخالفین نے غلط بیانی سے کام لیا ہے۔ اکثر اوقات ہم فوراً کہتے ہیں کہ حوالہ غلط دیا گیا ہے یا یہ کہ نامکمل عبارت پڑھی گئی یا غیر یقینی کی کیفیت میں کہتے ہیں کہ ان عقائد کا جماعت احمدیہ سے کوئی تعلق نہیں۔ یا اُٹھ کر حضرت مسیح موعودؑ کی کتاب سے حوالہ دیکھ کر تاسّف سے کہتے ہیں کہ یہ لوگ کتنا جھوٹ بول رہے ہیں۔ آخر میں کسی مضمون، کتاب یا کسی پروگرام میں ثبوت پیش کئے جاتے ہیں کہ یہ الزامات غلط تھے۔ اور ایسا کرنا ضروری ہے ورنہ ایک طبقہ غلط بیانی کرنے والوں کے جھوٹ کو ہی سچ سمجھنے لگتا ہے۔ خاص طور پر پاکستان میں ایک جملہ تو اب اکثر سننے کو ملتا ہے کہ تاریخ کا قتل کیا گیا ہے۔۔۔۔۔ تاریخ کے قاتل کا نفسیاتی تجزیہ ضروری ہے۔ لیکن ایک نکتہ ہم اکثر فراموش کردیتے ہیں کہ تاریخ کا قاتل یہ قتل کیوں کر رہا ہے؟ ایک آسان جواب تو یہ دیا جاسکتا ہے کہ یہ غلط بیانی جماعت احمدیہ کی مخالفت میں کی جارہی ہے۔ یہ تو ٹھیک ہے لیکن اس بات کی ضرورت ہے کہ ہر مخالفت کی ردّ کا نفسیاتی تجزیہ کیا جائے۔ جب ہم کسی مخالفت کی ردّ کا نفسیاتی تجزیہ کریں گے تو اس کے پیچھے کارفرما محرکات کو سمجھنے میں آسانی ہوگی۔ ہم یہ حقیقت فراموش نہیں کرسکتے کہ کسی بھی الٰہی جماعت کی دنیا میں وہی پوزیشن ہوتی ہے جو ایک ڈاکٹر کی ہسپتال میں ہوتی ہے۔ امریکہ میں ایک مرتبہ تحقیق کی گئی تو پتہ چلا کہ جو ڈاکٹر نفسیات میں اعلیٰ تعلیم کے لیے ٹریننگ لے رہے ہوں، ان میں سے چالیس فیصد کو اس ٹریننگ کے دوران کبھی نہ کبھی جسمانی تشدد کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ جن کو گالی گلوچ کا سامنا کرنا پڑتا ہے ان کی تعداد تو بہت زیادہ ہے۔ لیکن جب کوئی مریض ڈاکٹر کو گالیاں نکال رہا ہو تو جواب میں ڈاکٹر اسے گالی نہیں نکال سکتا۔ جب کوئی ایسا مریض ڈاکٹر کو مارنے کے لئے کوئی چیز اُٹھائے تو باوجود اختیار کے ڈاکٹر اپنی میز پر پڑا پیپر ویٹ اسے نہیں مار سکتا۔ اور نہ ہی وہ ایسے مریض کا علاج ترک کرسکتا ہے۔ لیکن ایسے مریضوں کا نفسیاتی تجزیہ کرکے ڈاکٹروں کی رہنمائی کی جاتی ہے کہ کس مریض سے انہیں خطرہ ہوسکتا ہے اور اس حملے سے پہلے کی علامات کیا ہوتی ہیں؟ اور یہ کہ ایسی صورت حال سے کیسے نمٹنا ہے؟ حال ہی میں منظر عام پر آنے والی ویڈیو یہ پاکستان کی بدقسمتی ہے کہ چند ماہ میں پاکستان میں جماعت احمدیہ کی مخالفت میں تیزی آئی ہوئی ہے۔ اور سوشل میڈیا پر بہت سی ایسی ویڈیوز بھی گردش کررہی ہیں جن میں جماعت احمدیہ کے خلاف نفرت انگیزی کی گئی ہے۔ ان میں سے ایک ویڈیو یوٹیوب کے چینل 'الندا' کی طرف سے جاری کی گئی ہے۔ چونکہ دس لاکھ سے زائد افراد اس ویڈیو کو دیکھ چکے ہیں اور دو ہزار سے زائد افراد اس پر تبصرے کرچکے ہیں، اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس ویڈیو کا تاریخی اور نفسیاتی تجزیہ پیش کیا جائے۔ پاکستان بننے کے چند سال بعد 1953ء میں لاہور اور پنجاب کے شہروں میں ایک تحریک نے زور پکڑا۔ اس تحریک کا بنیادی مطالبہ تھا کہ احمدیوں کو غیر مسلم قرار دیا جائے اور حضرت چوہدری سر ظفر اللہ خان صاحبؓ کو وزیر خارجہ کے عہدے سے برطرف کیا جائے۔ اس تحریک کو شروع کرنے میں سب سے نمایاں کردار مجلس احرار کا تھا۔ احمدیوں کی جانوں اور ان کی املاک کو نشانہ بنایا گیا۔ پہلے پنجاب حکومت نے اس تحریک پر دست شفقت رکھا ہوا تھا لیکن آخر کار حالات حکومت کے قابو سے باہر ہوگئے۔ 6 مارچ کو لاہور میں مارشل لاء لگایا گیا۔ اور جسٹس کیانی اور جسٹس منیر پر مشتمل ایک تحقیقاتی عدالت قائم کردی گئی تاکہ یہ تعین کیا جائے کہ ان فسادات کی ذمہ داری کس پر عائد ہوتی ہے؟ 4 ستمبر 1953ء جماعت احمدیہ کے اشد مخالف اور مجلس احرار کے قائد عطاء اللہ شاہ



بخاری صاحب کو بھی گواہی کے لئے اس عدالت میں طلب کیا گیا۔ یہ ویڈیو تحقیقاتی عدالت میں اسی گواہی کے بارے میں ہے۔

ویڈیو کا سنسنی خیز آغاز

ویڈیو شروع ہوتے ہی سکرین پر اسلام آباد میں سپریم کورٹ آف پاکستان کی موجود عمارت نظر آتی ہے۔ حالانکہ اس تحقیقاتی عدالت کی ساری کارروائی لاہور میں ہوئی تھی۔ ابھی تو اسلام آباد کا سنگ بنیاد بھی نہیں رکھا گیا تھا۔ ویڈیو ان الفاظ سے شروع ہوتی ہے: ''اسیر ختم نبوت، امیر شریعت پورے قلندرانہ جاہ وجلال اور ایمانی جرات ووقار کے ساتھ کمرہ عدالت میں داخل ہوئے۔ سرفروشان احرار نے پورے ہائی کورٹ کو اپنے حصار میں لے رکھا تھا۔ عدالت کے دروازے پر ہزاروں فدائین ختم نبوت اور شمع رسالت ﷺ مطلب واضح ہے کہ یہ ظاہر کرنے کی کوشش کی جارہی ہے کہ جب عطاء اللہ شاہ بخاری صاحب کمرہ عدالت میں داخل ہوئے تو ''جاہ وجلال'' کی ایک خاص کیفیت اُن پر طاری تھی۔ اور مجلس احرار کے لاکھوں کارکنان وہاں موجود تھے جنہوں نے کمرہ عدالت کو گھیرے میں لیا ہوا تھا اور وہ بہت جوش میں تھے۔ اُس زمانے میں ویڈیو بنانے کے کم رواج کے باوجود اس ویڈیو میں ان پر جوش کارکنان کی ایک سیاہ اور سفید تصویر دکھائی گئی۔ ظاہری بات ہے ہمیں اس تصویر میں دلچسپی پیدا ہوئی۔ جب اس تصویر کو بڑا کر کے دیکھا تو ہمیں اس میں ایک جم غفیر نظر آرہا ہے۔ اور اس کی وسط میں خواتین کی لائن نظر آرہی ہے۔ یہ خواتین سفید ساڑھیوں میں ملبوس تھیں۔ جب انٹرنیٹ پر چیک کیا گیا تو یہ تصویر تحقیقاتی عدالت کے باہر کھڑے ہوئے کارکنان کی نہیں بلکہ کانگرس کے ایک جلوس کی ہے۔ خواتین کا یہ جلوس 1940ء کی دہائی میں ''ہندوستان چھوڑ دو'' تحریک کے دوران نکالا گیا تھا۔ اس کی تصویر نیشنل گاندھی میوزیم میں بھی محفوظ ہے اور درج ذیل سائٹ پر اسے ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔

/846927/magazine/scroll.in//https:
in-photos-when-gandhis-message-was-a-
mass-movement-from-champaran-to-bombay

ویڈیو میں عطاء اللہ شاہ بخاری صاحب کی کیا گواہی بیان کی گئی ہے؟

ان تمہیدی جملوں کے بعد اس ویڈیو میں تحقیقاتی عدالت میں عطاء اللہ شاہ بخاری صاحب کی گواہی کی تفصیلات بیان کی گئی ہیں۔ اس میں جو کچھ بیان کیا گیا ہے نیچے درج کیا جاتا ہے۔ (مجلس احرار کے حلقوں میں عطاء اللہ شاہ بخاری صاحب کو 'امیر شریعت' کے لقب سے پکارا جاتا ہے۔) ''خواتین وحضرات۔ جسٹس منیر متعصب قادیانی نواز تھا، وہ علماء کو کمرۂ عدالت میں بلا کر بے عزت کر رہا تھا۔ تحریک ختم نبوت کو احرار احمدی نزاع اور فسادات پنجاب کا نام دیتا تھا۔ اسلام کو موضوع بحث بنا کر علماء کا مذاق اُڑا رہا تھا، اور اپنے قادیانی آقاؤں اور محسنوں کو خوش کر رہا تھا۔ لیکن ایک دن وہ اپنی ہی عدالت میں پکڑا گیا۔ اس نے قائد تحریک تحفظ ختم نبوت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری کو عدالت میں طلب کر لیا۔ حکومت نے بیان داخل کرانے کے لئے امیر شریعت کو سکھر جیل سے لاہور سنٹرل جیل منتقل کر دیا۔ محترم ناظرین پیشی کی تاریخ پر امیر شریعت اور ان کے قیدی رفقاء کو سخت پہرہ میں عدالت لایا گیا۔ عدالتی ہرکارے نے آواز لگائی ''سرکار بنام عطاء اللہ شاہ بخاری۔'' محترم ناظرین۔ اب اسیر ختم نبوت امیر شریعت پورے قلندرانہ جاہ وجلال اور ایمانی جرأت ووقار کے ساتھ کمرہ عدالت میں داخل ہوئے، سرفروشان احرار نے پورے ہائی کورٹ کو اپنے حصار میں لے رکھا تھا۔ عدالت کے دروازے پر ہزاروں فدائیان ختم نبوت اور شمع ناموس رسالت ﷺ کے پروانے نعرہ زن تھے ''نعرہ تکبیر! اللہ اکبر! تاج وتخت ختم نبوت! زندہ باد! مرزائیت! مردہ باد!'' امیر شریعت نے عدالت کے دروازے پر کھڑے ہو کر ہتھکڑیاں فضا میں لہرائیں اور ہاتھ سے اشارہ کیا۔ حکم ہوا ''خاموش''۔ تمام مجمع ساکت وجامد ہوا، امیر شریعت عدالت میں داخل ہو گئے۔ محترم ناظرین۔ جسٹس منیر بغض وحسد سے بھرا ہوا، غصہ سے لال پیلا، گردن تنی ہوئی اور تکبر وغرور کا پیکر بنا کرسی پر بیٹھا تھا۔ مرد مومن کے چہرہ انور پر نگاہ پڑی تو اس کی آنکھیں جھک گئیں۔ جسٹس منیر دوسری مرتبہ آنکھ اُٹھا کر دیکھنے کی ہمت نہ کر سکا۔ محترم ناظرین۔ عدالت کی کارروائی شروع ہوئی، امیر شریعت نے اپنا تحریری بیان عدالت میں پیش کیا۔ جسٹس منیر نے ایک نظر بیان کو دیکھا، جسے اس نے منیر انکوائری رپورٹ میں شامل نہیں کیا، اور پھر اپنے مخصوص چبھتے ہوئے انداز میں سوالات کا آغاز کر دیا۔ جسٹس منیر: ہندوستان میں اس وقت کتنے مسلمان ہیں؟ امیر شریعت: سوال

غیر متعلق ہے مجھ سے پاکستان کے مسلمانوں کے بارہ میں پوچھیں۔جسٹس منیر:[تمسخر آمیز لہجے میں]: ہندوستان اور پاکستان میں جنگ چھڑ جائے تو ہندوستان کے مسلمانوں کو کیا کرنا چاہئے ؟امیر شریعت : ہندوستان میں علماء موجود ہیں وہ بتائیں گے ۔جسٹس منیر:[طنز کرتے ہوئے]: آپ بتا دیں ؟ میر شریعت : پاکستان کے بارہ میں پوچھیں، یہاں کے مسلمانوں کو کیا کرنا چا ہئے ۔جسٹس منیر: مسلمان کی کیا تعریف ہے؟امیر شریعت : اسلام میں داخل ہو نے اور مسلمان کہلانے کے لیے صرف کلمۂ شہادت کا اقرار و اعلان ہی کافی ہے لیکن اسلام سے خارج ہونے کی ہزاروں وجوہات ہیں ،ضروریات دین میں کسی ایک کا انکار کفر کے ماسوا کچھ نہیں ،اللہ کی صفاتِ عالیہ میں سے کسی ایک کو بھی انسانوں میں مانا تو مشرک ،قرآن کریم کی کسی ایک آیت یا جملہ کا انکار کیا تو کا فر ،اور نبی کریم ﷺ کے منصب ختم نبوت کے بعد کسی انسان کو کسی بھی حیثیت میں نبی مانا تو مرتد۔جسٹس منیر:[قادیانی وکیل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے]:ان کے بارہ میں کیا خیال ہے؟امیر شریعت : خیال نہیں عقیدہ ہے، جو ان کے بڑوں کے بارہ میں ہے ۔مرزائی وکیل : نبی کی کیا تعریف ہے ؟امیر شریعت : میرے نزدیک اسے کم از کم ایک شریف انسان ہونا چاہیے۔جسٹس منیر:[بدتمیزی کے انداز میں] آپ نے مرزا قادیانی کو کافر کہا ہے ؟ امیر شریعت : میں اس سوال کا آرزومند تھا ،کوئی بیس برس پہلے کی بات ہے ،یہی عدالت تھی جہاں آپ بیٹھے ہیں ۔یہاں چیف جسٹس مسٹر جسٹس ڈگلس ینگ تھے ،اور جہاں مسٹر کیانی بیٹھے ہیں ،یہاں رائے بہادر جسٹس رام لال تھے ۔یہی سوال انہوں نے مجھ سے پوچھا تھا ،وہی جواب آج دہراتا ہوں ،میں نے ایک بار نہیں ہزاروں مرتبہ مرزا کو کافر کہا ہے ،کافر کہتا ہوں ،اور جب تک زندہ رہوں گا کافر کہتا رہوں گا ۔یہ میرا ایمان اور عقیدہ ہے اور اسی پر مرنا چاہتا ہوں ۔مرزا قادیانی اور اس کی ذریت کافر و مرتد ہے ،مسلیمہ کذاب اور ایسے ہی دیگر جھوٹوں کو دعوی نبوت کے جرم میں قتل کیا گیا ۔جسٹس منیر :[غصے سے بے قابو ہو کر دانت پیستے ہوئے]اگر غلام احمد قادیانی آپ کے سامنے یہ دعویٰ کرتا تو آپ اسے قتل کر دیتے ؟امیر شریعت : میرے سامنے اب کوئی دعویٰ کر کے دیکھ لے ۔محترم ناظرین ۔حاضرین عدالت نعرہ تکبیر اللہ اکبر ،ختم نبوت زندہ باد ،مر زائیت مردہ باد ۔کمرہ عدالت نعرہ سے لرز گیا ۔جسٹس منیر نے بوکھلا کر کہا: توہین عدالت ؟امیر شریعت نے جلال میں آ کر فرمایا: توہین رسالت ۔محترم ناظرین جسٹس منیر دم بخود ،خاموش ،مبہوت ،حواس باختہ چہرہ زرد ہوش عنقا پسینہ پونچھنے لگا ۔عدالت امیر شریعت کی جرأت ایمانی اور جذبہ حب رسول ﷺ دیکھ کر سکتہ میں آ چکی تھی ۔امیر شریعت نے گرجدار آواز میں پوچھا ’’ کچھ اور ؟ ‘‘جسٹس منیر پریشانی میں بڑبڑاتے ہوئے ’’میرا خیال ہے ہمیں مزید کچھ بھی نہیں پوچھنا چاہیے ،عدالت برخاست ہوتی ہے ۔‘‘یہی تفصیلات مخالفین جماعت کی اس سائٹ پر بھی ملاحظہ کی جاسکتی ہیں ۔

www.khatm-e-nubuwwat.//http:10/

10Mujahdeen-htm.20-kn/text/LeafLet/org

اصل گواہی کہاں پر پڑھی جا سکتی ہے؟اس ویڈیو میں بیان کردہ روایت کے مطابق عطاء اللہ شاہ بخاری صاحب کمرہ عدالت میں شیر کی طرح گرج رہے تھے ۔عدالت ان کے جوابوں سے بوکھلا گئی تھی ۔بلکہ جسٹس منیر کا رنگ زرد ہو گیا تھا اور یہ جوابات سن کر بالکل حواس باختہ ہو گیا تھا۔حالانکہ کوئی واجبی تعلیم والا بھی ان جوابات کو پڑھ کر اسی نتیجہ پر پہنچے گا کہ ان جوابات میں کوئی ایسی خاص بات نہیں کہی گئی تھی ۔نہ کوئی علمی نکتہ بیان کیا گیا تھا ۔بلکہ اس گواہی کے بہت سے پہلو ایسے تھے جن پر بڑی آسانی سے گرفت ہو سکتی تھی اور تحقیقاتی عدالت کی رپورٹ میں ان پر تبصرہ بھی کیا گیا ہے ۔اس ویڈیو بنانے والوں کو شاید اس بات کا علم نہیں کہ تحقیقاتی عدالت کی ساری کارروائی کی کاپیاں تمام فریقوں کو مہیا کی جاتی تھیں اور جماعت احمدیہ کو بھی مہیا کی گئی تھیں ۔اور یہ کاپیاں محفوظ ہیں ۔اور ان سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اس ویڈیو میں بیان کردہ اکثر حصہ خود ساختہ اور جعلی ہے ۔لیکن شاید جماعت احمدیہ کی پیش کردہ کاپیوں کے متعلق یہ کہہ دیا جاتا کہ ہم انہیں تسلیم نہیں کرتے ۔لیکن اس ویڈیو بنانے والوں کی قسمت بہت خراب تھی ۔اس ویڈیو کے اجراء کے دو ماہ بعد پاکستان کی ایک مشہور یونیورسٹی نے اپنی سائٹ پر اس تحقیقاتی عدالت کا سارا ریکارڈ مہیا کر دیا ۔اور اس ریکارڈ میں عطاء اللہ شاہ بخاری صاحب کی گواہی بھی شامل ہے ۔ہر کوئی اس کو پڑھ کر یہ دیکھ سکتا ہے کہ اس ویڈیو کو بنانے والوں نے لاف وگزاف کا شوق پورا کرنے کے لیے صرف جھوٹ ہی نہیں بلکہ سفید جھوٹ کا

سہارا لیا ہے۔اسے اس سائٹ پر ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔
:ahmaddiyah-reports/anti-/archive.lums.edu.pk//https
اس کے علاوہ اُس وقت تحقیقاتی عدالت کی کارروائی اور گواہیوں کی خبریں اخبارات میں بھی شائع ہو رہی تھیں۔عطاء اللہ شاہ بخاری صاحب کی گواہی کی خبر روزنامہ امروز لاہور کی 7 ستمبر 1953ء کی اشاعت میں اور روزنامہ آفاق کی 8 ستمبر 1953ء کی اشاعت میں شائع ہوئی تھی۔اور روزنامہ آفاق اس شورش کے دوران جماعت احمدیہ کے خلاف نفرت انگیز خبریں اور مضامین شائع کرتا رہا تھا۔اور تحقیقاتی عدالت کی رپورٹ کے مطابق جب پنجاب حکومت نے جماعت احمدیہ کی مخالفت کرنے والے اخبارات کو ''تعلیم بالغاں'' کے فنڈ سے رقوم نکال کر عطا کیں تو ان میں سب سے بھاری رقوم روزنامہ آفاق کو ہی دی گئی تھیں۔(ملاحظہ کریں رپورٹ تحقیقاتی عدالت فسادات پنجاب 1953ء صفحہ 84)۔اس گواہی کی تفصیلات ان اخبارات میں پڑھی جا سکتی ہیں۔ان اخبارات میں کہیں ذکر نہیں کہ اُس وقت عطاء اللہ شاہ بخاری صاحب کو دیکھنے کے لیے لاکھوں لوگوں کا مجمع جمع ہو گیا تھا اور نہ اس بات کا ذکر ہے کہ عطاء اللہ شاہ بخاری صاحب کو زنجیریں باندھی ہوئی تھیں اور انہوں نے ہوا میں ان زنجیروں کو لہرا کر دکھایا۔اور نہ اس بات کا کوئی ذکر ہے کہ بخاری صاحب نے شیر کی طرح گرجنا شروع کیا یا یہ کہ عدالت میں اتنے نعرے مارے گئے کہ عدالت کی مضبوط عمارت نعروں سے لرزنے لگی۔یہ سب لاف و گزاف ''مشت بعد از جنگ'' کی طرح بعد میں گھڑی گئی تھی۔اصل گواہی کیا تھی؟ عطاء اللہ شاہ بخاری صاحب گواہ نمبر ایک کی حیثیت سے پیش ہوئے تھے۔ان کی گواہی پڑھنے سے ظاہر ہو جاتا ہے کہ اس ویڈیو میں بیان کردہ اکثر تفصیلات کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں۔لیکن چونکہ دس لاکھ سے زائد افراد یہ ویڈیو دیکھ چکے ہیں اور دو ہزار سے زائد افراد اس پر واہ واہ کے تبصرے بھی کر چکے ہیں اور کئی کتب میں بھی یہی کہانی بیان کی گئی ہے اس لیے مناسب ہوگا کہ اس گواہی کا حرف بحرف اردو ترجمہ پیش کر دیا جائے تا کہ پڑھنے والے خود موازنہ کر سکیں۔عدالتی کارروائی کا ریکارڈ انگریزی میں ہے۔اس موقع پر یہ سوال و جواب ہوئے۔سوال: پاکستان کے قیام کے بارے میں احرار کا نظریہ کیا تھا؟ بخاری: بحیثیت جماعت احرار پاکستان بننے کے حق میں تھے۔سوال: کیا احرار کے کسی لیڈر نے قائداعظم کے بارے میں ''کافراعظم'' کے الفاظ استعمال کئے تھے؟ بخاری: میں نے سنا ہے کہ مولوی مظہر علی اظہر نے قائداعظم کے بارے میں یہ الفاظ استعمال کئے تھےسوال: پاکستان بننے کے بعد کیا کسی احراری لیڈر نے پاکستان کو ''پلیدستان'' قرار دیا تھا؟
بخاری: مجھے علم نہیں۔سوال: سرگودھا کے اخبار ''بیباک'' کی یکم اپریل 1952ء کی اشاعت میں ایک احراری لیڈر کی یہ تقریر شائع ہوئی ''یہ سچ ہے کہ چودھری افضل حق نے پاکستان کو پلیدستان قرار دیا تھا۔میں اسے دہراتا ہوں کہ انہوں نے وہی کہا تھا جو سچ ہے۔تم بھی اب یہی کہو گے کہ یہ پلیدستان ہے۔مجھے بتاؤ جس ملک میں غریب بھوکے مرتے ہوں اور مزدوروں کا برا حال ہو۔رشوت عام ہو۔کسی کی شکایت نہ سنی جاتی ہو۔یہ پاکستان ہے یا پلیدستان ہے۔'' کیا آپ کو اس کا کوئی علم ہے؟ بخاری: نہیں۔یہ بالکل غلط ہے کہ میں نے قائداعظم کے بارے میں ''کافراعظم'' کے الفاظ استعمال کئے تھے یا میں نے یہ کہا تھا کہ اگر پاکستان بن گیا تو میں پیشاب سے اپنی داڑھی مونچھ منڈوا دوں گا۔حقیقت یہ ہے کہ میں نے جامع مسجد دہلی میں جمعہ کے بعد التجا کی تھی کہ میں قائداعظم سے مل کر ان کے سامنے اپنے نقطہ نظر پیش کرنا چاہتا ہوں۔سوال: کیا آپ پاکستان میں ایک اسلامی ریاست کے قیام کی حمایت کرتے ہیں؟ بخاری: ہاں۔سوال: اس ریاست میں آپ کفار کو کیا حیثیت دیں گے؟ بخاری: اس سوال کا تعلق آئین سازی سے ہے اور اس کے بارے میں پاکستان کے 36 علماء نے ایک قرارداد منظور کی ہوئی ہے۔سوال: کیا آپ کو علم ہے کہ اس قرارداد میں پاکستان میں غیر مسلموں کی حیثیت کے بارے میں کچھ کہا گیا ہے؟ بخاری: جہاں تک مجھے اس قرارداد کے الفاظ یاد ہیں، اس میں کہا گیا تھا کہ قانون ساز اسمبلی میں غیر مسلموں کی سیٹیں ہوں گی اور انہیں کچھ حقوق حاصل ہوں گے۔
سوال: آپ کی رائے میں کیا ایک مسلمان پابند ہے کہ ایک کافر حکومت کی فرمانبرداری کرے؟
بخاری: یہ ممکن نہیں ہے کہ ایک مسلمان ایک غیر مسلم حکومت کا وفادار شہری بن سکے۔سوال: پوری دنیا میں مسلمانوں کی کل کتنی آبادی ہے؟ بخاری: وہ ستر کروڑ کے قریب ہیں۔سوال: ان ستر کروڑ میں سے کتنے اس اسلامی حکومت

کے تحت ہوں گے؟ بخاری: چھ کروڑ کے قریب۔ یہ سارے پاکستان میں ہوں گے۔سوال: باقی 64 کروڑ کا کیا بنے گا؟ بخاری: وہ اپنی قسمت کے بارے میں خود سوچیں۔سوال: کیا آپ کو علم ہے کہ صلیبی جنگوں کے بعد یورپ میں ایسے آئین موجود تھے جن میں اس قسم کے خیالات کی وجہ سے جن کا پرچار آپ کر رہے ہیں، یہ اعلان کیا گیا تھا کہ مسلمان قانون کی رو سے شہریت کے اہل نہیں ہیں۔ بخاری: مجھے پہلے اس کا علم نہیں تھا لیکن چونکہ عدالت ایسا کہہ رہی ہے تو ایسا ہی ہوگا۔اگر دوسری غیر مسلم حکومتیں اپنی ریاست کی بنیاد اپنے مذہب پر رکھیں تو مجھے اس پر خوشی ہوگی۔سوال: خواہ اس کا نتیجہ یہ ہو کہ مسلمان اپنے شہریت کے حقوق کھو بیٹھیں؟

بخاری: بالکل۔اسلامی حکومت میں ذِمّی کے معین حقوق ہوتے ہیں۔میں انہیں بغیر کتاب کے بیان نہیں کر سکتا۔انہیں ریاست کی حفاظت میں قائم کیا جائے گا۔یہ سربراہ حکومت یا مجلس شوریٰ کا اختیار ہوگا کہ وہ انہیں جو چاہے عہدہ دے۔سوال: ہندوستان میں کتنے کروڑ مسلمان رہتے ہیں؟ بخاری: چار کروڑ سوال: کیا آپ کو اس پر کوئی اعتراض ہوگا اگر ان پر منو کے قوانین کا اطلاق کیا جائے اور انہیں کوئی شہری حقوق حاصل نہ ہوں؟ بخاری: میں پاکستان میں ہوں انہیں مشورہ نہیں دے سکتا۔سوال: کیا ان چار کروڑ مسلمانوں کے لیے ممکن ہوگا کہ وہ اپنی ریاست کے وفادار شہری بن سکیں۔ بخاری: نہیں۔سوال: اگر پاکستان اور ہندوستان میں جنگ ہو تو ان کا کیا فرض ہوگا؟ کیا وہ پاکستان کی افواج سے لڑ سکتے ہیں؟ بخاری: انہیں خود فیصلہ کرنا چاہیے کہ ان کا کیا فرض ہے؟ سوال: آپ اس ملک کی مستقبل کی حکومت کے بارے میں کیا مشورہ دیتے ہیں؟

بخاری: میں اس کے بارے میں اپنی رائے کا اظہار نہیں کرنا چاہتا۔یہ علماء کا کام ہے کہ وہ اس کا جواب دیں۔میں ایسی حکومت پسند کروں گا جس کی بنیاد اسلام کے اصولوں پر ہو۔جب تک یہ حکومت اس اصول کے مطابق ہے۔میں اس بات پر برا محسوس نہیں کروں گا کہ اس کی تفصیلات ایک خالص اسلامی ریاست کے مطابق ہیں کہ نہیں ہیں۔سوال: کیا آپ کے نزدیک احمدی کافر ہیں؟ بخاری: یقینی طور پر۔سوال: پاکستان میں ایک اسلامی حکومت قائم ہونے کے بعد ان کافروں سے کیا سلوک ہوگا۔ بخاری: غیر مسلم کی حیثیت سے قانون ساز اسمبلی میں ان کی اپنی نمائندگی ہوگی۔سوال: کیا انہیں اپنے مذہب کی تبلیغ کرنے کی اجازت ہوگی؟ بخاری: میں اس پر کوئی رائے نہیں دیتا۔یہ قانون ساز ادارے کا کام ہے۔سوال: کیا آپ کے نزدیک سیاسی سرگرمیوں کے لیے مساجد کا استعمال جائز ہے؟ بخاری: میں مذہب کو سیاست سے علیحدہ نہیں کرتا۔حقیقت اور افسانے میں کیا فرق ہے؟ دونوں بیانات کا سرسری مطالعہ ہی اس بات کو واضح کر دیتا ہے کہ اس ویڈیو میں ایک جعلی بیان بنا کر عطاء اللہ شاہ بخاری صاحب کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔اور اب اس طرح کا خود ساختہ بیان کئی کتب میں بھی شائع ہوا ہے۔اب ہم اس بات کا جائزہ لیں گے کہ جماعتِ احمدیہ کے مخالفین کو کس نفسیاتی دباؤ کے تحت یہ خلاف واقعہ بیان بنانے کی ضرورت پڑی ہے۔1۔اس ویڈیو کے شروع میں ہی یہ بات بہت زور دے کر کہی گئی ہے کہ جسٹس محمد منیر علماء کے دشمن اور قادیانی نواز تھے۔حقیقیت یہ ہے کہ تحقیقاتی عدالت کی کارروائی کے دوران بار بار جماعت احمدیہ کے مخالف علماء کا باہمی اختلاف سامنے آیا تھا۔ان میں سے کچھ کا ذکر تحقیقاتی عدالت کی رپورٹ میں بھی کیا گیا ہے۔جب عدالت نے ان علماء کو ''مسلمان'' کی تعریف کرنے کو کہا تو ہر عالم نے دوسرے سے مختلف تعریف پیش کی۔کچھ نے سزا کے خوف سے یہ بیان دے دیا کہ آخری دنوں میں جو ''راست اقدام'' کا اعلان کیا گیا تھا، ہمارا اس قدم سے کوئی تعلق نہیں تھا۔خاکسار کے ایک گذشتہ مضمون میں یہ تفاصیل بیان کی گئی ہیں کہ مختلف فرقوں کے علماء جو جماعت احمدیہ کے خلاف اس تحریک میں شامل تھے تحقیقاتی عدالت کی کارروائی کے دوران ایک دوسرے کو کافر قرار دے کر اپنا تماشا خود بنا دیا تھا۔ بلکہ جسٹس محمد منیر صاحب نے تو ان علماء پر یہ مہربانی کی تھی کہ ان فتووں کا ذکر اپنی رپورٹ میں نہیں کیا تھا۔1953ء سے لے کر اب تک یہ علماء اپنی خامیوں پر پردہ ڈالنے کے لیے جسٹس محمد منیر صاحب کو متعصب اور قادیانی نواز قرار دیتے رہے ہیں۔

2۔عطاء اللہ شاہ بخاری صاحب کی صحیح گواہی کے ابتدا میں انہوں نے یہ کہا تھا کہ مجلس احرار بحیثیت جماعت پاکستان کے قیام کے خلاف نہیں تھی۔یہ واضح غلط بیانی تھی۔تحقیقاتی عدالت کی رپورٹ کے مطابق وہ ہمیشہ سے پاکستان کے خلاف رہے تھے۔(ملاحظہ کریں رپورٹ تحقیقاتی عدالت فسادات پنجاب

1953ء صفحہ 10، 11، 272، 273)۔ مجلس احرار نے قرارداد منظور کی تھی کہ ہم نظریہ پاکستان سے کسی صورت اتفاق نہیں کر سکتے۔

(حیات امیر شریعت، مصنفہ جانباز مرزا صفحہ 353)

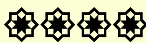
۔3 کیا آزادی سے پہلے یا آزادی کے بعد احراری لیڈروں نے پاکستان کو ''پلیدستان'' قرار دیا تھا کہ نہیں؟ اس سوال کا جواب بھی غلط تھا۔ خود مجلس احرار کا لٹریچر اس بات کا گواہ ہے کہ مجلس احرار کے لیڈر پاکستان کو ''پلیدستان'' قرار دیا کرتے تھے۔

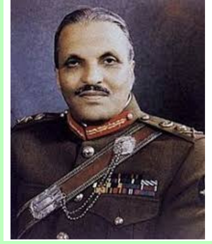
(ملاحظہ کریں خطبات احرار جلد 1، مرتب شورش کاشمیری صفحہ 83)

اور اس کا ایک ثبوت عدالت میں بھی پیش کیا گیا اور بخاری صاحب اس کی کوئی وضاحت پیش نہیں کر سکے۔ 4۔ عطاء اللہ شاہ بخاری صاحب نے عدالت میں کہا کہ کوئی مسلمان کسی غیر مسلم حکومت کا وفادار شہری بن کر نہیں وہ سکتا۔ ہر ذی ہوش یہ محسوس کر سکتا ہے کہ یہ خیالات کروڑوں مسلمانوں کے لیے جو ایسے ممالک میں آباد ہیں جن کی اکثریت مسلمان نہیں ہے زہر کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اور ان کا کہنا تھا کہ اگر دوسرے ممالک اپنے مذہب کی بنیاد پر اپنے قوانین بنائیں تو انہیں خوشی ہوگی، خواہ اس کے نتیجے میں مسلمان شہری حقوق سے بھی محروم ہو جائیں۔ یہ موقف ان کی نفسیات کو ظاہر کرتا ہے۔ ان کے دل میں ان مسلمانوں کے لیے کوئی ہمدردی نہیں پائی جاتی تھی۔

۔5 اصل گواہی کے دوران نہ عدالت نے عطاء اللہ شاہ بخاری صاحب کے روّیہ کو ''توہین عدالت'' قرار دیا اور نہ بخاری صاحب نے عدالت کو ''توہین رسالت'' کا مجرم قرار دیا۔ یہ حصہ محض زیبِ داستان کے لیے بڑھایا گیا ہے۔ اور غالباً اس کے پیچھے یہ نفسیات کارفرما ہے کہ یہ ثابت کیا جائے کہ احرار کے امیر شریعت دلیری کا مظاہرہ کر رہے تھے۔ حالانکہ اصل کارنامہ تو تب ہوتا جب وہ عدالت کے سوالات کے کچھ معقول جوابات دیتے۔ اور کوئی علمی اور قانونی نکتہ بیان کرتے۔ 6۔ اس ویڈیو میں بتایا گیا ہے کہ عدالت عطاء اللہ شاہ بخاری صاحب کے جوابات سے اتنا گھبرا گئی تھی کہ جسٹس منیر صاحب کو عدالت برخاست کرنی پڑی۔ یہ بھی غلط ہے۔ کیونکہ اس گواہی کے بعد غازی سراج الدین منیر صاحب کو گواہی کے لیے پھر بلایا گیا تھا۔ 7۔ اس گواہی کے دوران عطاء اللہ شاہ بخاری صاحب نے اس بات کا اظہار نہیں کیا تھا کہ مدعی نبوت واجب القتل ہے۔ یہ حصہ ویڈیو میں منقول بیان میں خود سے بڑھایا گیا ہے۔ غالباً یہ تحریف بھی اپنی نام نہاد شجاعت کا سکہ جمانے کے لیے کی گئی ہے۔ ویسے تحقیقاتی عدالت کی رپورٹ سے ظاہر ہے کہ جب شجاعت دکھانے کا وقت آیا تو اس شورش کے قائدین سے کسی قسم کی شجاعت کی علامات ظاہر نہیں ہو رہی تھیں۔ ان گزارشات کا خلاصہ یہ ہے کہ تحقیقاتی عدالت میں جماعت احمدیہ کے مخالفین کو بار بار خفّت اُٹھانی پڑی تھی۔ اس احساسِ کمتری کے ہاتھوں مجبور ہو کر کچھ گروہ اس بات پر مجبور ہو جاتے ہیں کہ اس قسم کی غلط بیانی کریں۔ جہاں یہ ضروری ہے کہ اس قسم کی مخالفانہ مہم میں بیان کردہ حقائق کا جائزہ لیا جائے، اس کے ساتھ اس بات کی بھی ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ اس نوعیت کی غلط بیانیوں کے پیچھے جو نفسیاتی اُلجھنیں کارفرما ہوتی ہیں، ان کا تجزیہ بھی ضروری ہے۔ اصل حقیقت تحقیقاتی عدالت کی رپورٹ میں ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔ جب تک پنجاب حکومت سرکاری فنڈز سے مدد کر کے ان فسادات کی سرپرستی کر رہی تھی، تب تک تو پنجاب کے چند شہروں میں یہ شورش پنپتی رہی۔ جونہی قانون حرکت میں آنا شروع ہوا اس شورش کے کچھ قائدین نے معافی ناموں پر دستخط کیے۔ کچھ نے یہ اعلان کیا کہ اس شورش کے آخری مرحلوں میں تو ہمارا کوئی کردار ہی نہیں تھا۔ پنجاب کے جن چند شہروں میں یہ شورش زوروں پر تھی، چند دنوں میں وہاں پر بھی ختم ہوگئی۔ جب تحقیقاتی عدالت میں گواہیاں شروع ہوئیں تو اس شورش کے کئی قائدین نے ایک دوسرے پر الزامات لگانے شروع کر دیئے اور حلف اُٹھا کر یہ بیان دیا کہ اخبارات میں ہمارے سے منسوب جو بیانات چھپے تھے وہ غلط تھے ہم نے تو ایسا کچھ کہا ہی نہیں تھا۔ نفسیات کے ماہرین بتاتے ہیں کہ کئی مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ شیخی بگھارنے والا شخص اپنی خامی کو چھپانے کے لیے ایسا روّیہ اختیار کر رہا ہوتا ہے۔ مثلاً ایک بزدل شخص اس خامی پر پردہ ڈالنے کے لیے اپنی بہادری کے غلط سلط قصے سنا کر متاثر کرنے کی کوشش کرے گا۔ اس ویڈیو کے پیچھے یہی نفسیات کارفرما نظر آتی ہے۔

(بحوالہ الفضل انٹرنیشنل لندن مورخہ جولائی 2020)





انی مہین من اراد اھانتک

مکرم چوہدری صفدر نذیر گولیکی ۔(ربوہ)



جو خدا کا ہے اسے للکارنا اچھا نہیں

ہاتھ شیروں پر نہ ڈال اے روبہ زار و نزار

ضیاء الحق فرعون زمانہ اور اس کا انجام

جولائی 1977ء میں مسٹر بھٹو کی پیپلز پارٹی خاصی اکثریت کے ساتھ ایک بار پھر اقتدار میں آ گئی تھی۔مخالفت سیاسی جماعتوں کو شکایت تھی کہ الیکشن کے دوران دھاندلی ہوئی ہے۔وہ سڑکوں پر نکل آئی تھیں۔ہنگامے ہو رہے تھے۔ مخالف جماعتوں اور مسٹر بھٹو کے درمیان گفت و شنید جاری تھی بالآخر باہم ایک معاہدہ طے پا گیا جس پر بھٹو اس بات پر آمادہ ہو گئے تھے کہ پیپلز پارٹی قومی اسمبلی کی کچھ نشستیں خالی چھوڑ دے۔اس طرح اس شکایت کا ازالہ بھی مقصود تھا کہ الیکشن میں تصرف ہوا ہے معاہدہ تحریر میں لایا جا رہا تھا اور جلد اس کا علاج ہونے والا تھا۔

صبح کے چھ بج رہے تھے کہ جنرل ضیاء الحق کمانڈر انچیف بری افواج پاکستان نے اچانک اقتدار پر قبضہ کر لیا اور مسٹر بھٹو ان کے وزیروں اور نو جماعتی حزب اختلاف کے تمام لیڈروں کو گرفتار کر لیا گیا۔جنرل ضیاء اور پانچوں علاقائی کمانڈروں نے مارشل لاء کا اعلان کر دیا جنرل ضیاء نے اعلان کیا کہ نئے انتخابات 90 دن کے اندر اندر کروا دیے جائیں گے شروع شروع میں تو لوگ پر امید تھے وہ سمجھتے تھے کہ جنرل ضیاء سچ بول رہا ہے اور حقیقتا چاہتا ہے کہ ملک سے رشوت ستانی اور بددیانتی کا خاتمہ ہو۔اور پاکستان جلد سے جلد پارلیمانی جمہوریت کی طرف واپس آ جائے۔

سپاہی بالعموم اپنی زندگی سیدھے سادھے ضابطوں اور قواعد کے تحت گزارنے کے عادی ہوتے ہیں۔وہ احکامات بجالاتے ہیں اور ملک کی حفاظت کرتے وقت وہ طاقت کے بل بوتے پر اپنی جیبیں بھرنے میں نہیں لگ جاتے اس لئے یہ چنداں تعجب کی بات نہیں کہ وہ بددیانت اور موقع پرست سیاستدانوں کو بنظر حقارت دیکھیں اور دعویٰ کریں کہ وہ ملک کا نظم و نسق سیاستدانوں کی نسبت بدرجہ بہتر طریق چلا سکیں گے۔

کہتے ہیں مطلق طاقت مطلقاً بددیانت بنا دیتی ہے۔کم از کم یہ قول جنرل ضیاء الحق کے متعلق تو حرف بحرف سچا ثابت ہوا۔نوے دن ختم ہو گئے انتخابات نہ ہوئے۔نئے وعدوں پر وعدے ہوتے چلے گئے یہاں تک جنرل ضیاء کے ساتھی جنرل بھی بالآخر پکار اٹھے کہ جنرل ضیاء نے انہیں اُلّو بنا دیا ہے۔

جنرل ضیاء نے ایک جمہوری حکومت کا تختہ الٹا تھا یہ حکومت کتنی ہی بددیانت کیوں نہ ہو۔تھی تو جمہوری۔ اس لیے عالمی رائے عامہ نے ضیاء کے اس فعل کی جی بھر کر مذمت کی اور ان حالات میں جنرل ضیاء کی کوشش یہ تھی کہ کسی نہ کسی طرح اس کی ناجائز حکومت کو جواز کا مامہ پہنایا جا سکے اس نے اس مشکل کا حل بڑی آسانی اور چابک دستی سے یہ ڈھونڈ نکالا اور پاکستان میں بقول خود اسلام کا نفاذ کر دیا۔(اک مرد خدا ص 308307)

بدنام زمانہ ارڈیننس

جمعرات کا دن تھا اور 26 اپریل انیس سو چوراسی کی تاریخ جب حکومت پاکستان کے گزٹ میں صدر پاکستان جنرل ضیاء الحق کی طرف سے مارشل لاء کا بدنام زمانہ آرڈیننس نمبر 20 جاری کیا گیا تھا کہ احمدیوں کو خواہ وہ قادیان کی جماعت سے تعلق رکھتے ہوں یا لاہوری جماعت سے ان کی اسلام دشمن سرگرمیوں سے باز رکھا جائے اس آرڈینسق کے الفاظ یہ تھے

''ہرگاہ کہ یہ ضروری ہو گیا ہے کو احمدیوں کو خواہ قادیانی جماعت سے تعلق رکھتے ہوں یا لاہوری جماعت سے انہیں ان کی اسلام دشمن سرگرمیوں سے روکا جا سکے اور ہرگاہ صدر پاکستان کو اطمینان ہے کہ ایسے وجود موجود ہیں جن کی وجہ سے اس بارے میں فوری اقدامات ناگزیر ہو گئے ہیں لہذا 5 جولائی 1977ء کے اعلان اور ان کے اختیارات کے ماتحت جو صدر پاکستان کو اس

اعلان کے ذریعہ حاصل ہوئے ہیں صدر پاکستان مندرجہ درج ذیل فرمان کا اجراء اور نفاذ کرتے ہوئے خوشی محسوس کرتے ہیں۔

(1) یہ آرڈیننس قادیانی گروپ، لاہوری گروپ اور احمدیوں کی خلاف اسلام سرگرمیوں (امتناع وتعزیر) آرڈیننس 1984 کے نام سے موسوم ہوگا

(2) یہ فی الفور نافذ العمل ہوگا۔آرڈیننسل عدالتوں کے احکام اور فیصلوں پر غالب ہوگا اس آرڈیننس کے احکام کسی عدالت کے کسی حکم یا فیصلے کے باوجود مؤثر ہوں گے۔ ایکٹ نمبر 45 بابت 1880ء میں نئی دفعات۔

298۔ب اور 298۔ج کا اضافہ

مجموعہ تعزیرات پاکستان (ایکٹ نمبر 45۔ 1860ء کے باپ 15 میں) دفعہ 298 الف کے بعد حسب ذیل نئی دفعات کا اضافہ کیا جائے گا۔

یعنی 298۔ب بعض مقدس شخصیات یا مقامات کے لیے مخصوص القاب اوصاف یا خطابات وغیرہ کا ناجائز استعمال۔

(1) قادیانی گروپ یا لاہوری گروپ (جو خود کو احمدی یا کسی دوسرے نام سے موسوم کرتے ہوں) کا کوئی فرد جو الفاظ کے ذریعے وہ زبانی ہو یا تحریری یا نظر آنے والی کسی علامت کے ذریعے،

الف۔خلفاء راشدین یا حضرت محمد ﷺ کے صحابی کے علاوہ کسی اور شخص کو امیر المومنین یا خلیفہ المسلمین یا صحابی رضی اللہ کہہ کر پکارے۔

ب۔حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ازواج مطہرات کے علاوہ کسی اور کو ام المومنین کے نام سے سے یاد کرے یا مخاطب کرے ج۔ اہل بیت کے علاوہ کسی فرد کو اہل بیت کہہ کر یاد کرے یا مخاطب کرے۔

د۔اپنی عبادت گاہ کو مسجد کے نام سے یاد کرے یا پکارے

تو اسے کسی ایک قسم کی سزائے قید اتنی مدت کے لیے دی جائے گی جو تین سال تک ہوسکتی ہے اور جرمانہ کا بھی مستوجب ہوگا

ہ۔قادیانی گروپ یا لاہوری گروپ (جو خود کو احمدی یا کسی دوسرے نام سے موسوم کرتے ہوں) کا کوئی شخص جو زبانی یا تحریری الفاظ کے ذریعے یا کسی مرئی طریقے سے اپنے مذہبی عبادت کے لیے بلانے کے طریقے یا طرز کو اذان کہہ کر یاد کرے یا اس طرح اذان دے جس طرح مسلمان اذان دیتے ہیں تو اسے ایک ہی قسم کی سزائے قید اتنی مدت کے لئے دی جائے گی جو تین سال تک ہوسکتی ہے اور وہ جرمانے کا بھی مستوجب بھی ہوگا

298۔ج۔قادیانی گروپ وغیرہ کا کوئی شخص جو خود کو مسلمان کہے یہ اپنے مذہب کی تبلیغ یا تشہیر کرے

قادیانی گروپ یہ لاہوری گروپ جو (خود کو احمدی یا کسی دوسرے نام سے موسوم کرتے ہیں) کا کوئی شخص جو بالواسطہ یا بلاواسطہ خود کو مسلمان ظاہر کرے یا اپنے مذہب کو اسلام کے طور پر موسوم کرے یا منسوب کرے یا الفاظ کے ذریعہ زبانی ہو یا تحریری یا کسی مرئی طریقے سے اپنے مذہب کی تبلیغ یا ترود کرے یا دوسروں کو اپنا مذہب قبول کرنے کی دعوت دے یا کسی بھی طریقے سے مسلمانوں کے مذہبی احساسات کو مجروح کرے تو اس کو کسی ایک قسم کی سزائے قید اتنی مدت کے لئے دی جائے گی جو تین سال تک ہوسکتی اور وہ جرمانہ کا بھی مستوجب ہوگا۔

داغ ہجرت (الہام 18 ستمبر 1894ء)

اس آرڈیننس کے بعد جماعت احمدیہ کے افراد پر اس قدر سختی شروع کردی کہ دیکھتے دیکھتے جیلوں میں ہزاروں جماعت احمدیہ کے افراد کو ڈال دیا گیا اور ہر وہ شخص سے جو اپنے آپ کو احمدی کہتا اور اسلام علیکم کہتا، یا اس کے گھر پر کلمہ طیبہ لکھا ہوتا ان کو پکڑا اور ان کے خلاف کارروائی کی گئی ایسی صورت میں حضور انور کا پاکستان میں رہنا مشکل تھا کیونکہ اگر وہ اپنے آپ کو خلیفۃ المسیح امیر المومنین نہیں کہلا سکتے اور کلمہ طیبہ پڑھ نہیں سکتے اسلام علیکم نہیں کہہ سکتے تو ہر وقت بہت پریشانی کا موجب تھا حضور انور نے خدائی اشارات و بشارات کے ماتحت پاکستان سے سے ہجرت کی اور اللہ تعالی کے فضل اور اس کے فرشتوں کے جلو میں آپ کی خیریت ہے لندن پہنچ گئے ،فرعون زمانہ کو اس بات کا علم ہوا تو اس کا غصہ اور زیادہ بڑھا اور اس نے افراد جماعت احمدیہ پر زندگی تنگ کرنا شروع کردی

حضور انور کی بروقت ہجرت نہایت ہی بابرکت ثابت ہوئی اس کی وجہ سے جماعت احمدیہ دن دگنی اور رات چوگنی ترقی کی اور یوں حضرت مسیح موعود علیہ الصلاۃ والسلام کا الہام داغ ہجرت بڑی شان سے پورا ہوا۔اس ترقی کی چند جھلکیاں بھی میں پیش کروں گا ووں ہجرت کے بعد حضور نے ایک مباہلہ کا چیلنج دیا جس کے نتیجہ میں یہ فرعون پاکستان پاکستان کی فضاؤں میں جل کر راکھ ہوگیا

ائمۃ التکفیر والمکذبین کو مباہلہ کا چیلنج

حضورانور نے یکے بعد دیگرے تین چار خطبات پاکستان کے حالات کے متعلق ارشاد فرمائے 10 جون 1988 اسی کا خطبہ جس میں مباہلہ کا ذکر کیا گیا تھا حضور نے ارشاد فرمایا اور سورہ آل عمران آیت 62 کی تلاوت فرمائی فرمایا ''گزشتہ دو خطبات میں میں یہ مضمون بیان کر رہا ہوں کہ گزشتہ چند سالوں میں جماعت احمدیہ کے معاندین اور مخالفین اور مکذبین خصوصاً علماء کے اس گروہ نے جو ائمۃ تکفیر کہلانے کے مستحق ہیں ظلم اور افتراء اور تکذیب اور استہزاء اور تخفیف اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تذلیل کرنے کی کوشش میں تمام حدیں توڑ دی ہیں۔اور انسانی تصور میں جتنی بھی حدیں ممکن ہیں شرافت ونجابت کی ان سب سے تجاوز کر گئے ہیں اور مسلسل پاکستان میں ہر روز کوئی نہ کوئی جھوٹ اور افتراء حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور جماعت پر گھڑا جاتا ہے۔۔۔یہ معاملہ اب اس قدر حد سے تجاوز کر گیا ہے اور اس طرح جماعت احمدیہ کے سینے چھلنی اور اس طرح ان کی روحیں اس کذب وافتراء کی تعفن سے بیزار ہیں اور مبتلاء رہی ہیں اور اس طرح اپنی بے بسی پر وہ خدا کے حضور گریہ کناں ہیں اور کوئی دنیا کے لحاظ سے ان کی پیش نہیں جاتی ان کے دلوں کی آواز حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کے اس مصرع کی مصداق ہے

ے حیلے سب جاتے رہے ایک حضرت تواب ہے۔

پس اب ظلم کی اس انتہا کے بعد باوجود اس کے بار بار اس قوم کو ہر رنگ میں سمجھانے کی کوشش کی اب میں مجبور ہو گیا ہوں کے مکفرین اور مکذبین اور ان کے سر براہوں اور ان کے آئمہ کو قرآن کریم کے الفاظ میں مباہلہ کا چیلنج دوں یا کہنا چاہیے کہ قرآن کریم کی تعلیم کے مطابق حق وصداقت میں امتیاز کرنے کی خاطر مباہلہ کا چیلنج دوں۔''

حضور نے گزشتہ حالات بیان فرمائے پھر جماعت احمدیہ کے خلاف اخبارات میں شائع ہونے والی غلط بیانیوں کا ذکر فرمایا۔''قادیانیت علام اسلام کے لئے ایک سرطان ہے'' یہ جنرل ضیاء الحق کا بیان ہے۔۔فرمایا میرے متعلق جوامت کے بزرگ کہلانے والوں نے ہرزہ سرائیاں کی ہیں ان کی بڑی لمبی فہرست ہے پھر اس کے چند نمونے پیش کیئے ۔۔۔۔کشمیر کے حوالے سے بھی بات کی پھر فرمایا چنانچہ اوجڑی کیمپ میں جو نہایت دردناک بلاٹوٹی اور خطرناک آسمانی عذاب کی صورت میں خدا کی تقدیر بھیانک طور پر ظاہر ہوئی ہے اس پر بھی ان علماء کو ہوش نہیں آرہی اور استغفار کی طرف توجہ مائل نہیں ہو رہی ۔۔۔۔۔اور کہہ دیا کہ راولپنڈی کا سانحہ قادیانیوں کے منظم سازش کا نتیجہ ہے۔۔۔۔۔وغیرہ وغیرہ اس کے بعد حضور نے وہ مباہلہ کی تحریر پڑھ کر سنائی اور بڑی تفصیل سے اپنی باتوں کو اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دعاوی کو پیش کیا۔اور آخر پر فرمایا

''یہ دعا کرتے ہیں کہ ہم میں سے جو فریق جھوٹا اور مفتری ہے اس پر اپنا غضب نازل فرما اور اس کو ذلت اور نکبت کی مار دے کر اپنے عذاب اور قہری تجلیوں کا نشانہ بنا اور اس طور سے اس کو اپنے عذاب کی چکی میں پیس اور مصیبتوں پر مصیبتیں ان پر نازل کر اور بلاؤں پر بلائیں ڈال دے کہ دنیا خوب اچھی طرح دیکھ لے کہ ان آفات میں بندے کی شرارت اور بغض کا دخل نہیں ہے بلکہ محض خدا کی غیرت اور قدرت کا ہاتھ ہے یہ سب عجائب کا کام دکھلا رہا ہے اس رنگ میں جھوٹے گروہ کو سزا دے کے اس سزا میں انسانی مکروفریب کے ہاتھ کا کوئی دخل نہ ہو۔۔۔آمین یارب العالمین ہم ہیں فریق اول جماعت احمدیہ کے سربراہ تمام دنیا کے ہر مرد وزن کی نمائندگی میں ہر چھوٹے بڑے کی نمائندگی میں۔۔۔''یہ آخری چیلنج ہے اس کے بعد ہماری حجت کی ساری راہیں بند ہو جاتی ہے پھر خدا کی تقدیر کے فیصلے کا انتظار باقی رہ جاتے ہیں۔ جو اس صدی کے آخر کے دن ہیں میں جماعت کو تلقین کرتا ہوں تقویٰ کے ساتھ،خدائی خوفی کے ساتھ دعائیں کرتے ہوئے گریہ آوزاری کرتے ہوئے کرتے ہوئے یہ دعائیں کرتے ہوئے گزاریں کہ اگر خدا نے غضب ظاہر کرنے کا فیصلہ فرمایا ہے تو محض مکذبین کے سرداروں اور انگروہوں کے نمایاں کرداروں پر خدا کا غضب ٹوٹے اور عوام الناس بچارے جو پہلے ہی ظلموں کی چکی میں طرح طرح سے پیسے جا رہے ہیں ان کو خدا تعالی اس غضب سے بچالے'' پھر آخر میں حضور نے روحانی خزائن جلد 3 صفحہ 191-190 کا حوالہ بیان فرمایا ہے جس کے آخر میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام فرماتے ہیں ''میں سچ کہتا ہوں یہی حال ہے زمانے کی جفا کار منکروں کا ہوگا ہر ایک شخص اپنی زبان اور قلم اور ہاتھ کی شامت سے پکڑا جائے گا جس کے کان سننے کے ہیں سنے''

حضور انور کی نظم کے اشعار

مرد حق کی دعا

دو گھڑی صبر سے کام لو ساتھیو! آفت ظلمت و جور ٹل جائے گی
آہ مومن سے ٹکرا کے طوفان کا رخ پلٹ جائے گا،رت بدل جائے گی

تم دعائیں کرو یہ دعا ہی تو تھی جس نے توڑا تھا سر کر نمرود کا
ہے ازل سے یہ تقدیر نمرودیت آپ ہی آگ میں جل جائے گی
یہ دعا ہی کا تھا معجزہ کے عصا، ساحروں کے مقابل بنااژدھا
آج بھی دیکھنا مردحق کی دعا ،ساحر کی ناگنوں کو نگل جائے گی
خونِ شہیداں امت کااے کم نظر ،رائیگاں کب گیا تھا کہ اب جائے گا
ہر شہادت تیرے دیکھتے دیکھتے پھول پھل لائے گی پھول پھل جائے گی
تیرے پاس کیا گالیوں کے سوا۔ ساتھ میرے ہے تائید رب الوریٰ
کل چلی تھی جولیکھو پہ تیغ دعا، آج بھی اذن ہوگا تو چل جائے گی
دیر اگر ہو تو اندھیر ہرگز نہیں قول املی لھم ان کید متین
سنت اللہ ہے ۔لاجرم بالیقین ،بات ایسی نہیں جو بدل جائے گی
یہ صدائے فقیرا نہ حق آشنا پھیلتی جائے گی شش جہت میں سدا
تیری آواز ہےاے دشمن بد نوا ، دو قدم دو تین پل جائے گی
عصر بیمار کا ہے مرض لا دوا کوئی چارہ نہیں دعا کے سوا
اور غلام مسیح الزماں ہاتھ اٹھا،موت بھی آ گئی ہو تو ٹل جائے گی

اس نظم کا ایک ایک لفظ پیشگوئی کا رنگ رکھتا ہے احمدیوں کے دل جواں ہو گئے اورامیدیں بلند ہوگئیں خدا کی راہ میں تکالیف اٹھانے میں مزے آنے لگے اور اللہ کی تقدیر کا انتظار کرنے لگے

مباہلے کے نشانات کا آغاز اور دعا کی تحریک

ایک اور خطبہ جمعہ فرمودہ 5 اگست 1988 ءبمقام بیت الفضل لندن فرمایا’’گزشتہ کچھ عرصہ سے مباہلے کے مضمون کی گرم بازاری ہے ہر طرف اس کا چرچہ ہے اوراسی کی باتیں ہورہی ہیں دنیا بھر کے معاند علماء کی طرف سے اس سلسلے میں کئی قسم کے تبصرے شائع ہو چکے ہیں۔کئی قسم کی تعلّی کی باتیں وہ کہہ رہے ہیں اوراپنے رنگ میں یہ اعلان بھی کر رہے ہیں کہ انہوں نے مباہلہ کا چیلنج قبول کرلیا ہے لیکن جب آپ ان کے بیانات کا جائزہ لیتے ہیں تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ اگرچہ عنوان یہ لگایا مباہلہ منظورلیکن بیان میں فرار کے راستے کھول دیتے ہیں اور ایسی عبارتیں داخل کردی جاتی ہیں جن کی راہ سے وہ بعد میں یہ کہہ سکیں کہ ہم نے مباہلہ منظورتو کیا تھا مگرشرط کے ساتھ کیا تھااور چونکہ یہ شرط موجودنہیں اس لئے مباہلہ ابھی وہ مباہلہ قرار نہیں دیا جا سکتا۔‘‘

آخر میں فرمایا’’حضرت مسیح موعودعلیہ الصلاۃ والسلام نے مباہلہ کا چیلنج کی دیا تھا توبعض علماء مرے۔لیکن ان کے متعلق یہ باتیں بعد میں پتہ چلیں کہ اس وقت موت آئی جب وہ اپنے ہاتھ سے مباہلے کے چیلنج کی منظوری کولکھ کراس پر دستخط کر رہے تھےتواس قسم کی باتیں اللہ تعالی کی تقدیر بعد میں کھولے گی لیکن میں آپ کو یہ بتا دیتا ہوں کہ خدا کی چکی حرکت میں آ چکی ہے اور جب خدا کی تقدیر کی چکی حرکت میں آ جائے تو کوئی نہیں جو اس کوروک سکے۔اور کوئی دنیا کی طاقت نہیں ہے کہ جب خدا چاہے کہ اس چکی میں پیسا جائے تو اس چکی کے عذاب سے بچا سکے۔اس لئے استغفار کا وقت ہے دعاؤں کا وقت ہے ابتہال کا وقت ہے۔اور ہمیشہ خدا کے حضور گریہ وزاری کرتے ہوئے اپنے گناہوں کی بھی بخشش مانگیں اور جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے قوم کے لیے دعا کریں اللہ تعالی ان کی اکثریت کو ہدایت دے اور اپنے عذاب سے بچائے۔‘‘

خدا کی چکی چل گئی

17 اگست 1988ءکو جنرضیاءالحق اپنے نو جنرلوں کے ساتھ بہاولپور سے اسلام آباد جاتے ہوئے (سی ون 30) خدا کی قہری تجلی کا نشانہ بن گیا اور طیارہ کو فضا میں آگ لگ گئی اور تمام لوگ جل کر راکھ ہو گئے اور آج تک 32 سال گزرنے پر بھی طیارے کے تباہ ہونے کی وجہ معلوم نہیں ہوسکی یہ وہ فرعون تھا جس نے بھٹوکو پھانسی دی اور کسی کی نہ سنی لیکن جب اپنی موت آئی تو اللہ نے اس کی بھی ایک نہ سنی اور خلیفۃ المسیح کی ساری دعائیں سنیں گئیں

جب سے حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ بیرون ملک تشریف لے گئے اس وقت سے جماعت کی ترقی کو پر لگ گئے اور دیکھتے دیکھتے اللہ تعالی نے ترقی کی ایسی راہیں پیدا فرمادیں جس کے بارے میں چند دہایاں پہلے سوچ بھی نہیں سکتے تھے 212 مما لک میں جماعت کا قیام ،ایم ٹی اے کا گلوبل دنیا پر راج ،کروڑوں افراد کی جماعت میں شمولیت، مساجد ،مشن ہاؤسز ،جامعات کا قیام ،قرآن کریم کے تراجم ،گویا ہرلحاظ سے ترقی ہے۔

یہ روز کرمبارک سبحان من یرانی





سعودی عرب اور خلافت عثمانیہ اور علمائے سُو، امام مہدی علیہ السلام کا ظہور

عاصی صحرائی

پہلی جنگ عظیم کے دوران حجاز سمیت موجود سعودی عرب کا علاقہ بھی سلطنتِ عثمانیہ کا حصہ تھے۔ اور سلطنتِ عثمانیہ جرمنی کا ساتھ دے رہی تھی۔ اس سلطنت کو کمزور کرنے کے لیے برطانیہ اور اس کے ساتھی کوشش کر رہے تھے کہ کسی طرح عرب ترکی کی سلطنتِ عثمانیہ کے خلاف کھڑے ہو جائیں۔ اس وقت نجد کے علاقے پر سعودی خاندان اور حجاز پر شریفِ مکہ کی حکومت تھی۔ برطانیہ کے ایجنٹوں نے شریفِ مکہ سے تو روابط بڑھائے اور اپنے ایجنٹ لارنس کو استعمال کر کے شریفِ مکہ سے سلطنتِ عثمانیہ کے خلاف بغاوت کرائی۔ لیکن اس کے ساتھ ان کے ایجنٹ سعودی خاندان سے بھی مستقل رابطے رکھ رہے تھے۔ سب سے پہلے یہ رابطہ کیپٹن ولیم شیکسپیئر کے ذریعہ ہوا جو کویت میں برطانیہ کے پولیٹکل ایجنٹ تھے انہوں نے 1910ء میں نجد کے فرمانروا عبدالعزیز بن عبدالرحمن ابنِ سعود سے ملاقات کی اور دونوں میں دوستی اور ملاقاتوں کا آغاز ہوا۔ ولیم شیکسپیئر نے ابنِ سعود کو برطانیہ کی حمایت کے لئے آمادہ کیا۔ اور برطانیہ کو ان کی مدد کی ضرورت اس لئے تھی تاکہ انہیں دوسری مسلمان حکومتوں کے خلاف جنگ کرنے پر آمادہ کیا جا سکے۔ 1915ء میں سعودی خاندان اور سلطنتِ برطانیہ کے مابین ایک معاہدہ طے پایا جس میں سعودی ریاست کو سلطنتِ برطانیہ کی ایک Protectorate کی حیثیت حاصل ہوگئی۔ برطانیہ کی نمائندگی پرسی کوکس (Percy Cox) کر رہے تھے۔ اس معاہدے کی اوّل شرط میں درج تھا کہ سعودی فرمانروا اپنا جانشین نامزد کریں گے لیکن کسی ایسے شخص کو جانشین نامزد نہیں کیا جائے گا جو کسی طرح بھی برطانوی سلطنت کی مخالفت کرتا ہو اور معاہدے میں یہ درج تھا کہ اگر سعودی ریاست پر کسی نے حملہ کیا تو برطانیہ جس حد تک اور جس طرح مناسب سمجھے گا ان کی مدد کرے گا۔ ابنِ سعود کا خاندان کسی اور قوم یا طاقت کے ساتھ کوئی خط و کتابت یا معاہدہ نہیں کرے گا۔ اور اگر کوئی اور حکومت ان سے رابطہ کرے گی اس کی اطلاع فوری طور پر برطانیہ کو دی جائے گی اور سعودی خاندان اپنے علاقے میں کسی اور ملک کو مراعات نہیں دے گا۔ اس معاہدے کا فائدہ یہ ہوا کہ ابنِ سعود کے خاندان کو سلطنتِ برطانیہ سے پانچ ہزار پاؤنڈ کی مدد اور ہتھیار ملنے لگے اور پھر برطانوی سلطنت کی خواہش کے مطابق سعودی خاندان نے اپنے ہمسائے میں ابنِ رشید کی حکومت سے جنگ شروع کی اور انہیں شکست دی۔ جیسا کہ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں اس وقت حجاز پر جس میں مدینہ منورہ اور مکہ مکرمہ بھی ہیں، شریفِ مکہ کی حکومت تھی۔ ابنِ سعود سمجھتے تھے کہ وہ اس علاقہ پر قبضہ کر سکتے ہیں لیکن شریف مکہ کو برطانوی حکومت کی حمایت حاصل تھی اور وہ برطانوی حکومت سے کثیر مالی مدد بھی پاتے تھے۔ ابنِ سعود نے برطانوی حکّام کے سامنے اس بات کا اظہار بھی کیا تھا۔ لیکن ایک ایسا واقعہ ہوا جس نے شریفِ مکہ اور برطانیہ کے تعلقات پر بُرا اثر ڈالا۔ شریفِ مکہ فلسطین میں یہودیوں کی بڑھتی ہوئی آمد کو قبول کرنے کے لیے تیار نہیں تھے اور وہ مستقبل میں بالفور اعلانیہ کے نتیجے میں پیدا ہونے والے حالات کو دیکھ رہے تھے۔ پہلی جنگِ عظیم کے بعد 1921ء میں مشہور برطانوی ایجنٹ لارنس ایک معاہدے کا مسوّدہ لے کر شریفِ مکہ کے پاس آئے۔ اس میں شریفِ مکہ کے لیے بہت سی مالی اور فوجی مدد کا عہد تھا اور انہیں اس مدد کی اشد ضرورت بھی تھی لیکن ایک شرط یہ بھی تھی کہ شریف مکہ فلسطین میں برطانوی مینڈیٹ کو تسلیم کر لیں۔ اس کا نتیجہ یہ نظر آ رہا تھا کہ فلسطین میں یہودیوں کا عمل دخل بڑھتا جائے گا۔ شریف مکہ نے اس بات پر اصرار کیا کہ برطانیہ فلسطین کے بارے میں اپنے وہ وعدے پورے کرے جو اس نے اپنی پہلی جنگِ عظیم کے دوران کئے تھے۔ لارنس نے انہیں آمادہ کرنے کی کوشش کی کہ فلسطین کے مسئلہ سے ان کا تعلق نہیں۔ لیکن انہوں نے اس بات کو گوارا نہ کیا کہ اس طرز پر فلسطین کے مفادات کا سودا نہ کیا جائے۔ ان کے اس اصرار نے انگریز حکومت کو ان کے خلاف کر دیا۔ اب عبدالعزیز محسوس کرتے تھے کہ ان کے لئے میدان خالی ہے۔ اب وہ حجاز پر قبضہ کر کے اپنی سلطنت کو مزید وسیع کر سکتے تھے۔ 1924ء میں انہوں نے حجاز پر حملہ کر دیا۔ جب طائف پر قبضہ ہوا تو سعودی افواج نے کا

فی قتل و غارت کی۔شریف مکہ نے مدد کے لئے بار بار برطانوی سلطنت سے اپیل کی لیکن سب بے سود۔اس اختلاف کے بعداب برطانوی حکومت ان کی مدد کے لیے تیار نہیں تھی۔ان کی افواج عبدالعزیز کی افواج کے سامنے شکست کھاتی گئیں۔اس طرح موجودہ سعودی عرب وجود میں آیا۔اس ابتدائی تاریخ کے جائزے سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ شروع ہی سے سعودی فرمانرواؤں اور برطانوی حکومت کے قریبی تعلقات تھے۔انہوں نے اپنی ریاست کے لیے یہ درجہ قبول کیا تھا کہ اسے برطانوی حکومت کی Protectorate کا درجہ حاصل ہو۔اور یہاں تک معاہدہ کیا کہ کسی ایسے شخص کو ولی عہد نہیں مقرر کیا جا ئے گا جو برطانوی حکومت کے خلاف ہو۔اور سعودی حکومت کسی اور حکومت سے خط و کتابت تک نہیں کرے گی اور کسی اور ملک کو اپنی زمین پر مراعات نہیں دے گی۔اور وہ سالہا سال برطانوی حکومت سے مالی مدد اور اسلحہ لیتے رہے اور اس کے ساتھ انہوں نے کبھی بھی کسی غیر مسلم حکومت سے کوئی جنگ یا جہاد نہیں کیا بلکہ ہمیشہ مسلمان حکومتوں سے جنگ کرتے رہے اور ایسا برطانوی حکومت کے منشا کو پورا کرنے کے لئے بھی کیا گیا اور جب حجاز کے حکمران نے اس وجہ سے برطانیہ سے معاہدہ کرنے سے انکار کیا کہ اس ک شرائط میں برطانیہ کا فلسطین پر مینڈیٹ تسلیم کرنا پڑتا تھا اور اس سے لازماً یہودیوں کو اس بات کا موقع مل جاتا تھا کہ وہ فلسطین میں قدم جمائیں اور بعد میں عملاً ایسا ہی ہوا تو عبدالعزیز نے اس موقع کو غنیمت جانتے ہوئے شریف مکہ کی ریاست پر حملہ کیا اور ان کی حکو مت کا خاتمہ کر دیا۔اس کے بعد کی تاریخ بھی اس ابتدائی تاریخ سے مختلف نہیں لیکن اس معروف تاریخ کی تفصیلات میں جانے کی ضرورت نہیں (تفصیلات کے لیے دیکھیں

The Britain and Saudi Arabia,1939-1925

The Imperial Oasis by Clive Leather dale page 372

The Kingdom by Robert Lacey,168-188

حقیقت تو یہ ہے کہ خود الزام لگانے والی حکومت کو برطانوی سلطنت نے کھڑا کیا تھا اور حجاز پر قبضہ کرنے کے بعد سعودی حکومت قانونی طور پر سلطنتِ برطانیہ کی Protectorate کی حیثیت سے چلتی رہی تھی اور ان کی مدد کے سا تھ اور ان کی خواہش کے مطابق مسلمانوں ہی سے جنگ کرکے اور ان کو اپنے مظالم کا نشانہ بناتے رہے تھے۔ایک دوسری بات قابلِ ذکر ہے اور وہ یہ کہ را بطہ عالم اسلامی میں بحث کے دوران سعودی مندوب مجاہدُالصّواف نے جو کہ سب کمیٹی کی صدارت بھی کر رہے تھے یہ دلیل بھی پیش کی کہ سعودی عرب کے علماء نے تو یہ فتویٰ دے دیا ہے کہ قادیانیوں کو سرکاری ملازمتوں میں نہ لیا جائے اور اس کی پیروی میں سعودی حکومت نے فرمان بھی جاری کر دیا ہے۔تو اس ضمن میں یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ ایسا تو ہونا ہی چاہیے تھا۔کیونکہ جماعتِ احمدیہ کے قیام سے صدیوں پہلے ہی بہت سے صلحائے امُت نے یہ پیشگوئی کر رکھی تھی کہ جب مہدی علیہ السلام کا ظہور ہوگا تو علماء ہرگز ان کی تائید نہیں کریں گے بلکہ اس کے سخت خلاف ہوں گے۔اس کی ایک مثال یہ ہے کہ حضرت محی الدین ابن عربیؒ علماء کے متعلق تحریر فرماتے ہیں:۔"پس وہ اپنے کینوں کو اکٹھا کرتے ہیں۔اور وہ لوگوں کی طرف جھکی ہوئی نظروں سے دیکھتے ہیں اور اپنے ہونٹوں کو ذکر کرتے ہوئے ہلاتے ہیں تاکہ دیکھنے والا یہ سمجھے کہ وہ ذکر کر رہے ہیں اور وہ عجمی زبان میں کلام کرتے اور استہزاء کرتے ہیں اور نفس کی رعونت ان پر غالب آجاتی ہے۔اور ان کے دل بھیڑوں کے دلوں کی طرح ہیں۔اللہ تعالیٰ ان کی طرف نہیں دیکھے گا۔اللہ تعالیٰ کو ان کی کوئی ضرورت نہیں۔وہ لوگوں کے لیے بھیڑ کی جلد پہنتے ہیں وہ ظاہری دوست اور پوشیدہ دشمن ہیں۔پس اللہ ان کو واپس لوٹا دے گا اور ان کو ان کی پیشانیوں کے بالوں کی طرف سے پکڑ کر اس کی طرف لے جائے گا جس میں ان کی خوش بختی ہے اور جب امام مہدی ظاہر ہوں گے تو اس کے شدید ترین دشمن اس زمانہ کے علماء ہوں گے۔ان کے پاس کوئی حکومت باقی نہیں رہے گی اور نہ ہی انہیں عام لوگوں پر کوئی فضیلت ہوگی اور ان کے پاس فیصلہ کرنے کا علم تھوڑا ہی ہوگا اور اس امام کے وجود سے تمام عالم سے اختلافات اُٹھا دیئے جائیں گے اور ایسا کیوں نہ ہو کیونکہ اس کے ہاتھ میں تلوار ہوگی۔فقہاء اس کے قتل کا فتویٰ دیں گے اور لیکن خدا تعالیٰ اس کو تلوار کے ساتھ غلبہ نصیب کرے گا۔"

(فتوحاتِ مکیہ مصنفہ حضرت محی الدین ابن عربیؒ الجلد الثالث، ناشر دار صادر بیروت صفحہ 336)

(جماعتِ احمدیہ کے مسلک کے مطابق تلوار سے مراد خدا تعالیٰ کے جلالی نشانوں اور برہانِ قاطعہ کی تلوار ہی ہوسکتی ہے۔جیسا کہ حضرت مسیح موعود السلام کے بہت سے الہامات اور رؤیا سے ظاہر ہوتا ہے۔)

حضرت مجدد الف ثانیؒ تحریر فرماتے ہیں:۔

''پس ہمارے پیغمبر ﷺ کی سنت آپ سے پہلی سنتوں کی ناسخ ہے۔اور حضرت عیسیٰؑ نزول کے بعد اسی شریعت کی متابعت کریں گے۔ کیونکہ اس شریعت کا نسخ جائز نہیں ہے۔قریب ہوگا کہ علماءِ ظواہر اس کے اجتہادات کا باریکی اور پوشیدگی کی وجہ سے انکار کریں اور کتاب وسنت کا مخالف سمجھیں۔''

(مکتوباتِ امام ربانی، حضرت مجدد الف ثانیؒ، حصہ ششم دفتر دوم، باہتمام حافظ محمد رؤف مجددی ص 13،14)

شیعہ کتب میں بھی یہی بیان ہوتا آیا ہے کہ علماءِ ظاہر کا طبقہ مہدی علیہ السلام کی مخالفت پر کمر بستہ ہوگا۔ چنانچہ اَلصِّرَاطُ السَّوِیّ فِیْ اَحْوَالِ الْمَھْدِیّ میں حضرت مہدی علیہ السلام کے ظہور کے متعلق لکھا ہے:۔''جب تک ان میں حالتِ منتظرہ پہلے سے پیدا نہ ہوگی ہرگز اطاعت واتباع میں سبقت نہ کرسکیں گے۔بلکہ ہرگز ایمان نہ لائیں گے۔بلکہ مثلِ شیطان شک وشبہ کرکے اپنے قیاسات باطل رکیکہ سے اس کی حجت کا انکار کریں گے۔ بلکہ اس کے مقابلہ کو تیار اور عداوت اور دشمنی پر آمادہ ہوجائیں گے اور ہر طرح سے اس کو اور اس کے معتقدین کو اذیّت پہنچانے کی کوشش کریں گے۔علماء اس کے قتل کے فتوے دیں گے اور بعض اہلِ دُوَل اس کے قتل کے لیے فوجیں بھیجیں گے اور یہ تمام نام کے مسلمان ہی ہوں گے۔''

(الصراط السوی فی احوال المہدی مصنفہ مولوی سید محمد سبطین السرسوی، ناشر منیجر البرہان بکڈ پو لاہور، صفحہ 507)

اس دور میں اہلِ حدیث کے عالم نواب صدیق حسن خان صاحب اپنی کتاب ''حجج الکرامۃ فی آثار القیامۃ'' میں تحریر کرتے ہیں۔

''جب مہدی علیہ السلام احیاءِ سنت اور اماتتِ بدعت پر مقاتلہ فرمائیں گے تو علماءِ وقت جو کہ فقہاء کی تقلید کرتے ہیں اور اپنے بزرگوں اور آباء واجداد کی پیروی کے خوگر ہوں گے کہیں گے کہ یہ شخص ہمارے دین وملّت پر خانہ برانداز ہے اور مخالفت کریں گے اور اپنی عادت کے موافق اس کی تکفیر وتفصیل کا فیصلہ کریں گے۔''

حجج الکرامۃ فی آثار القیامۃ صفحہ 363 مصنفہ نواب صدیق حسن خان صاحب مطبع شاہجہان بھوپال)

تو ان مختلف فرقوں کے لٹریچر سے یہی ثابت ہے کہ ان کا ہمیشہ سے یہی نظریہ رہا ہے کہ حضرت مہدی علیہ السلام کے ظہور کے وقت اس وقت کے علماء ان کی مخالفت بلکہ قتل پر کمر بستہ ہوں گے۔ ہماری تحقیق کے مطابق تو کبھی کسی فرقہ نے اس بات کا اعلان کیا ہی نہیں کہ جب امام مہدی کا ظہور ہوگا تو اس وقت کے علماء ان کی تائید اور حمایت کریں گے۔ بلکہ مختلف آئمہ احادیث نے جب قربِ قیامت کی علامات کے بارے میں احادیث جمع کیں تو ان میں اس وقت کے نام نہاد علماء کے بارے جس قسم کی احادیث بیان ہوئی ہیں ان کی چند مثالیں درج کی جاتی ہیں۔ چنانچہ کنز العمال فی سنن الاقوال والافعال میں کتاب القیامۃ میں آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد منقول ہے

''تَکُوْنُ فِیْ اُمَّتِیْ فَزْعَۃٌ فَیَصِیْرُ النَّاسُ اِلٰی عُلَمَاءِھِمْ فَاِذَا ھُمْ قِرَدَۃٌ وَخَنَازِیْرُ۔''

یعنی میری امت پر ایسا وقت آئے گا کہ لوگ اپنے علماء کی طرف جائیں گے اور دیکھیں گے کہ ان کی جگہ بندر اور سور بیٹھے ہوں گے۔

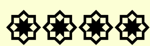
(کنز العمال فی الاقوال والافعال تالیف علامہ علاؤالدین علی المتقی۔الجز الثالث عشر، ناشر دار الکتب العلمیہ، بیروت لبنان۔ص 124) یہ دو احادیث بھی پیش ہیں۔

''عبداللہ بن عمروؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے فرمایا: اللہ تعالیٰ علم کو اس طرح نہیں اُٹھائے گا کہ بندوں سے اسے نکال لے لیکن اسے اُٹھائے گا علماء کے اُٹھانے کے ساتھ یہاں تک کہ جب کسی عالم کو باقی نہیں رکھے گا تو لوگ جاہلوں کو سردار بنالیں گے ان سے مسائل پوچھیں گے۔خود بھی گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے۔''

(متفق علیہ۔مشکوۃ شریف مترجم، ناشر مکتبہ رحمانیہ اردو بازار۔لاہور۔ص 65)

''حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قریب ہے کہ لوگوں پر ایک ایسا زمانہ آئے نہیں باقی رہے گا اسلام مگر نام اس کا اور نہ باقی رہے گا قرآن مگر رسم اس کی۔ان کی مسجدیں آباد ہوں گی مگر حقیقت میں ہدایت سے خالی ہوں گی۔ان کے علماء آسمان کے نیچے بدترین مخلوق ہوں گے۔ان سے فتنہ نکلے گا اور ان میں ہی لوٹ جائے گا۔''

(رواہ البیھقی فی شعب الایمان۔مشکوۃ شریف مترجم، جلد اوّل، ص 76، ناشر مکتبہ رحمانیہ اردو بازار لاہور)





بجواب عمران خاں صاحب

جمیل احمد بٹ

عمران خاں صاحب

قرآن کریم نے جھوٹ کو نجاست فرمایا ہے۔ افسوس کہ آپ نے اپنے ایک حالیہ پروگرام میں احمدیوں کے خلاف اپنا بغض نکالنے کے لئے اسرائیل کا نام لے کر تمام تر جھوٹ پر مبنی ایک گھٹیا جاسوسی کہانی گھڑ کر اپنا منہ اس سے خوب آلودہ کیا ہے۔ ایسے چند بڑے بڑے جھوٹ درج ذیل ہیں۔

۱۔ آپ نے جس کتاب کو بنیاد بنایا ہے وہ ۴۶ سال قبل جنوری ۱۹۷۴ میں نیو یارک میں شائع ہوئی تھی۔ جسے Praeger Publishers نے شائع کیا تھا۔ لیکن کہانی کی ضرورت کے پیش نظر آپ نے بات کا آغاز ہی ایک ساتھ دو جھوٹ بول کر کیا ہے کہ 'یہ کتاب چند سال پہلے اسرائیل میں چھپی'۔ یعنی تقریباً نصف صدی کو چند سال گننا اور امریکہ کو اسرائیل بتانا۔

۲۔ آپ نے اس کتاب کا صفحہ نمبر ۷۵ اسکرین پر دکھا کر کہا کہ اس صفحہ پر یہ سارا کچھ تفصیل سے مل جائے گا۔ یہ صریحاً آنکھوں میں دھول جھونکنے والی بات تھی۔ کیونکہ اس صفحہ پر ایک جملہ میں احمدیوں کا چند لفظی صرف یہ ذکر ہے:

'the Ahmadi sect of some 600 people from Pakistan can also serve in the army'.(p 75)

انگریزی جاننے والے تو اس کا ترجمہ یہ کریں گے کہ 'تقریباً چھ سو افراد پر مشتمل پاکستانی احمدی فرقہ بھی فوج میں خدمات بجالا سکتا ہے'۔

لیکن چونکہ اس ترجمہ سے کہانی آگے نہیں بڑھتی اس لئے اپنے سننے والوں کو دھوکہ دینے اور گمراہ کرنے کے لئے اس صفحہ کا حوالہ دے کر آپ نے یہ کذبِ صریح بولا ہے کہ

'اس میں انہوں نے لکھا ہے کہ پاکستان کی فوج سے زیادہ قادیانی اسرائیل کی فوج میں بھرتی ہیں جن کی تعداد چھ سو سے زائد ہو سکتی ہے'۔

یعنی لکھنے والے نے تو ایک امکان کا اظہار کیا اور آپ نے اس کو واقعہ کر کے پیش کیا ہے۔ اور پھر اسی جھوٹ کو کہانی کے آخر تک خوب بلویا ہے۔

۳۔ سب جانتے ہیں کہ پاکستانی پاسپورٹ کبھی بھی اسرائیل کے لئے کارآمد نہیں رہا ہے۔ اس پر اب بھی یہ لکھا ہوتا ہے کہ 'یہ پاسپورٹ سوائے اسرائیل کے دنیا کے تمام ممالک کے لئے کارآمد ہے'۔ اس کے باوجود آپ نے یہ سفید جھوٹ بولا ہے کہ

''یہاں پاکستان سے جو یہاں پاکستانی پاسپورٹ رکھتے تھے قادیانی وہ یہاں سے اسرائیل گئے۔''

یہ جھوٹ اس لئے اور بھی شرمناک ہے کہ اس بات کی اس کتاب کے شائع ہونے کے دو سال بعد خود حکومتِ پاکستان تردید کر چکی ہے۔ جیسا کہ اس وقت کے اخباروں میں شائع ہؤا۔ ایک اخبار نے زیرِ عنوان 'اسرائیل میں مقیم مرزائی پاکستانی نہیں ہیں' لکھا:

'وزیر مذہبی امور۔۔۔ مولانا کوثر نیازی نے کہا کہ حکومت نے اس سلسلہ میں عرب ملکوں سے تحقیقات کی ہے اور معلوم ہؤا ہے کہ اگرچہ مرزائی اسرائیل میں آباد ہیں لیکن وہ پاکستانی نہیں ہیں۔ انہوں نے کہا کہ حکومت کو یہ علم نہیں کہ کوئی پاکستانی مرزائی باشندہ اسرائیل میں ہے کیونکہ کوئی پاکستانی، پاکستانی پاسپورٹ پر اسرائیل نہیں جا سکتا'۔ (روزنامہ امروز لاہور، یکم مئی ۱۹۷۶)

۴۔ فلسطین میں جماعت احمدیہ ۱۹۲۸ء سے قائم ہے۔ جبکہ اسرائیل اس کے ۲۰ سال بعد ۱۹۴۸ء میں بنا۔ یہ جماعت روزِ اوّل سے فلسطینی عربوں پر مشتمل ہے۔ اور دلچسپ بات ہے کہ ان میں سے ایک بھی اسرائیلی فوج میں serve نہیں کر رہا۔ کجا آپ کا یہ جھوٹ کہ 'چھ سو سے زائد'۔

۵۔ حد تو یہ ہے کہ کہانی کی ضرورت کے تحت آپ نے اس میں ایران توران کے جوٹانکے لگائے ہیں۔ ان میں بھی جھوٹ کا دامن ہاتھ سے جانے نہیں دیا۔ اب یہی دیکھ لیں کہ آپ نے کہا کہ 'مانچسٹر میں قادیانیوں کے

ایک رہنما نے اپنے ہوٹل میں مصنف سے کراچی کے حوالے سے کوئی بات کی، بھاری بھرکم نام ڈالنے کی کوشش میں اس موقع پر آپ نے بے نظیر بھٹو اور نصیر اللہ بابر کے نام بھی لئے۔ اب طرفہ تماشہ ہے کہ بابر صاحب ۱۹۹۳۔۱۹۹۶ میں بے نظیر کے دوسرے دورِ حکومت میں وزیر تھے جبکہ یہ کتاب ۲۰ سال پہلے ۱۹۷۴ء میں شائع ہو چکی تھی۔ پھر یہ ملاقات اور اس کا کتاب میں ذکر؟؟ سچ ہے کہ جھوٹ کے پاؤں نہیں ہوتے۔

۶۔ کہانی میں رنگ آمیزی کے لئے آپ نے ضیاالحق دور کے وزیر خارجہ کے حوالے سے فروری ۱۹۸۷ میں فوج میں احمدی افسروں کا تذکرہ کیا ہے اور اسے ۴۶ سال قبل شائع شدہ اس کتاب میں مذکور اس امکان سے کہ اسرائیل میں موجود احمدی بھی فوج میں شامل ہو سکتے ہیں جوڑ کر آج اس خطرہ کی نشان دہی کر رہے ہیں کہ احمدی ایک دوسرے سے جڑے ہوتے ہیں اور دو ملکوں کے یہ احمدی فوجی بھی باہم رابطہ رکھ سکتے ہیں۔ اس حقیقت کے ہوتے ہوئے کہ کوئی احمدی ۱۹۷۴ء میں اور نہ آج اسرائیلی فوج میں ہے۔ جبکہ دیگر مسلمان جو کل آبادی کا ۱۷ فی صد ہیں وہ اور شعبوں کی طرح فوج میں بھی serve کرتے ہیں۔ یہ سب کس قدر مضحکہ خیز اور ہوائی قلعہ بنانے کی کتنی بری مثال ہے؟ کمال حیرت ہے کہ اس پر آپ اپنے آپ کو تجزیہ نگار گردانتے ہیں۔

۷۔ آپ نے یہ بے ثبوت ہوائی بھی چھوڑی ہے کہ اسرائیل نے احمدیوں کو بہت زیادہ سپورٹ کیا ہے اور مالی مدد بھی کی ہے۔ اگر سپورٹ سے مراد ملک میں مذہبی آزادی کے نظام کے تحت ان کو اپنے دینی فرائض کی بجا آوری اور اشاعت حق میں روک ٹوک نہ ہونا ہے تو یہ سب شہریوں کے لئے یکساں ہے اور کسی کی کوئی تخصیص نہیں۔ جہاں تک مالی مدد کا تعلق ہے تو ساری دنیا جانتی ہے کہ احمدی اللہ کے فضل سے ہمیشہ سے اپنے قدموں پر کھڑے ہیں اور دنیا کی کسی حکومت سے انہوں نے کبھی کوئی مالی مدد نہیں لی ہے۔

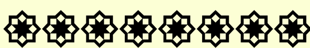
۸۔ آپ کا یہ اعتراض بھی کہ فلاں موقعہ پر بھارت کے احمدیوں نے بھارت کو سپورٹ کیا، بے جا ہے۔ ان کا ایسا کرنا آں حضرت ﷺ کے اس ارشاد کی تعمیل میں تھا کہ وطن سے محبت دین کا حصہ ہے۔ یہ حدیث مبارک ہر شخص کے لئے اپنے وطن سے محبت کا درس ہے۔ اسی کے تابع پاکستان کے احمدی پاکستان سے محبت کرتے، اس کی خدمت کرتے اور اس کی شان بڑھانے کے لئے مستعد رہتے ہیں۔

۹۔ ایک جگہ آپ نے پاکستان کے حساس اداروں کا نام لے کر یہ نصیحت کی ہے کہ فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں۔ یہ خوب ہے۔ جب یہی بات ہے تو آپ کو یہ پروگرام کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ لیکن شائد یہ پروگرام مستقبل کے کسی منصوبہ کی تیاری کا حصہ ہے۔ جیسا کہ آپ نے کہا بھی ہے کہ 'ہو سکتا ہے کہ یہ باتیں فیوچر میں ہمارے کام آئیں۔ ہمیں مستقبل کے لئے تیار رہنا چاہیئے'۔ اگر ایسا کچھ ہے اور کوئی منصوبہ ساز احمدیوں کو بے آسرا جان کر پھر ظلم کی ٹھانتا ہے تو اسے پہلے موقع پرستوں کے انجام پر بھی نظر رکھنی چاہئے۔ ہمارا تو یہی طریق رہا ہے اور رہے گا کہ ؎

عدو جب بڑھ گیا شور و فغاں میں
نہاں ہم ہو گئے یارِ نہاں میں

۱۰۔ اس کہانی کے آخر کے ٹوٹے میں آپ نے بظاہر بلا وجہ کسی یہودی پروفیسر مارٹن نامی کے یورپئین یونین کو دھمکانے کے گن گا کر کہا ہے کہ اسرائیل عربوں میں دوست بنا رہا ہے۔ ساتھ ہی آپ نے ایک سابق اسرائیلی وزیر دفاع کے نظریات کا پرچار کیا ہے اور اس کے concept کو ملک کی فوجی طاقت بڑھانے کا جواز کہا ہے۔ اسرائیلی نقطہ نظر کی اشاعت اور اس کی یہ کھلم کھلا تائید شائد ایک اہم عرب ملک کے اسرائیل سے حال ہی میں سفارتی تعلقات کے قیام کی حمایت کے لئے ہے۔ ہاں اس خدمت کے عوض اور کیا کیا مفاد در پردہ آپ کے پیش نظر ہیں یہ تو آپ ہی بہتر جانتے ہوں گے۔

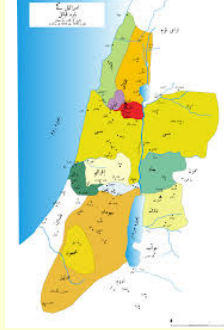
المختصر جھوٹ پر مبنی اس پرگرام میں ایسا لگتا ہے کہ آپ نے اس اصول کو اپنایا ہے کہ جو کچھ کہوں گا جھوٹ کہوں گا اور جھوٹ کے سوا کچھ نہیں کہوں گا۔ اس قسم کے جھوٹ کا اصل جواب تو وہی ہے جو قرآن کریم میں سورۃ آل عمران کی آیت ۶۱ کے آخری چار الفاظ میں بیان ہوا ہے۔





اسرائیل میں قادیانی۔عمران ریاض کے وڈیو پروگرام پر تبصرہ

مکرم کولمبس خان۔جرمنی



آپ کا اسرائیل میں قادیانیوں پر پروگرام ایک محب وطن پاکستان کی حیثیّت سے کوئی بھی سنے تو اس کے جذبات کا انگیخت ہونا اس کے ایمان کا تقاضا ہے۔اور اس حد تک تو بات جائز اور درست ہے لیکن اس خبر کی تصدیق آپ نے جن ذرائع سے کی ہے راقم ایک سابق فوجی کی حیثیّت سے پہلے کر چکا ہے اور ثابت ہوا ہے کہ یہ تدریجی جھوٹ یک طرفہ مشہور کیا جا رہا ہے۔آپ چونکہ میدانِ تحقیق کے شہسوار بننے جا رہے ہیں اس لئے آپ کی خدمت میں اصل حقیقت پیش کی جاتی ہے کہ اگر آپ کا ضمیر ہے تو اپنی اصلاح کریں گے اور ایمان کو ضائع کر کے جھوٹ کی سزا جو آخرت میں ملنی ہوتی ہے اس سے بھی بچ جائیں گے۔

اصل حقیقت یہ ہے کہ

۔1۔احمدیوں کی ایک معقول تعداد جو فلسطینی عربوں پر مشتمل ہے اسی نوّے سال قبل احمدی ہونے سے پہلے کے اسی مقام پر آباد ہے اور اب بھی ہے۔پھر 1948 میں اسرائیل کے قیام کے وقت سے وہ اس علاقہ میں باقی فلسطینی مسلمانوں کی طرح علاقہ کے اسرائیلی حدود میں آنے کی وجہ سے آباد رہے۔یاد رہے کہ جب یہودی فلسطین میں آباد ہونا شروع ہوئے تو مکرم چوہدری ظفراللہ خاں صاحب نے انگریز حکمرانوں پر زور دیا کہ یہود کے ہاتھ زمینیں فروخت کرنے پر پابندی لگائی جائے۔انگریز نے مثال طلب کی جس پر انہیں پنجاب کے حقِ شفع کا حوالہ دیا گیا۔لیکن اس پر عملدرآمد نہ ہوا۔اس وقت مسلمان لیڈر خوابِ غفلت کے مزے لے رہے تھے۔

۔2۔اسرائیل کا قیام جب 1948 میں عمل میں آیا تو چوہدری ظفراللہ خاں پاکستانی وزیر خارجہ تھے جنہوں نے اسرائیل کے قیام کی ڈٹ کر مخالفت کی حتیٰ کہ اگر اقوام متحدہ کی آخری بحث کے روز ووٹنگ ہو جاتی جو امریکہ کے زور پر خلافِ معمول thanks giving day کی بدولت ملتوی کر دی گئی تو اسرائیل کے حق میں اکثریت نہ ہو سکتی۔ یونائیٹڈ نیشنز کا ریکارڈ دستیاب ہے۔ پانچ مئی 1948 کو شاہ فیصل نے محترم چوہدری صاحب کو ان کی مساعی پر بڑا تحسین آمیز خط لکھا۔انٹرنیٹ پر موجود ہے۔اور آپ چاہیں تو سعودی حکومت سے اس کی تصدیق کروا سکتے ہیں۔

۔3۔چوہدری ظفراللہ خاں کی اس معاملہ میں پہلی تقریر کے بعد عرب دنیا نے یہ ذمہ داری پاکستان کے سپرد کر دی جس کو بآحسن نباہا گیا اور پاک عرب تعلقات کی بنیادیں مضبوط ہوئیں۔آپ دیگر عرب ممالک کے اس وقت کے سربراہان کے پاکستان کے لئے تحسین آمیز بیانات کو تاریخ سے نکال نہیں سکتے۔

۔4۔اسرائیل کے قیام پر اب عربوں کی اور مسلمانوں کی مجموعی قوت اس کو روک نہیں سکی تھی۔اس لئے جنگ بھڑک اٹھی جو اب تک جاری ہے۔اور اس کی وارننگ اسی روز محترم چوہدری صاحب نے بڑی طاقتوں کو دی۔

“This is a solemn moment, solemn in the history of the world, in the history of this great —let us hope, at least—great Organization. The United Nations is today on trial. The world is watching and will see how it acquits itself— again, perhaps, not so much from the point of view of whether partition is approved or not approved, but from the point of view of whether any room is to be left for the exercise of honest judgment and conscience in decisions taken upon important questions.”

Sir Zafarullah Khan’s Address to UN Security Council – (1947,October 7).on the issue of Palestine

۔5۔ہندوستان اور پاکستان کے درمیان بھی جنگیں رہی ہیں۔اس کے باوجود امن کے دنوں میں دونوں ملکوں کے مذہبی وفود آتے جاتے رہتے ہیں ان کا کسی کی حب الوطنی کے ساتھ تعلق نہیں ہوتا۔۔ بھارت کے احمدی اس ملک

کے شہری ہیں جو کسی ملک کے خلاف نہیں اور اپنے ملک کے حقوق ادا کرنے کا اسلام انہیں حکم دیتا ہے جس پر وہ عمل پیرا ہیں۔ ہمارے جنرلز بھی بیرون ممالک بھارتی جنرلز سے ملتے جلتے ہیں۔ ایک جگہ سے اسلحہ خریدتے اور بعد میں ایک دوسرے کے خلاف استعمال کرتے ہیں۔ لہذا کسی کی حب الوطنی کو فرضی باتوں سے نہیں جانچنا چاہیئے

۔6۔ اسرائیل میں احمدی ایک دیگر مذہبی تنظیموں کی طرح رجسٹرڈ تنظیم ہے اور جماعت احمدیہ کے ممبران سے چندہ کی آمدنی سے تنظیمی اخراجات پورے کئے جاتے ہیں اور کسی بھی خارجی مدد کا سہارا نہیں لیا جاتا۔ بالکل ایک ہی طریقہ دوصد ممالک میں جماعت کا رائج ہے۔ اور یاد رہے کہ جو چندہ لیا جاتا ہے اس کے ایک ایک پیسے کا حساب رکھا جاتا ہے اور اس کو ہر سال شوریٰ میں پیش کیا جاتا ہے۔

۔7۔ محترم مرزا مبارک احمد جو بیرونی ممالک کی تنظیموں کے نگران تھے ان کا نام بھی استعمال کر کے محض اس اظہار پر کہ ہمارا مشن اسرائیل میں ہے طومار باندھا گیا ہے۔ انہیں تو یہ بات چھپانے کی حاجت ہی نہیں تھی کہ اسرائیل میں جماعتی تنظیم موجود ہے۔ اس بات سے یہ اخذ کر لینا کہ اسرائیلی حکومت سے جماعت کے خفیہ تعلقات ہیں۔ ایک ایسی بدظنی ہے جس کے نتیجہ میں انسان کے رفتہ رفتہ پاگل ہونے کا امکان ہوتا ہے اسلئے بدظنی سے گریز کرنا چاہیئے

۔8۔ اسلامی جمہوریہ پاکستان کے علاوہ ساری دنیا میں احمدیوں کے مسلمان ہونے پر کسی کو کوئی اعتراض نہیں اور وہ جملہ عبادات آزادی سے بجا لا سکتے ہیں اور یہی بات اسرائیل میں بھی ہے۔ لہذا جب تک کوئی حکومت اسلامی عبادات کی بجا آوری میں زبردستی روک نہ بنے احمدی اپنے اس ملک کی حکومت کے پُر امن شہریوں کی طرح رہتے ہیں۔ اس پر کسی ابوجہل کو اعتراض تو ہوسکتا ہے ابوبکر صفت کو نہیں ہوسکتا۔

۔8۔ پاکستان کی شاہ رگ کشمیر کے جہاد 1948 میں احمدیوں کی شمولیّت اور میرے گاؤں کے لگ بھگ تیس اُس وقت کے جوانوں کی رضا کارانہ حاضری احمدیوں کی حب الوطنی کا کافی ثبوت ہے۔ آج وہی لوگ کشمیر کے معاملہ میں بڑھ بڑھ کے باتیں کر رہے ہیں جو کشمیر جہاد کو جہاد ماننے کے منکر تھے۔

۔9۔ قیام پاکستان کے بعد سے اب تک کسی مقام پر احمدی سپاہیوں یا جرنیلوں نے کبھی پیٹھ نہیں دکھائی وہ چونڈہ میں سینے پر بم سجا کر بھی کامیاب ہوئے اور کشمیر کے محاذ پر بھی جس روز تک رہے کامیاب رہے۔ اب ان کا نام بھی تاریخ میں بیان کرنا منع کر دیا گیا ہے۔

۔10۔ سات ستمبر 2020 کو چھیالیس سال بیت جائیں گے جب ایک جھوٹے بہانے کی بنیاد پر تحریک چلائی گئی اور پھر احمدیوں کو ان لوگوں نے ناٹ مسلم قرار دیا انہی حکمرانوں کو پھر اپنا مسلمان ہونا عدالت میں ثابت کرنے کے لئے یہ ماننا پڑا کہ یہ معاملہ بندے اور خدا کے درمیان ہے اور کسی دوسرے کو فیصلہ کرنے کا اختیار نہیں۔ ضیاء الحق صاحب کا وائیٹ پیپر اس پر شاہد ہے۔ فاعتبروا یا اُولی الابصار۔

۔11۔ محترم ضیا الحق صاحب نے اردن میں فلسطینیوں کو تہہ تیغ کیا اور اردن کے شاہ سے ملک کا سب سے بڑا اعزاز وصول کیا۔ آج فلسطینیوں کے سامنے اس کا نام لے کر دیکھیں۔ آگے میرے نہیں ایک ضیا الحق کے فین کے الفاظ ہیں۔ ۔۔۔اس جنگ میں مجموعی طور پر جنرل ضیاء کی آمد سے پہلے اور بعد میں کلملا کر آزاد ذرائع کے مطابق 1000 سے 2000 فلسطینی باغی مارے گئے جبکہ فلسطینی ذرائع کے مطابق 4000 سے 5000 لوگ ہلاک ہوئے ۔۔۔۔۔یاسر عرفات نے باوجود ان کی نافرمانیوں کے ان سے اظہار ہمدردی کے لیے مبالغہ ارائی کی اور کہا لگ بھگ 10،000 لوگ مارے گئے ہیں وجہ یہ تھی کہاں کی الفتح تنظیم کے لیے پیا پلاوے سے مسلسل رضا کار جنگجو مل رہے تھے۔۔۔

۔12۔ مراکش کی آزادی کے لئے جو کوششیں چوہدری ظفراللہ خانصاحب نے کیں۔ اس کے شکریہ کے طور پر نومولود بچوں کا نام ظفراللہ لاتعداد ماؤں نے رکھا۔ مراکش کے شاہ انہیں اپنے والد کی طرح عزت کرتے اور گھر میں عورتوں کو ان سے پردہ نہ کرواتے۔

۔13۔ محترم شاہ فیصل سعودی عرب نے انہیں حج پر آنے پر شاہی مہمان بننے کی درخواست کی۔ جس پر انہوں نے حج کیا۔

۔14۔ ایک یہودی مصنف اسرائیل ٹی نعمانی صاحب نے کتاب لکھی۔ اس کے صفحہ نمبر 75 پر درج ہے:

Two other small non-Arab Muslim groups, the Circassians, who came in the nineteenth century from Russia and now number about 2,000 souls, and the Ahmadi sect of some 600 people from Pakistan, can also serve in the Army.

اس میں اسرائیل کے جمہوری طرز حکومت کی رواداری بیان کرنا مصنف کو

مقصود تھا۔جس میں چھ صد افراد پر مشتمل احمدی فرقہ پاکستان میں سے ان کا آرمی میں شامل ہونا ممکن لکھا گیا ہے۔اس امکان کو محترم شورش کاشمیری صاحب نے شمولیّت قرار دے دیا اور تب سے اب تک ہر دوسرے تیسرے سا؛اس بات کو تھوڑے سے اضافہ کے ساتھ اور اب تو فوٹو جعلی لگا کر اور مصدقہ بنانے کی کوشش کی جا رہی ہے۔

۔15۔کچھ عرصہ سے ترقی کر کے اب پاکستانی احمدی خواتین کی شمولیّت اور انکی جعلی فوٹو لگا کر جھوٹ کو سچ ظاہر کیا جا رہا ہے۔ اوپر سے اس جھوٹ کو تحقیق یا انگریزی لفظ میں ریسرچ کہہ کر لوگوں کو گمراہ کیا جا رہا ہے۔احمدیوں کا ایک اشتہار سچائی پر مبنی بھی پاکستانی اخبارات میں چھاپنا منع ہے۔احمدیوں میں تو صبر موجود ہے اس رویّہ سے پوری قوم بلبلا رہی ہے اور عمران ریاض صاحب جھوٹ کی بنسری بجا رہے ہیں۔

۔15۔مصنف نعمانی صاحب نے احمدیوں کی اسرائیلی فوج میں ممکنہ شمولیّت کے لئے پاکستانی کا لفظ کیوں استعمال کیا ہے؟

۔اس کا دراصل پسِ منظر یہ ہے کہ شرق الاوسط میں ایک اور بہت پرانا فرقہ بھی احمدی مسلمان کہلاتا ہے جو پاکستانی فرقہ احمدیہ سے مختلف ہے۔اس لئے مصنف نے ان سے تخصیص کے لئے اسرائیلی احمدی شہریوں کے لئے پاکستانی احمدی مسلک سے تعلق کی وجہ سے پاکستانی کا لفظ استعمال کیا تھا۔اس کے علاوہ اور کوئی توجیہ ممکن نہیں۔اس ایک 1972 کے امکان پر مبنی بات بھی ایک ریسرچر کے طور پر شک کی نگاہ ڈالنی آپ کا فرض تھا

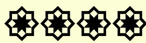
۔16۔عزیزم عمران!۔لنڈن پوسٹ کے شاہد قریشی کا مضمون میں تب ہی پڑھ لیا تھا۔اس میں سوائے اس حوالہ کے جو من وعن میں نے اوپر لکھا ہے اور کچھ بھی نہیں مگر بدظنی سے لتھڑی باتیں۔یہ محض ایک آن لائین بلاگ ہے اور لفظ "لنڈن پوسٹ" سے سنجیدگی کا مرتبہ تو نہیں مل سکتا۔یہ بات بھی سو فیصد جھوٹ ہے کہ برِصغیر سے احمدی اسرائیل جا کر آباد ہوئے۔اگر آپکو علم نہیں تو عرض ہے کہ قیام پاکستان تک برِصغیر کے شہریوں کو برٹش سبجیکٹ کی حیثیت حاصل ہوتی تھی اور اسی وجہ سے بعض افریقی ممالک سے برصغیر کے لوگ برطانیہ آباد ہوئے ہیں۔اور کوئی ایک پاکستانی نژاد احمدی جس نے اسرائیل کی شہریت اختیار کی ہو ثابت نہیں کر سکتے۔خدا کا واسطہ ہے اس قدر جھوٹ نہ بولیں۔میں فرانس میں ان عرب نژاد اسرائیلی احمدیوں کو ملا ہوں۔وہ سارے کے سارے خالص عرب ہیں اور فلسطینی ہیں۔

۔17۔بھارت کے احمدیوں کے متعلق جو بات فرمائی ہے یہ بھی درست نہیں۔دوسری طرف بھارتی دیوبند کے علماء کی پریس کانفرنس اب بھی یوٹیوب پر ہے جس میں وہ کشمیر میں ہونے والے بھارتی ظلم کی نہایت کھل کر تائید کر رہے ہیں۔اور یہ مفروضہ کہ۔کل تک جو پاکستانی تھے وہ آج اسرائیل کی فوج میں پاکستان کے خلاف سپورٹ دے رہے ہیں سو فی صد جھوٹ ہے۔محترم کیا ہو گیا ہے آپ کے فہم کو؟ جھوٹ اور حماقت کے اجتماع کی پیداوار آپ کا یہ بیان ہے۔کچھ عقل کریں۔ایک طرف مانتے ہیں کہ پاکستان کی آئی ایس آئی اس حد تک صلاحیّت رکھتی ہے کہ اس سے کروڑویں حصّے کی بھی بھنک پڑ جائے تو تہہ تک پہنچ جاتی ہے۔ ان کو اس کا علم نہیں کہ پاکستانی احمدی دھڑا دھڑ اسرائیل کے شہری بن رہے ہیں اور کمال ہے کہ جہلاء کو اس کا علم ہو گیا۔

۔18۔آپ نے ایک احمدی کی طرف منسوب بات منسوب کی ہے جو اس نے اپنے ہوٹل میں مانچسٹر میں کی تھی اور یہ کہا یہ بے نظیر کا دور تھا۔کراچی میں امن کے سلسلہ میں۔لیکن آپ کو جھوٹ بیان کرتے وقت یہ خیال نہیں رہا کہ یہ کتاب تو 1972 میں چھپی تھی اور بے نظیر عرصہ دراز بعد برسرِ اقتدار آئی تھیں۔

۔19۔عمران صاحب نے دفاعی تجزیہ نگاری میں بھی کمال حاصل کر لیا ہے اور اسرائیل کے طاقتور ہونے اور پاکستان کا اس کے مقابلہ میں طاقتور ہونے اور ایک مسلمانوں اور یہودیوں کی بڑی جنگ کے ذکر کے ذریعہ خوف تخلیق کر کے اپنے بیان میں ثقاہت پیدا کرنے کی کوشش کی ہے جو پاکستان جیسے ترقی پذیر ملک کی عوام کے لئے قیمتی معلومات کہی جا سکتی ہیں۔لیکن حضرت نے روس۔اور چائنا کو نظر انداز کر دیا ہے۔ان ممالک کے پاس جو اسلحہ ہے اس سے کوہ ارض کوئی کئی بار تباہ کیا جا سکتا ہے۔ مزید سنسنی پیدا کرنے کے لئے اسرائیلی موشے دایان کا بھی ذکر کیا ہے جو اسرائیل کے قیام سے پہلے بھی دہشت گرد کاروائیوں میں ملوث تھا اور برطانوی جیل میں بھی رہا۔اس کے اقوال بیان کر کے یہ ثابت کرنا کہ نعوذ باللہ پاکستان کے احمدیوں کے بچے اسرائیلی فوج میں شامل ہوتے ہیں انتہائی جاہلانہ مفروضہ ہے۔اگر چہ آپ جیسوں کے لئے تو ممکن ہے شامل ہو جائیں۔کوئی احمدی کبھی ایسی حرکت نہیں کر سکتا۔

۔20۔آخری بات برخوردار عمران کان کھول کر سُن لیں اور قبول کر لیں اگر آپ کا خدا پر ایمان ذرہ بھر بھی ہے تو آیئے ہاتھ اٹھائیں اور ہم دونوں مل کر کہتے ہیں۔ایک فی صد جھوٹ بولنے والے کے لئے۔لعنت اللہ علی الکاذبین۔آمین





”اپنے اپنے دائرہ میں مصلح بنیں“ (حضرت خلیفۃ المسیح الخامس)

(ڈاکٹر سرافتخار احمد ایاز: لندن)



ہمارے پیارے آقا حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے آج سے 9 سال قبل اس طرف خصوصی توجہ دلائی تھی کہ ہمیں پیشگوئی مصلح موعود کے شوکت و عظمت کے اظہار کے لئے اپنے اپنے دائرہ میں مصلح بننے کی کوشش کرنی چاہیے۔ حضور انور نے فرمایا کہ

”پس آپ (حضرت مصلح موعودؓ ۔ناقل) کے کام کو دیکھ کر حضرت مصلح موعودؓ کی پیشگوئی کی شوکت روشن تر ہوکر ہمارے سامنے آتی ہے اور جیسا کہ مَیں نے کہا اصل میں تو یہ آنحضرت ﷺ کی پیشگوئی ہے جس سے ہمارے آقا و مطاع حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے اعلیٰ اور دائمی مرتبے کی شان ظاہر ہوتی ہے۔لیکن ہمیں یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ اس پیشگوئی کے پورا ہونے کا تعلق صرف ایک شخص کے پیدا ہونے اور کام کر جانے کے ساتھ نہیں ہے۔ اس پیشگوئی کی حقیقت تو تب روشن تر ہو گی جب ہم میں بھی اُس کام کو آگے بڑھانے والے پیدا ہوں گے جس کام کو لے کر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام آئے تھے اور جس کی تائید اور نصرت کے لئے اللہ تعالیٰ نے آپ کو مصلح موعود عطا فرمایا تھا جس نے دنیا میں تبلیغِ اسلام اور اصلاح کے لئے اپنی تمام تر صلاحیتیں لگا دیں۔

پس آج ہمارا بھی کام ہے کہ اپنے اپنے دائرے میں مصلح بننے کی کوشش کریں۔ اپنے علم سے، اپنے قول سے، اپنے عمل سے اسلام کے خوبصورت پیغام کو ہر طرف پھیلا دیں۔ اصلاحِ نفس کی طرف بھی توجہ دیں۔ اصلاحِ اولاد کی طرف بھی توجہ دیں اور اصلاحِ معاشرہ کی طرف بھی توجہ دیں۔ اور اس اصلاح اور پیغام کو دنیا میں قائم کرنے کے لئے بھرپور کوشش کریں جس کا منبع اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو بنایا تھا۔ پس اگر ہم اس سوچ کے ساتھ اپنی زندگیاں گزارنے والے ہوں گے تو یومِ مصلح موعود کا حق ادا کرنے والے ہوں گے، ورنہ تو ہماری صرف کھوکھلی تقریریں ہوں گی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔“

(خطبہ جمعہ 18 فروری 2011ء مطبوعہ الفضل انٹرنیشنل 11 مارچ 2011ء)

حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے اس ارشاد گرامی کی روشنی میں حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ کی سیرت کے بعض خوبصورت پہلو پیش خدمت ہیں۔ آج کل جب کہ دنیا کے اکثر ممالک میں احباب جماعت عالمگیر بیماری کرونا کی وجہ سے گھروں میں لاک ڈاؤن ہیں ہمیں کوشش کرنی چاہیے کہ ان اوقات کو زیادہ سے زیادہ ان قابل تقلید واقعات کو مستحضر رکھنے اور اپنی زندگیوں میں اپنانے کی کوشش کریں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق دے۔

پیشگوئی مصلح موعود کا مقام و مرتبہ

حضرت اقدس مسیح موعودؑ نے 20 فروری 1886ء کو جب الٰہی بشارات کے مطابق بذریعہ اشتہار ایک موعود بیٹے کی پیشگوئی کا اعلان فرمایا تو اس کے ایک ماہ بعد ایک اور اشتہار محررہ 22 مارچ 1886ء میں یہ اعلان فرمایا کہ:

”یہ صرف پیشگوئی ہی نہیں بلکہ ایک عظیم الشان نشان آسمانی ہے جس کو خدائے کریم جلّ شانہٗ نے ہمارے نبی کریم رؤف و رحیم محمد ﷺ صداقت و عظمت ظاہر کرنے کے لئے ظاہر فرمایا ہے اور درحقیقت یہ نشان ایک مردہ کے زندہ کرنے سے صدہا درجہ اعلیٰ و اَولیٰ و اکمل و افضل و اتم ہے......اس جگہ بفضلہٖ تعالیٰ و احسانہٖ و بابرکت حضرت خاتم الانبیاء ﷺ خداوند کریم نے اس عاجز کی دعا کو قبول کر کے ایسی بابرکت روح بھیجنے کا وعدہ فرمایا جس کی ظاہری و باطنی برکتیں تمام زمین پر پھیلیں گی.......“

موعود خلیفہ

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ان بیقرار دعاؤں کو اللہ تعالیٰ نے

قبولیت کا شرف بخشا۔ اور اس کے نتیجہ میں حضرت مصلح موعودؓ کی بعثت ہوئی۔ آپ کی خلافت صرف خلافت ہی نہ تھی بلکہ موعود خلافت تھی۔ اور آپ ایک موعود خلیفہ تھے۔ چنانچہ ایک موقعہ پر آپ فرماتے ہیں کہ

''میں اپنے لئے خلیفہ نہیں کہ حضرت خلیفہ اوّل کی وفات کے دوسرے دن جماعت احمدیہ کے لوگوں نے جمع ہو کر میری خلافت پر اتفاق کیا بلکہ اس لئے بھی خلیفہ ہوں کہ حضرت خلیفہ اول کی خلافت سے بھی پہلے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خدا تعالیٰ کے الہام سے فرمایا تھا کہ میں خلیفہ ہوں گا۔ پس میں خلیفہ نہیں موعود خلیفہ ہوں۔ میں مامور نہیں مگر میری آواز خدا کی آواز ہے کہ خدا نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذریعہ اس کی خبر دی تھی۔ گویا اس خلافت کا مقام ماموریت اور خلافت کے درمیان کا مقام ہے۔ جس طرح یہ بات درست ہے کہ نبی روز روز نہیں آتے اسی طرح یہ بھی درست ہے کہ موعود خلیفے بھی روز روز نہیں آتے۔'' (خطبات شوریٰ جلد 2 صفحہ 18)

پھر دعویٰ مصلح موعودؓ کے معاً بعد اعلان کیا:۔

''وہ لوگ جن کا میرے ساتھ محبت اور اخلاص کا تعلق ہے اور جن کو اللہ تعالیٰ نے مختلف خدمات میں میرا ہاتھ بٹانے کی توفیق عطا فرمائی ہے ان کے متعلق کہا جا سکتا ہے کہ انہوں نے جب مجھ کو پا لیا تو وہ حضرت مسیح موعودؑ کے صحابہ سے جا ملے۔ پس اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے ایک نیا باب کھول کر اپنی عظیم الشان رحمتوں سے ہمیں نوازا ہے۔''

(رپورٹ مشاورت 1944ء صفحہ 5,6)

پیشگوئی کا مصداق ہونے کا پُر شوکت اعلان

حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد خلیفۃ المسیح الثانیؓ مورخہ 12 جنوری 1889 بروز ہفتہ قادیان میں پیدا ہوئے۔ آپ حضرت مسیح موعود علیہ السلام الصلوٰۃ السلام کی حرم ثانی حضرت سیدہ نصرت جہاں بیگمؓ کے بطن سے حضورؑ کے سب سے بڑے صاحبزادے تھے۔ آپ کی ولادت باسعادت الٰہی بشارتوں کے مطابق ہوئی جو ہستی باری تعالیٰ، آنحضرت ﷺ اور حضرت مسیح موعودؑ کی صداقت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ آپؓ 12 مارچ 1944ء کو بمقام لاہور تقریر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

''......غرض دنیا کی کوئی قوم ایسی نہیں جو آج سلسلہ احمدیہ سے واقف نہ ہو، دنیا کی کوئی قوم ایسی نہیں جو یہ محسوس نہ کرتی ہو کہ احمدیت ایک بڑھتا ہوا سیلاب ہے جو ان کے ملکوں کی طرف آ رہا ہے۔ حکومتیں اِس کے اثر کو محسوس کر رہی ہیں بلکہ بعض حکومتیں اِس کو دبانے کی بھی کوشش کرتی ہیں۔...... میں خدا کے حکم کے ماتحت قسم کھا کر یہ اعلان کرتا ہوں کہ خدا نے مجھے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیشگوئی کے مطابق آپ کا وہ موعود بیٹا قرار دیا ہے جس نے زمین کے کناروں تک حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نام پہنچانا ہے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ میں ہی موعود ہوں اور کوئی موعود قیامت تک نہیں آئے گا۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیشگوئیوں سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض اور موعود بھی آئیں گے اور بعض ایسے موعود بھی ہوں گے جو صدیوں کے بعد پیدا ہوں گے۔ بلکہ خدا نے مجھے بتایا ہے کہ وہ ایک زمانہ میں خود مجھ کو دوبارہ دنیا میں بھیجے گا اور میں پھر کسی شرک کے زمانہ میں دنیا کی اصلاح کے لئے آؤں گا جس کے معنے یہ ہیں کہ میری روح ایک زمانہ میں کسی اور شخص پر جو میرے جیسی طاقتیں رکھتا ہو گا نازل ہو گی اور وہ میرے نقشِ قدم پر چل کر دنیا کی اصلاح کرے گا۔ پس آنے والے آئیں گے اور اللہ تعالیٰ کے وعدوں کے مطابق اپنے اپنے وقت پر آئیں گے۔ میں جو کچھ کہتا ہوں وہ یہ ہے کہ وہ پیشگوئی جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام پر اِس شہر ہوشیار پور میں سامنے والے مکان میں نازل ہوئی جس کا اعلان آپ نے اِس شہر سے فرمایا اور جس کے متعلق فرمایا کہ وہ 9 سال کے عرصہ میں پیدا ہو گا وہ پیشگوئی میرے ذریعہ سے پوری ہو چکی ہے اور اب کوئی نہیں جو اِس پیشگوئی کا مصداق ہو سکے۔''

(انوار العلوم جلد 17 صفحہ 155 ناشر فضل عمر فاؤنڈیشن ربوہ)

ذیل میں خاکسار حضرت مصلح موعودؓ کے بعض اوصاف حمیدہ کا ذکر کرتا ہے تا کہ اُن کا ادراک رکھتے ہوئے ہم صحیح رنگ میں اپنے اپنے دائرہ میں مصلح بننے کی کوشش کریں۔

زندہ خدا پر کامل یقین

سیدنا حضرت مصلح موعودؓ فرماتے ہیں:

''جب مَیں گیارہ سال کا ہوا اور 1900ء نے دنیا میں قدم رکھا تو میرے

دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ مَیں خدا تعالیٰ پر کیوں ایمان لاتا ہوں؟۔اس کے وجود کا ثبوت کیا ہے؟۔ مَیں دیر تک رات کے وقت اس مسئلہ پر سوچتا رہا۔آخر دس گیارہ بجے فیصلہ کیا کہ ہاں ایک خدا ہے۔وہ گھڑی میرے لئے بڑی خوشی کی گھڑی تھی۔جس طرح ایک بچہ کو اُس کی ماں مل جائے تو اسے خوشی ہوتی ہے، اسی طرح مجھے خوشی تھی کہ میرا پیدا کرنے والا مجھے مل گیا۔سماعی ایمان علمی ایمان میں تبدیل ہو گیا۔میں اپنے جامہ میں پھولا نہ سماتا تھا۔مَیں نے اُس وقت اللہ تعالیٰ سے دعا کی اور ایک عرصہ تک کرتا رہا کہ خدایا مجھے تیری ذات کے متعلق کبھی شک پیدا نہ ہو۔ اُس وقت میں گیارہ سال کا تھا۔آج بھی اس دعا کو قدر کی نگاہ سے دیکھتا ہوں۔ میں آج بھی یہی کہتا ہوں ''خدایا تیری ذات کے متعلق مجھے کبھی شک پیدا نہ ہو۔ہاں اس وقت میں بچہ تھا۔اب مجھے زائد تجربہ ہے۔اب میں اس قدر زیادتی کرتا ہوں کہ خدایا مجھے تیری ذات کے متعلق حق الیقین پیدا ہو۔''

(سوانح فضل عمر جلد 1 صفحہ 96)

1934ء میں جب احرار نے فتنہ کھڑا کیا انہوں نے احمدیت کے نور کو اپنے منہ کی پھونکوں سے بجھانا چاہا۔انہوں نے قوم کے لیڈروں اور حکومت کی تعاون سے دنیائے احمدیت پر ہلہ بول دیا اور قادیان کی اینٹ سے اینٹ بجادینے کا اعلان کر دیا تو اس وقت خدائے تعالیٰ کا یہ بلند ہمت اور پرعزم شیر دھاڑا اور فرمایا

''دنیا کی تمام طاقتیں جمع ہیں۔احراری بھی ہیں، پیرزادے بھی ہیں، دیوبندی بھی ہیں ......شاعر اور فلاسفر بھی ان کے ساتھ ہیں ...... گویا دنیا اپنی تمام طاقتیں احمدیت کے کچلنے پر صرف کرنے کے لئے آمادہ ہو رہی ہے......اپنی ساری طاقتیں جمع کر کے احمدیت کو مٹانے کے لئے تُل جاؤ پھر بھی یاد رکھو کہ سب کے سب ذلیل ورسوا ہو جاؤ گے......''

(الفضل 30 مئی 1935ء)

آپؓ کو مخالفین کے لئے نرمی اختیار کرنے کا مشورہ دیا گیا تو آپؓ نے ایک یقین کامل کے ساتھ واضح کر دیا کہ جس قدر فتنہ بڑھتا ہے اسی قدر ہمیں یقین ہوتا جاتا ہے کہ خدا تعالیٰ جماعت احمدیہ کی تائید میں کوئی نشان دکھانا چاہتا ہے اور آپ کسی قسم کی مداہنت اور نرمی کر کے خدا تعالیٰ کے نشان کو دُھندلا نہیں کرنا چاہتے تھے۔ چنانچہ ایسے نازک وقت میں جبکہ قادیان مخالفت کے خوفناک طوفانوں کی لپیٹ میں تھا آپؓ نے فرمایا۔

''خدا مجھے اور میری جماعت کو فتح دے گا کیونکہ خدا تعالیٰ نے جس راستہ پر مجھے کھڑا کیا ہے وہ فتح کا راستہ ہے جو تعلیم مجھے دی ہے وہ کامیابی تک پہنچانے والی ہے اور جن ذرائع کے اختیار کرنے کی اس نے مجھے توفیق دی ہے وہ کامیاب و بامراد کرنے والے ہیں اس کے مقابلے میں زمین ہمارے دشمنوں کے پاؤں سے نکل رہی ہے اور میں ان کی شکست کو ان کے قریب آتے دیکھ رہا ہوں وہ جتنے زیادہ منصوبے کرتے اور اپنی کامیابی کے نعرے لگاتے ہیں اتنی ہی نمایاں مجھے ان کی موت دکھائی دیتی ہے''

(الفضل 30 مئی 1935ء)

قیام نماز پر استقلال

1900ء میں جبکہ آپ کی عمر گیارہ سال تھی آپ نے ایک دن اشراق کے وقت وضو کیا اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا جبہ پہن کر کمرے کا دروازہ بند کر کے نماز شروع کی اور خوب روئے اور اقرار کیا کہ اب کبھی نماز نہیں چھوڑوں گا اس واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے آپؓ خود فرماتے ہیں کہ

''جب میرے دل میں خیالات کی موجیں پیدا ہونی شروع ہوئیں۔جن کا میں نے اوپر ذکر کیا ہے تو ایک دن ضحٰی کے وقت میں نے وضو کیا اور جبہ اس وجہ سے نہیں کہ خوبصورت ہے بلکہ اس وجہ سے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا اور متبرک ہے یہ پہلا احساس میرے دل میں خدا تعالیٰ کے فرستادہ کے مقدس ہونے کا تھا۔پہن لیا تب میں نے اس کوٹھری کا جس میں رہتا تھا دروازہ بند کر لیا اور ایک کپڑا بچھا کر نماز پڑھنی شروع کر دی اور میں اس میں خوب رویا،خوب رویا اور اقرار کیا کہ اب نماز کبھی نہیں چھوڑوں گا اس گیارہ سال کی عمر میں مجھ میں کیسا عزم تھا۔اس اقرار کے بعد میں نے نماز کبھی نہ چھوڑی گو اس نماز کے بعد کئی سال بچپن کے ابھی باقی تھے۔میرا وہ عزم آج کے ارادوں کو شرماتا ہے۔ مجھے نہیں معلوم کہ میں کیوں رویا۔فلسفی کہے گا اعصابی کمزوری کا نتیجہ ہے۔مذہبی کہے گا تقویٰ کا جذبہ ہے۔مگر میں جس سے یہ واقعہ گزرا کہتا ہوں۔ میں کیوں رویا؟ ہاں یہ یاد ہے کہ میں اُس وقت اس امر کا اقرار کرتا تھا اور افسردگی

کیسی راحت بن گئی۔ جب اس کا خیال کرتا ہوں تو سمجھتا ہوں کہ وہ آنسو ہسٹریا کہ دورہ کا نتیجہ نہ تھے۔ پھر وہ کیا تھے؟ میرا خیال ہے کہ وہ شمس روحانی کی گرم کر دینے والی کرنوں کا گرایا ہوا پسینہ تھا۔ وہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے کسی فقرہ کا نتیجہ تھا اگر یہ نہیں تو میں نہیں کہہ سکتا کہ پھر وہ کیا تھے؟۔''

(سوانح فضل عمر جلد 1 صفحہ 97)

عشق رسول ﷺ

حضرت مصلح موعودؓ کی زندگی کا ایک نمایاں پہلو عشق رسول ﷺ تھا۔ پیشگوئی مصلح موعود کا ظہور بھی آنحضرت ﷺ کی صداقت وعظمت کا باعث ہے۔ اس پیشگوئی کے ذریعہ یہ بات بھی بپایہ ثبوت پہنچتی ہے کہ وہ موعود بیٹا بھی عشقِ محمدؐ سے سرشار ہو کر حضرت نبی کریم ﷺ کی صداقت وعظمت کا علمبردار ہوگا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

بچپن سے ہی حضرت مصلح موعودؓ میں اسلام کی خدمت اور اسے ساری دنیا میں غالب کرنے کا جوش وجذبہ غیر معمولی طور پر ودیعت کیا گیا تھا۔ آپ کی زندگی کا لمحہ لمحہ اسی فکر میں گزرتا کہ کب اور کیسے وہ وقت جلد آئے جب خدا کی مخلوق اس کی حقیقی عبد بن جائے اور اس کے رسول ﷺ سے محبت کرنے والی بن جائے۔ آج کی گفتگو میں ہم اس بات کا ذکر کریں گے کہ آپؓ کو آنحضرت ﷺ سے کس قدر عشق ومحبت تھی۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے 51 سال سے زائد عرصہ تک منصب خلافت پر متمکن فرمایا اس عرصہ میں آپ نے سینکڑوں خطاب فرمائے اور ہزاروں خطبات دئے اور کئی درجن کتب تحریر فرمائیں ان میں سے شاید ہی کوئی موقعہ ہو جس میں آنحضرت ﷺ کا محبت بھرے انداز سے ذکر نہ ہو اور جب بھی آنحضرت ﷺ کا ذکر آتا تو رقّت اور محبت سے آپ کی آنکھوں میں آنسو آجاتے اور آواز بھرا جاتی۔ آپ نے اپنی زندگی کا مقصد ہی یہ قرار دیا تھا کہ آنحضرت ﷺ کی عزت دنیا میں قائم ہو اور ساری دنیا حضورؐ کو زندہ نبی تسلیم کرنے لگ جائے اور ادیان باطلہ کو ہمیشہ کی شکست ہو جائے اس مقصد کے لئے اپنی ہمت وعزم کا ذکر کرتے ہوئے حضورؓ فرماتے ہیں:

''خدا نے مجھے اس غرض کے لئے کھڑا کیا ہے کہ میں محمد رسول اللہ ﷺ اور قرآن کے نام کو دنیا کے کناروں تک پہنچاؤں اور اسلام کے مقابلہ میں دنیا کے تمام باطل ادیان کو ہمیشہ کی شکست دے دوں۔ دنیا زور لگا لے وہ اپنی تمام طاقتوں اور جمعیتوں کو اکٹھا کر لے، عیسائی بادشاہ بھی اور ان کی حکومتیں بھی مل جائیں، یورپ بھی اور امریکہ بھی اکٹھا ہو جائے۔ دنیا کی تمام بڑی بڑی مالدار اور طاقتور قومیں اکٹھی ہو جائیں اور وہ مجھے اس مقصد میں ناکام کرنے کے لئے متحد ہو جائیں پھر بھی میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ وہ میرے مقابلہ میں ناکام رہیں گی۔ اور خدا میری دعاؤں اور تدابیر کے سامنے ان کے تمام منصوبوں اور مکروں اور فریبوں کو ملیا میٹ کر دے گا۔ اور خدا میرے ذریعہ سے یا میرے شاگردوں اور اتباع کے ذریعہ سے اس پیشگوئی کی صداقت ثابت کرنے کے لئے رسول کریم ﷺ کے نام کے طفیل اور صدقے، اسلام کی عزت کو قائم کرے گا۔ اور اس وقت تک دنیا کو نہیں چھوڑے گا جب تک اسلام پھر اپنی پوری شان کے ساتھ دنیا میں قائم نہ ہو جائے اور جب تک محمد رسول اللہ ﷺ پھر دنیا کا زندہ نبی تسلیم نہ کر لیا جائے''

(الموعود 211۔212) بحوالہ سوانح فضل عمر جلد پنجم

اسی طرح ایک موقع پر حضرت مصلح موعودؓ مخالفین اسلام کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ

''نادان انسان ہم پر الزام لگاتا ہے کہ مسیح موعودؑ کو نبی مان کر گویا ہم آنحضرت ﷺ کی ہتک کرتے ہیں اسے کسی کے دل کا حال کیا معلوم اسے اس محبت اور پیار اور عشق کا علم کس طرح ہو جو میرے دل کے ہر گوشہ میں محمد رسول اللہ ﷺ کے لئے ہے۔ وہ کیا جانے کہ محمد ﷺ کی محبت میرے اندر کس طرح سرایت کر گئی۔ وہ میری جان ہے۔ میرا دل ہے میری مراد ہے۔ میرا مطلوب ہے۔ اس کی غلامی میرے لئے عزت کا باعث ہے اور اس کی کفش برداری میرے لئے تخت شاہی سے بڑھ کر معلوم دیتی ہے۔ اس کے گھر کی جاروب کشی کے مقابلہ میں بادشاہت ہفت اقلیم ہیچ ہے۔ وہ خدا تعالیٰ کا پیارا ہے۔ پھر میں کیوں اس سے پیار نہ کروں۔ وہ اللہ تعالیٰ کا محبوب ہے پھر میں اس سے کیوں محبت نہ کروں۔ وہ خدا تعالیٰ کا مقرب ہے۔ پھر میں کیوں اس کا قرب تلاش نہ کروں۔ میرا حال مسیح موعود کے اس شعر کے مطابق ہے کہ

بعد از خدا بعشق محمد مخمرم　گر کفر ایں بود بخدا سخت کافرم''

ترجمہ خدا تعالیٰ کے بعد مَیں محمد مصطفی ﷺ کے عشق میں دیوانہ ہو چکا ہوں۔

اگر اس عشق کی دیوانگی کا نام کوئی کفر رکھتا ہے تو خدا کی قسم میں سخت کافر ہوں۔

(الفضل 26 مارچ 1966ء)

آنحضرتؐ کی پاکیزہ سیرت اور آپ ﷺ کے پاک کلمات کا ایک بہت بڑا ذخیرہ احادیث ہیں، حضور اکرم صحابہ کرامؓ کو تاکید فرمایا کرتے تھے کہ آپ ﷺ کی باتیں دوسروں تک پہنچائیں اور صحابہؓ خود بھی ذکر و اذکار کے ذریعہ آپ ﷺ کی باتوں کو زندہ رکھتے تھے۔ حضرت مصلح موعود نے بھی ہمیشہ حضرت نبی کریم ﷺ کے ارشادات کو اپنے فیصلوں اور منصوبوں میں مدنظر رکھا، خلافت جوبلی کے موقع پر مندرجہ ذیل وصیۃ الرسول ﷺ کی کثیر اشاعت کی تحریک فرمائی۔

وصیۃ الرسول ﷺ

برادرم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

رسول کریم ﷺ نے حجۃ الوداع میں جب کہ آپ ﷺ کی وفات قریب آگئی بطور وصیت سب مسلمانوں کو جمع کر کے فرمایا اِنَّ دِمَاءَ کُمْ وَ اَمْوَالَکُمْ (اور ابی بکرہ کی حدیث میں ہے وَاَعْرَاضَکُمْ) حَرَامٌ عَلَیْکُمْ کَحُرْمَۃِ یَوْمِکُمْ ھٰذَا فِیْ شَھْرِکُمْ ھٰذَا فِی بَلَدِکُمْ ھٰذَا۔ وہی تمہاری جانوں اور تمہارے مالوں (اور ابی بکرہ کی روایت کے مطابق تمہاری عزتوں) کو خدا تعالیٰ نے حفاظت بخشی ہے یعنی جس طرح مکہ میں حج کے مہینہ اور حج کے وقت کو اللہ تعالیٰ نے ہر طرح پُر امن بنایا ہے اِسی طرح مومن کی جان اور مال اور عزت کی سب کو حفاظت کرنی چاہئے۔ جو اپنے بھائی کی جان، مال اور عزت کو نقصان پہنچاتا ہے گویا وہ ایسا ہی ہے جیسے حج کے ایام اور مقامات کی بے حرمتی کرے۔

پھر آپ ﷺ نے دو دفعہ فرمایا کہ جو یہ حدیث سنے، آگے دوسروں تک پہنچا دے۔ میں اِس حکم کے ماتحت یہ حدیث آپ تک پہنچاتا ہوں۔ آپ کو چاہئے کہ اِس حکم کے ماتحت آپ آگے دوسرے بھائیوں تک مناسب موقع پر یہ حدیث پہنچا دیں اور انہیں سمجھا دیں کہ ہر شخص جو یہ حدیث سنے اسے حکم ہے کہ وہ آگے دوسرے مسلمان بھائی تک اس کو پہنچاتا چلا جائے۔

والسلام

خاکسار　مرزا محمود احمد خلیفۃ المسیح

(الفضل 3 جنوری 1940ء صفحہ 7)

دعوت الی اللہ کے لئے بلند حوصلہ

انیس بیس سال کی عمر میں جبکہ حضرت مصلح موعودؓ خلافت پر سرفراز نہیں کئے گئے تھے ایک ماہانہ تبلیغی علمی رسالہ ''تشحیذ الاذھان'' جاری کیا جس کے پہلے نمبر میں جماعت احمدیہ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

''اے میرے احمدی بھائیو! اگر ہم نے خدا تعالیٰ کے ایک فرستادہ کو مانا ہے تو یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ اب ہم بالکل سبکدوش ہو گئے ہیں بلکہ ہم نے اپنے سر پر ایک بارِ گراں اُٹھا لیا ہے اور ایک کام اپنے ذمہ لیا ہے کہ جس کا کرنا سہل نہیں ہے۔ بلکہ ایک نہایت ہی دشوار کام ہے کہ بجز خدا تعالیٰ کی مدد کے کامیاب ہونا مشکل ہے۔ دین کو دنیا پر مقدم کرنا کوئی ایسی بات نہیں جو زبان سے کہہ دینے پر اُس سے خلاصی ہو جائے۔ نہیں بلکہ اُس کے لئے بڑی قربانی کی ضرورت ہے ایک بہت ہی بڑی قربانی کی ضرورت ہے۔ اپنی خواہشوں اور ارادوں کی قربانی اُس کے لئے ضروری ہے۔ آج وہ وقت ہم کو ملا ہے کہ تیرہ سو برس سے لوگ اس کا انتظار کرتے چلے آئے ہیں لیکن خدا تعالیٰ نے جو ہم کو اس زمانہ میں پیدا کیا ہے تو بے فائدہ نہیں کیا۔ اس کا ہم پر یہ بہت بڑا احسان ہے اور ہم اُس کے احسان سے سبکدوش نہیں ہو سکتے۔ اور اس مسیح کی شناخت عطا کرنی اور بھی بڑا فضل ہے۔ ایسی زبان کوئی نہیں جو اس کا شکریہ ادا کر سکے۔ یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ خدا تعالیٰ نے جس بات کا ارادہ کیا ہے اس کو ضرور کر کے ہی چھوڑے گا ہم کو جو اس نے اس زمانہ میں پیدا کیا اور اُس کی شناخت عطا کی تو ہم کیوں نہ مفت کا ثواب حاصل کریں اور جبکہ ہاتھ پر ہاتھ دھر کے بیٹھنے کا اُلٹا عذاب ہے۔ تو کیا وجہ ہے کہ کُل دنیا سے مخالفت کر کے ایک خدا کے برگزیدہ بندہ کو نہ مانا جائے اور پھر اُس کی اطاعت نہ کر کے عذاب سہیڑا جائے۔ کیا یہ بھی کوئی عقل کی بات ہے۔ وہی مثل ہوئی ؎

نہ خدا ہی ملا نہ وِصالِ صنم　نہ ادھر کے رہے نہ اُدھر کے ہوئے

اگر ہم کو دین اسلام کی مدد کرنے کا جوش نہیں تو باخدا ہم نہایت ہی سخت گھاٹا پانے والوں میں ہیں۔ وہ دل ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے جس میں اسلام کی محبت نہ ہو اور وہ آنکھ جو اسلام کی ترقی دیکھنے کی مشتاق نہیں پھوٹ جائے تو بہتر ہے۔

ٹوٹ جائیں وہ ہاتھ جو اسلام کی مدد سے قاصر ہیں۔ رونے کا مقام ہے اگر ہم اسلام کی ترقی کی کوشش میں کچھ بھی سُستی کریں۔ سوائے بھائیو! دُعا کرو اور خدا تعالیٰ سے مدد مانگو کہ اے رب ذی الاکرام اب ہم گنہگاروں پر رحم کر اور ہماری پچھلی خطاؤں کو معاف کر اور آئندہ ہم کو نیکی کی توفیق دے اور اے خدا! اے قادر! جب ہماری جان نکلے تو ہم مسلمان ہوں۔ ہم ایک دم کے لئے بھی اشاعت دین سے غفلت نہ کریں۔ اے غیّور خدا تو دیکھتا ہے کہ اسلام پر شرک نے کیسے حملے کئے ہیں۔ پس ہماری مدد کر کہ ہم تیرے مسیح کے ساتھ ساتھ شرک کے توڑنے میں لگے ہیں۔'' (تشحیذ الاذھان نمبر 1 جلد 1 صفحہ 12)

دعوت الی اللہ کا نظام

احمدیت اسلام کی اشاعت کرنے کے لئے قائم کی گئی ہے۔ حضرت خلیفة المسیح الثانیؓ نے خلعت خلافت زیب تن کرنے کے بعد سب سے پہلے اس کی طرف توجہ کی۔ چنانچہ ایک طرف تو آپ نے قرآن مجید کا انگریزی ترجمہ وتفسیر تیار کرنے کا کام نئے سرے سے شروع کر دیا تا کہ اس کے ذریعہ سے اکناف عالم میں اسلام کی اشاعت ہو سکے۔ اور دوسری طرف آپ نے مبلغین تیار کرنے اور پھر انہیں دنیا کے مختلف ممالک میں بھجوانے کا انتظام کیا جسے بعد میں تحریک جدید کے سپرد کر دیا۔ انگلستان کے بعد سب سے پہلے ماریشس میں احمدیہ مشن قائم ہوا۔ جہاں پر حضور نے صوفی غلام محمد صاحب کو بھیجا۔ پھر امریکہ میں سلسلہ کے پرانے بزرگ اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے صحابی حضرت مفتی محمد صادق صاحبؓ کے ذریعہ اسلام کا پیغام پہنچایا گیا۔ پھر مغربی افریقہ میں سلسلہ کے ایک بزرگ حضرت مولوی عبدالرحیم صاحب نیّر تشریف لے گئے۔ ان بزرگوں کے ذریعے کثرت سے لوگ اسلام میں داخل ہوئے۔ اور خدا تعالیٰ نے انہیں غیر معمولی کامیابی بخشی۔ براعظم امریکہ، براعظم یورپ براعظم افریقہ کے بہت سے ممالک کے علاوہ فلسطین، لبنان، شام، عدن، مصر، کویت، بحرین، دوبئی، برما، سیلون، ہانگ کانگ، سنگاپور، جاپان، انڈونیشاء، شمالی بورنیو، فلپائن اور ملائشیا میں بھی جماعت احمدیہ آپ کے سنہری دور خلافت میں قائم ہو چکی تھی۔ دنیا کے کناروں تک احمدیت کے پیغام کا پہنچنا حضرت مصلح موعودؓ کی ہی کوششوں کا نتیجہ تھا۔ حضرت مصلح موعودؓ کے ان عظیم الشان کارناموں کا ذکر پیشگوئی مصلح موعود کے ان الفاظ میں بڑے واضح طور پر کیا گیا تھا کہ ''وہ زمین کے کناروں تک شہرت پائے گا''

تبلیغ کے لئے احباب جماعت کی ذمہ داری

حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسلام احمدیت کی تبلیغ کے لئے افراد جماعت کو اُن کی ذمہ داریوں کی طرف توجہ دلاتے ہوئے ایک موقعہ پر فرمایا کہ:

''میں جماعت کو پھر توجہ دلاتا ہوں کہ دیکھو رستہ دور کا ہے وقت تھوڑا ہے۔ تمہاری کوششیں نامکمل ہیں اور فتح کا دن نزدیک آرہا ہے تم جلد جلد قدم بڑھاؤ اور ہر میدان میں اسلام کے جانباز سپاہی بننے کی کوشش کرو اگر تم میں سے ہر شخص اپنے جسم کا ذرّہ ذرّہ اسلام کی فتح کے لئے اس طرح اُڑا دیتا ہے جس طرح روئی دھنکنے والا روئی کے ذرّات کو ہوا میں اُڑاتا ہے تو تمہاری اس سے زیادہ خوش قسمتی اور کوئی نہیں ہو سکتی۔ تمہارا فرض ہے کہ تم باہر نکل جاؤ اور جو لوگ ہماری جماعت میں جاہل ہیں اُن کو مجبور کرو کہ وہ اسلام کی تعلیم کو سیکھیں اور قرآن کریم کے احکام پر عمل کریں اسی طرح جماعت کے افراد کا فرض ہے کہ وہ آگے بڑھیں اور اسلام کی خدمت کے لئے اپنی زندگیوں کو وقف کر دیں۔ ضرورت ہے کہ ہمارے پاس ہزاروں ایسے لوگ ہوں جو دین کو پوری طرح سیکھے ہوئے ہوں تا کہ جب بھی کوئی ملک اسلام کے لئے فتح ہو اور اللہ اُس میں نیک تغیّر پیدا کرے تو ہمارے پاس اس ملک کو سنبھالنے والی جماعت بھی موجود ہو اور ہم یہ نہ کہہ سکیں کہ ملک تو اسلام کے لئے فتح ہو گیا مگر جماعت اُس کو سنبھالنے کے لئے تیار نظر نہیں آتی ہمارے پاس وہ آدمی موجود ہونے چاہئیں جن کو اس ملک میں پھیلایا جا سکے ہمارے پاس وہ لٹریچر موجود ہونا چاہئے جو اس ملک میں شائع کیا جا سکے ہمارے پاس وہ کتابیں موجود ہونی چاہئیں جو اس ملک کے کونے کونے میں پھیلائی جاسکیں۔ ہمارے پاس روپیہ موجود ہونا چاہئے۔ جس سے مبلغین کے سفر خرچ اور دیگر اخراجات کا انتظام کیا جا سکے۔ اس طرح ضروری ہے کہ اسلام کی جائیدادیں ہماری اپنی جائیدادوں سے لاکھوں بلکہ کروڑوں گنا زیادہ ہوں۔ اور ہماری مالی قربانیاں اسلام کے فنڈ کو اس قدر مضبوط کر دیں کہ جب کسی ملک میں اسلام لشکر بھجوانے کی ضرورت محسوس ہو جب سپاہیوں کے لئے روحانی گولہ بارود کی ضرورت ہو جب لوگوں کی پیاس بجھانے کے لئے لٹریچر فراہم کرنا ضروری ہو تو ہمارے پاس اس قدر سامان

موجود ہو کہ بغیر کسی قسم کے فکر کے اور بغیر اس کے کہ ہمارے سپاہیوں کو کسی قسم کی تشویش ہو اسلام کی ان تمام ضروریات کو پورا کریں۔''

(الفضل 27/اپریل 1944ء)

جماعتی تربیت

جماعت کی تربیت کے لئے حضرت مصلح موعودؓ نے مردوں اور عورتوں کے لئے درس قرآن کا انتظام کیا۔اور بعد میں یہ دروس بھی تفسیر کبیر میں شامل ہوئے اور کتابی صورت میں تفسیر کبیر کے نام سے شائع ہوا۔یہ تفسیر علمی اور تربیتی لحاظ سے انتہائی اعلیٰ درجے کا شاہکار ہے۔

تربیت کے لئے دوسرا ذریعہ حضور نے خطبات اور تقاریر کا اختیار فرمایا۔تقریباً ہر دینی مسئلہ پر اور تربیت کے ہر پہلو پر حضور نے تقاریر فرمائیں اور خطبات دئے۔یہ تقاریر بہت ہی پُر اثر اور جماعت کی علمی ترقی اور تربیت کے لئے بہت ہی مفید ثابت ہوئیں۔

اصلاح کا دائمی نظام

حضرت مصلح موعود میں عظیم الشان اصلاحی قوتیں تھیں۔اس کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ آپ نے جماعت میں اصلاح اور تزکیہ کے دو مستقل نظام قائم فرمائے۔ایک صدر انجمن احمدیہ میں نظارتیں اور دوسرا ذیلی تنظیموں کا قیام۔اس کے اجراء سے قبل حضور نے انسانی جسم کے فطری نظام کا مطالعہ کیا اور فزیالوجی اور اناٹومی کی کئی کتب پڑھیں۔اور انتہائی محنت اور تدبر سے کام لیا۔اور اس کام کی طرف خاص توجہ کا یہ عالم تھا کہ حضرت ڈاکٹر حشمت اللہ صاحب رضی اللہ عنہ جو حضور کے ذاتی معالج کے طور پر خدمت پاتے رہے ہیں،فرماتے ہیں:

''ایک مرتبہ حضور نے مجھے یاد فرمایا اور بتایا کہ آپ نظام جماعت میں اصلاحی تبدیلیاں کرنے پر غور فرما رہے ہیں۔لہٰذا چاہتے ہیں کہ انسانی جسم کے نظام کا مطالعہ کریں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انسانی جسم کو ایک کامل نظام کی شکل میں پیدا کیا ہے اور اس کے مطالعہ سے بہت سی مفید رہنمائی حاصل ہو سکے گی۔چنانچہ آپ نے Anatomy اور Physiology وغیرہ کی مختلف کتب حاصل کر کے ان کا مطالعہ فرمایا اور بہت سے مفید نتائج اخذ کئے۔غالباً اسی تحقیق کی طرف اشارہ کرتے ہوئے آپ نے ایک مرتبہ فرمایا ''اللہ تعالیٰ نے نظام جسم میں ہنگامی صورت حال کا مقابلہ کرنے کے لئے بکثرت متبادل راستے تجویز کر رکھے ہیں مثلاً اگر ایک شریان بند ہو جائے تو اس کی جگہ دوسری شریان نیا راستہ مہیا کر دیتی ہے۔لہٰذا انسان کو کسی نظام کی تشکیل کے وقت اس راہنما اصول کو مدنظر رکھنا چاہئے''۔

(سوانح فضل عمر،جلد دوم،صفحہ 127 مطبع ضیاالاسلام پریس ربوہ)

اس اصول کے مطابق آپ نے 1919ء میں صدر انجمن احمدیہ میں نظارتیں قائم کیں جو نظام کی نمائندہ ہیں اور دوسری طرف ذیلی تنظیمیں جو عوام کی نمائندہ ہیں۔

جماعت کی تربیت کے لئے حضور نے 1922ء میں احمدی عورتوں کی تنظیم لجنہ اماء اللہ قائم فرمائی۔پھر 1926ء میں ان کے لئے ایک علیحدہ رسالہ مصباح کے نام سے جاری فرمایا۔ 1928ء میں نصرت گرلز ہائی اسکول قائم فرمایا۔1938ء میں حضور نے احمدی نوجوانوں کی تنظیم خدام الاحمدیہ کی بنیاد رکھی اور احمدی بچوں کی نگرانی کے لئے تنظیم اطفال الاحمدیہ کی بنیاد بھی رکھی۔نیز احمدی بچیوں کے لئے'' ناصرات الاحمدیہ'' کی تنظیم قائم کی اور چالیس سال سے اوپر کی عمر کے احمدیوں کو منظم کرنے کے لئے'' مجلس انصار اللہ'' قائم فرمائی۔ان تنظیموں نے جماعت کی تعلیم و تربیت میں بہت اہم حصہ لیا اور رہتی دنیا تک کرتی لیتی رہیں گی۔ان کی وجہ سے جماعت کا کام کرنے کے لئے ہزاروں کارکنوں کی ٹریننگ ہوئی اور انہوں نے اپنے اپنے وقت پر جماعت کی نمایاں خدمت میں حصہ لیا۔

1922ء میں حضور نے مجلس مشاورت کا نظام جماعت میں قائم فرمایا۔سال میں ایک دفعہ خلیفہ وقت کے حکم سے تمام احمدی جماعتوں کے نمائندے جنہیں وہ جماعتیں خود منتخب کرتی ہیں مرکز میں جمع ہوتے ہیں اور جماعت کے متعلق جو معاملات خلیفہ وقت کی خدمت اقدس میں مشورہ کے لئے پیش کئے جائیں ان کے متعلق یہ نمائندے اپنی رائے اور مشورے پیش کرتے ہیں۔خلیفۂ وقت ان مشوروں میں سے جو مناسب سمجھتے ہیں انہیں منظور کر لیتے ہیں۔اس طرح ساری جماعت کے معاملات کو سمجھنے اور مشورہ دینے کا موقع ملتا ہے۔

حضرت مصلح موعود کی افراد جماعت سے غیر معمولی محبت

حضرت مصلح موعودؓ کو افراد جماعت سے غیر معمولی محبت تھی۔یہ حقیقت ہے کہ جماعت کے افراد آپ کو اپنی بیویوں،اپنے بچوں اور اپنے عزیزوں سے

بہت زیادہ پیارے تھے ان کی خوشی سے آپ کو خوشی پہنچتی تھی اور ان کے دکھ سے آپ کرب میں مبتلا ہو جاتے تھے۔ جب آپ خلیفہ منتخب ہوئے تو اسی سال جلسہ سالانہ پر خطاب کرتے فرمایا:

’’کیا تم میں اور ان میں جنہوں نے خلافت سے روگردانی کی ہے کوئی فرق ہے؟ ایک بہت بڑا فرق یہ ہے کہ تمہارے لئے ایک شخص تمہارا درد رکھنے والا، تمہاری محبت رکھنے والا، تمہارے دکھ کو اپنا دکھ جاننے والا، تمہاری تکلیف کو اپنی تکلیف جاننے والا، تمہارے لئے خدا کے حضور دعائیں کرنے والا ہے۔ مگر ان کے لئے نہیں تمہارا اسے فکر ہے درد ہے اور وہ تمہارے لئے اپنے مولا کے حضور تڑپتا رہتا ہے لیکن ان کے لئے ایسا کوئی نہیں ہے۔ کسی کا اگر ایک بیمار ہو تو اس کو چین نہیں آتا لیکن تم ایسے انسان کی حالت کا اندازہ کر سکتے ہو جس کے ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں بیمار ہوں۔‘‘

(برکات خلافت انوار العلوم جلد 2 صفحہ 156)

اس ضمن میں ہمارے پیارے امام حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز ایک موقعہ پر فرماتے ہیں کہ:

’’کون سا ڈکٹیٹر ہے جو اپنے ملک کی رعایا سے ذاتی تعلق بھی رکھتا ہو۔ خلیفۂ وقت کا تو دنیا میں پھیلے ہوئے ہر قوم اور ہر نسل کے احمدی سے ذاتی تعلق ہے۔ ان کے ذاتی خطوط آتے ہیں جن میں ان کے ذاتی معاملات کا ذکر ہوتا ہے۔ ان روزانہ کے خطوط کو ہی اگر دیکھیں تو دنیا والوں کے لئے ایک یہ ناقابل یقین بات ہے۔ یہ خلافت ہی ہے جو دنیا میں بسنے والے ہر احمدی کی تکلیف پر توجہ دیتی ہے۔ ان کے لئے خلیفۂ وقت دعا کرتا ہے۔

کون سا دنیاوی لیڈر ہے جو بیماروں کے لئے دعائیں بھی کرتا ہو۔ کون سا لیڈر ہے جو اپنی قوم کی بچیوں کے رشتوں کے لئے بے چین اور ان کے لئے دعا کرتا ہو۔ کون سا لیڈر ہے جس کو بچوں کی تعلیم کی فکر ہو۔ حکومت بیشک تعلیمی ادارے بھی کھولتی ہے۔ صحت کے ادارے بھی کھولتی ہے۔ تعلیم تو مہیا کرتی ہے لیکن بچوں کی تعلیم جو اس دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں ان کی فکر صرف آج خلیفۂ وقت کو ہے۔ جماعت احمدیہ کے افراد ہی وہ خوش قسمت ہیں جن کی فکر خلیفۂ وقت کو رہتی ہے کہ وہ تعلیم حاصل کریں۔ ان کی صحت کی فکر خلیفۂ وقت کو رہتی ہے۔ رشتے کے مسائل ہیں۔ غرض کہ کوئی مسئلہ بھی دنیا میں پھیلے ہوئے احمدیوں کا چاہے وہ ذاتی ہو یا جماعتی ایسا نہیں جس پر خلیفۂ وقت کی نظر نہ ہو اور اس کے حل کے لئے وہ عملی کوشش کے علاوہ اللہ تعالیٰ کے حضور جھکتا نہ ہو۔ اس سے دعائیں نہ مانگتا ہو۔ مَیں بھی اور میرے سے پہلے خلفاء بھی یہی کچھ کرتے رہے۔

مَیں نے ایک خاکہ کھینچا ہے بے شمار کاموں کا جو خلیفۂ وقت کے سپرد خدا تعالیٰ نے کئے ہیں اور انہیں اس نے کرنا ہے۔ دنیا کا کوئی ملک نہیں جہاں رات سونے سے پہلے چشم تصور میں مَیں نہ پہنچتا ہوں اور ان کے لئے سوتے وقت بھی اور جاگتے وقت بھی دعا نہ ہو۔ یہ مَیں باتیں اس لئے نہیں بتا رہا کہ کوئی احسان ہے۔ یہ میرا فرض ہے۔ اللہ تعالیٰ کرے کہ اس سے بڑھ کر مَیں فرض ادا کرنے والا بنوں۔

(خطبہ جمعہ 6 جون 2016ء مطبوعہ الفضل انٹرنیشنل 27 جون 2016ء)

حضرت مصلح موعودؓ اور پیارے آقا کے اس اسوہ کو سامنے رکھتے ہوئے ہمیں بھی اپنے تمام عزیزوں کو اپنی دعاؤں میں خاص طور پر یاد رکھنا چاہیے۔

سلسلہ کی روایات کو ملحوظ رکھیں

کھیل کود اور تفریح کا انسانی زندگی میں ایک مقام ہے۔ لیکن اس میں حد سے تجاوز کرنا اور سلسلہ کی روایات کا خیال نہ رکھنا درست نہیں۔ اس حوالہ سے ہمارے پیارے آقا حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز حضرت مصلح موعودؓ کے حوالہ سے ایک واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ

’’ایک دفعہ کھیل میں بعض غلط باتیں ہوئیں۔ دین کا خیال نہیں رکھا گیا۔ سلسلہ کی روایات کا خیال نہیں رکھا گیا۔ اس پر تنبیہ کرتے ہوئے آپ نے ان کو فرمایا کہ ’’دیکھو ہنسی اور مذاق کرنا جائز ہے۔ (منع نہیں ہے۔) رسول کریم ﷺ بھی مذاق کیا کرتے تھے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی مذاق کرتے تھے۔ ہم بھی مذاق کر لیتے ہیں۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ ہم مذاق نہیں کرتے۔ ہم سو دفعہ مذاق کرتے ہیں لیکن اپنے بچوں سے کرتے ہیں، اپنی بیویوں سے کرتے ہیں۔ (قریبیوں سے کرتے ہیں) لیکن اس طرح نہیں کہ اس میں کسی کی تحقیر کا رنگ ہو۔ (اگر کسی کی تحقیر ہو۔ اس کی عزت نفس متاثر ہو رہی ہو تو ایسا مذاق صحیح نہیں ہے۔) اگر منہ سے ایسا کلمہ نکل جائے جس میں تحقیر کا رنگ پایا جاتا ہو تو ہم استغفار کرتے ہیں۔ (اور یہ ہر ایک کو کرنا چاہئے۔ اگر کسی

سے غلطی سے کسی کا مذاق ایسے رنگ میں ہو جائے جو اس کو بہت برا لگے یا اس کی عزت نفس مجروح ہوتی ہو) اور سمجھتے ہیں کہ ہم سے غلطی ہو گئی۔ (اس لئے استغفار کرنا چاہئے۔ پس ایک کھیل کا حوالہ دیتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ وہاں یہ کھیل ہو رہی تھی۔ اس لحاظ سے اس میں ایک بات ہوئی۔ فرماتے ہیں کہ میں کھیلوں کو برا نہیں مناتا۔ ہنسنا کھیلنا جائز ہے۔ مَیں یہ نہیں کہتا کہ جائز نہیں ہے۔) تم بیشک ہنسو اور کھیلو لیکن بازی بازی با ریشِ بابا ہم بازی۔ (یعنی) کھیل کھیل ہے تو ٹھیک ہے لیکن اگر باپ کی داڑھی سے بھی کھیلا جائے تو یہ جائز نہیں۔ (یعنی کہ اپنے باپ کی بھی عزت اچھالنے لگو تو پھر یہ جائز نہیں ہے۔) خدا تعالیٰ کا مقام خدا تعالیٰ کو دو۔ فٹبال کا مقام فٹبال کو دو۔ مشاعرے کا مقام مشاعرے کو دو اور پیشگوئیوں کا مقام پیشگوئیوں کو دو۔۔۔۔ پس میں تمہیں ہنسی سے نہیں روکتا۔ میں یہ کہتا ہوں کہ ہنسی میں اس حد تک نہ بڑھو جس میں جماعت کی بدنامی ہو۔‘‘

(الفضل 12 مارچ 1952ء صفحہ 4)

بعدہ پیارے حضور حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ فرماتے ہیں کہ

’’پس ہمارے ہر عمل میں اس بات کا اظہار ہونا چاہئے چاہے وہ کھیل کود ہے یا تفریح ہے یا مشاعرے ہیں کہ ہم نے جماعت کے وقار کو مجروح نہیں ہونے دینا۔ اس کی عزت کا ہمیشہ خیال رکھنا ہے۔ اس کے وقار کا ہمیشہ خیال رکھنا ہے۔ پس یہ جو چند باتیں میں نے کہی ہیں یہ نصیحت تھیں۔ سبق آموز تھیں۔ ان باتوں کا خیال رکھنا چاہئے۔‘‘

(بحوالہ خطبہ جمعہ 8 جولائی 2016ء مطبوعہ 29 جولائی 2016ء الفضل انٹرنیشنل)

اختتام

خلافت ثانیہ کا مبارک دور 14 مارچ 1914ء کو شروع ہوا اور 8 نومبر 1965ء کو ختم ہوا۔ یہ ایک تاریخ ساز دور تھا حضرت مصلح موعودؓ نے اسلام اور سلسلہ احمدیہ کی ترقی کے لئے عظیم الشان کارنامے سر انجام دیئے جس نے جماعت کی علمی و روحانی ترقی اور تعلیم و تربیت میں نہایت اہم کردار ادا کیا اور خدا تعالیٰ کے فضلوں کے ساتھ جماعت کامیابی و کامرانی کے ساتھ فتح و نصرت کی نئی منزلوں کی طرف بڑھتی چلی گئی۔ آپ حضرت مسیح موعودؑ کی مقبول دعاؤں کا عظیم ثمرہ تھے۔ آپ کا وجود قبولیت دعا کا ایک زندہ اور مجسم معجزہ تھا۔

الغرض پیشگوئی مصلح موعود کا تعلق محض ایک فرد، ایک زمانہ یا چند جغرافیائی خطوں سے نہیں تھا۔ یہ پیشگوئی دائمی اور عالمگیر اثرات رکھنے والی ہے۔ ہر نئے انقلاب کے ساتھ حضرت مصلح موعودؓ کی زندگی اور لمبی ہوتی جا رہی ہے اور قیامت تک یہ حیات قائم و دائم رہے گی۔

حضرت مصلح موعودؓ خود کہتے ہیں کہ

’’میں اُسی خدا کے فضل پر بھروسہ رکھتے ہوئے کہتا ہوں کہ میرا نام دنیا میں ہمیشہ رہے گا۔ اور گو میں مر جاؤں مگر میرا نام کبھی نہیں مٹے گا۔ یہ خدا کا فیصلہ ہے جو آسمان پر ہو چکا کہ وہ میرے نام اور میرے کام کو دنیا میں قائم رکھے گا۔ اور ہر شخص جو میرے مقابلہ میں کھڑا ہوگا۔ وہ خدا کے فضل سے ناکام ہوگا۔ خدا نے مجھے اس مقام پر کھڑا کیا ہے کہ خواہ مخالف مجھے کتنی بھی گالیاں دیں، مجھے کتنا بھی برا سمجھیں بہر حال دنیا کی کسی بڑی سے بڑی طاقت کے بھی اختیار میں نہیں کہ میرا وہ نام......تاریخ کے صفحات سے مٹا سکے آج نہیں آج سے چالیس پچاس بلکہ سو سال کے بعد تاریخ اس بات کا فیصلہ کرے گی کہ میں نے جو کچھ کہا وہ صحیح کہا تھا یا غلط۔ مَیں بے شک اس وقت موجود نہیں ہوں گا مگر جب...... احمدیت کی اشاعت کی تاریخ لکھی جائے گی تو.....مؤرخ اس بات پر مجبور ہوگا کہ وہ اس تاریخ میں میرا بھی ذکر کرے۔ اگر وہ میرے نام کو اس تاریخ میں سے کاٹ ڈالے گا تو احمدیت کی تاریخ کا ایک بڑا حصہ کٹ جائے گا۔ ایک بڑا اخلاء واقع ہو جائے گا جس کو پُر کرنے والا اسے کوئی نہیں ملے گا۔‘‘

(الفضل 3 جولائی 1962ء)

آخر میں اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ وہ ہمارے پیارے آقا سیدنا حضرت اقدس خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کے روحانی درجات بلند سے بلند تر فرماتا رہے اور ہمیں آپ کے ارشادات کی تعمیل کرتے ہوئے، علوم ظاہری و باطنی حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ آپ کی بتائی گئی نصائح پر چل کر، حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کے ارشاد کے مطابق اپنے اپنے دائرہ میں مصلح بننے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین





اور جہاز پھٹ گیا

ڈاکٹر فضل الرحمان بشیر مشرقی افریقہ

الیکشن 1977 میں پینتیس سیٹوں پر ہونے والی دھاندلی کوئی ایسا بڑا مسئلہ نہیں تھا جس کے لئے بھٹو کے خلاف تحریک چلائی گئی تا کہ اسے اقتدار کے ایوانوں سے نکال باہر کیا جائے حالانکہ بھٹو ان سیٹوں پر دوبارہ الیکشن کے لئے تیار بھی ہو گیا تھا۔ مجھے اس بات کی سمجھ نہیں آتی کہ صرف اڑھائی سال پہلے پاکستان بھر کے ملاؤں نے احمدیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کے عوض بھٹو کے جوتے اپنی داڑھیوں سے پالش کرنے کے وعدے کئے تھے اور فیصلہ ہونے پر بھٹو کو تاج وتخت ختم نبوت کا وارث قرار دے کر جنت کی چابی اُس کے ہاتھ میں تھما دی تھی اور اسے عالم اسلام کا بے مثال ہیرو بنا کر پیش کیا تھا۔ اتنے عظیم الشان رُتبے کے مقابل پر پینتیس سیٹوں پر دھاندلی کوئی اتنا بڑا جرم نہیں تھا جو قابل معافی نہ ہوتا پھر ملاوں نے کیوں نظام مصطفےٰ کے نفاذ کے نام پر ملک بھر میں طوفان برپا کیا۔ بھٹو کے سر سے ختم نبوت کا تاج اُتار لیا گیا اور اسے اپنی ہی عطا کردہ جنت الفردوس کے بالا خانے سے گھسیٹ کر باہر نکالا اور آخر کار ملٹری ڈکٹیٹر کی مدد سے تختۂ دار پر کھینچ کر کُتے کی موت مار دیا۔ اور وہ لوگ جو احمدیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کے فیصلے پر بھٹو کے حق میں تاج وتخت ختم نبوت زندہ باد کے نعرے لگا رہے تھے وہ بھٹو کی حکومت کا تختہ اُلٹے جانے پر بھی تاج وتخت ختم نبوت زندہ باد کے نعرے لگا رہے تھے (کیا یہ کُھلا تضاد نہیں؟؟؟)۔ یہ انقلاب کیسے رونما ہُوا اسے سوائے احمدیوں کے اور کوئی نہیں سمجھ سکتا اور اس بات کا بھٹو کو بھی اندازہ تھا۔ کرنل رفیع نے اپنی کتاب بھٹو کے آخری 323 روز میں لکھا ہے کہ بھٹو کو اس بات کا بخوبی علم تھا کہ احمدی کہتے ہیں کہ بھٹو پر یہ مصیبت عذاب الٰہی ہے جو ان پر کئے گئے ظلم وستم کا نتیجہ ہے۔ دراصل بھٹو بہت ہی احسان فراموش شخص تھا اُس نے اپنے محسنوں سے ہمیشہ بُرا سلوک کیا خود اپنی پارٹی کے بانی اراکین کو بے عزت کر کے اور ٹھڈے مار کر پارٹی سے نکال دیا ڈاکٹر مبشر حسن، جے اے رحیم معراج محمد خان، مختار رانا اور ایسے بے شمار اور لوگ تھے جن کے ساتھ تضحیک آمیز سلوک کیا گیا۔ پی این اے کی تحریک کے نتیجے میں 5 جولائی 1977 کو جنرل ضیاالحق نے بھٹو حکومت کا تختہ اُلٹا کر اقتدار پر قبضہ کر لیا۔ اور 90 دن میں عام انتخابات کروا کر اقتدار منتخب نمائندوں کے حوالے کرنے کا اعلان کیا۔ لیکن بعد میں جس طرح ان نوے دنوں کو طول دے کر گیارہ سالوں تک پھیلا دیا گیا وہ جھوٹ اور منافقت کی ایک شرمناک داستان ہے۔ جنرل ضیاء نے آتے ہی ایک بہت خوبصورت بات کی تھی کہ ”اپنا عقیدہ مت چھوڑو اور دوسرے کے عقیدے کو مت چھیڑو“ مگر اس منافق شخص نے بعد میں اپنے ہی اس قول کی دھجیاں بکھیر دیں اور وطن عزیز کی سب سے محب وطن اور پُر امن جماعت احمدیہ کو اپنی نفرت کے نشانے پر رکھ لیا۔ اور 26 اپریل 1984 کو ایک صدارتی آرڈیننس کے ذریعہ معصوم احمدیوں کو اپنے تمام مذہبی حقوق سے محروم کر دیا۔ یہ شخص امیر المومنین بننے کی کوشش میں تھا لیکن آخر کار امیر المنافقین کا لقب پا کر عبرت کی موت مرا اور احمدیت کی صداقت پر مُہر لگا گیا۔ اس ساری کہانی کو سمجھنے کے لئے کچھ تاریخی حقائق کا جاننا ضروری ہے خاص طور پر اُن نوجوانوں کے لئے جنہوں نے یہ دور نہیں دیکھا۔ جنرل یحییٰ خان 1970 اور 1971 میں پاکستان کا صدر تھا۔ جماعت احمدیہ کے نامور فرزند اور عالمی شہرت یافتہ ماہر اقتصادیات مرزا مظفر احمد (ایم ایم احمد) اس وقت سیکرٹری خزانہ اور پلاننگ اینڈ ڈویلپمنٹ کمیشن کے چیئرمین تھے۔ اپنے ایک غیر ملکی دورے کے دوران یحییٰ خان نے ایم ایم احمد کو قائم مقام صدر کے عہدے کے لئے نامزد کیا۔ جب آپ دفتر جانے کے لئے لفٹ میں سوار ہُوئے تو ایک شخص اسلم قریشی نے جو لفٹ اپریٹر تھا ایم ایم احمد پر چاقو سے حملہ کر کے زخمی کر دیا۔ اسلم قریشی کو بعد میں کس طرح جماعت کے خلاف استعمال کیا گیا اس کا ذکر آگے آئے گا۔ عام انتخابات 1970 میں جماعت احمدیہ نے ذوالفقار علی بُھٹو کی حمایت کی اور اپنی زبردست تنظیمی قابلیت اور حکمت عملی سے بھٹو کو کامیاب کروایا۔ اس ساری مُہم کے انچارج حضرت مرزا طاہر احمد صاحب تھے جو بعد میں جماعت کے چوتھے سربراہ بنے۔

1974ء عام انتخابات 1970 میں جماعت احمدیہ نے ذوالفقار علی بُھٹو کی حمایت کی اور اپنی زبردست تنظیمی قابلیت اور حکمت عملی سے بھٹو کو کامیاب کروایا۔ اس ساری مُہم کے انچارج حضرت مرزا طاہر احمد صاحب تھے جو بعد میں جماعت کے چوتھے سربراہ بنے۔

1974 میں بھٹو دور میں ایک خوفناک فساد کے بعد احمدیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دے دیا گیا۔ پانچ جولائی (5 جولائی 1977) کو جنرل ضیاء الحق نے بھٹو کو برطرف کر کے اقتدار پر قبضہ کر لیا۔ چار اپریل 1979 کو بھٹو کو پھانسی دے دی گئی۔

1982ء میں حضرت مرزا طاہر احمد جماعت احمدیہ کے چوتھے خلیفہ منتخب ہُوئے۔ اپ کے خلیفہ بنتے ہی جماعت کی تبلیغی سرگرمیوں میں بہت تیزی آ گئی اور ملک میں کثرت سے لوگ احمدیت کی طرف مائل ہونا شروع ہو گئے۔ اس صورت حال پر ملک بھر کے مولوی بوکھلاہٹ کا شکار ہونے لگے اور انہوں نے جنرل ضیاء الحق سے مل کر جماعت پر کاری ضرب لگانے کا فیصلہ کر لیا۔ پوری منصوبہ بندی کے ذریعہ سے اسلم قریشی کو غائب کروا دیا گیا اور طے شُدہ منصوبے کے ذریعے اس کے اغوا اور قتل کا الزام حضرت مرزا طاہر احمد پر لگا دیا۔ یہ دعویٰ بار بار بڑی شدومد کے ساتھ دھرایا جانے لگا۔ حتیٰ کہ جماعت کے ایک ازلی دشمن مولوی منظور چنیوٹی نے یہاں تک کہہ دیا کہ اگر مرزا طاہر احمد پر اغوا اور قتل ثابت نہ ہُوا تو اسے چنیوٹ کے تحصیل چوک میں پھانسی دے دی جائے۔ اسی سال انڈیا میں سنت جرنیل سنگھ بھنڈرانوالہ نے سکھوں کی حمایت میں حکومت کے خلاف ایک زبردست مزاحمتی تحریک کا آغاز کیا جو دو سال تک چلتی رہی۔ اندرا گاندھی کی حکومت نے اس تحریک سے آہنی ہاتھوں سے نبٹنے کا فیصلہ کیا۔ 1984 میں سنت جرنیل سنگھ بھنڈرانوالہ کو امرتسر کے گولڈن ٹمپل میں ''اپریشن بلیوسٹار'' کے ذریعہ ہلاک کر دیا گیا۔ اس آپریشن میں چھ ڈویژن فوج نے حصہ لیا۔ جنرل ضیاء نے اس آپریشن سے متاثر ہو کر اسی نوعیت کا آپریشن جماعت احمدیہ کے خلاف کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ اگلے سال 1983 میں پاکستان پیپلز پارٹی نے ایم ار ڈی (تحریک بحالیٔ جمہوریت) کے پلیٹ فارم سے جنرل ضیاء الحق کے خلاف ایک پُرتشدد تحریک کا آغاز کیا۔ جنرل ضیاء نے اس تحریک کو فوج کی مدد سے کچل دیا۔ 1982 میں مرزا طاہر احمد امام جماعت احمدیہ منتخب ہُوئے اور ایک سال بعد 1983 میں ایم آر ڈی کی تحریک اُٹھی۔

چونکہ الیکشن 1970 میں پاکستان پیپلز پارٹی کو آرگنائز کرنے اور الیکشن میں کامیاب کروانے میں مرزا طاہر احمد کی زبردست حکمت عملی اور قائدانہ صلاحیتوں کا دخل تھا اور ملک کے مقتدر حلقے اس بات سے اچھی طرح آگاہ تھے اس لئے ایم ار ڈی کی تحریک کو بھی مرزا طاہر احمد کے ساتھ جوڑ دیا گیا۔ حضرت امام جماعت احمدیہ اس سارے گھناؤنے منصوبے سے آگاہ تھے اور مسلسل جماعت کی راہنمائی فرما رہے تھے اور انہیں آنے والے سخت حالات کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار کر رہے تھے۔ اوائل دسمبر 1983 میں لندن میں ایک سیرت کانفرنس ہُوئی اس میں جنرل ضیا کا بیان پڑھ کر سنایا گیا اس بیان میں ضیاء نے احمدیت کو کینسر سے تشبیہ دے کر اُسے جڑ سے اُکھاڑنے کے عزم کا ارادہ ظاہر کیا۔ اسی سال اخر دسمبر میں ربوہ میں جماعت احمدیہ کا جلسہ سالانہ منعقد ہوا۔ اس جلسے میں حضور نے اپنی افتتاحی تقریر میں حضرت موسیٰ اور ان کے حواریوں کے ساتھ فرعون کے سلوک کا ذکر فرمایا کہ فرعون نے موسیٰ کے حواریوں کو خطرناک نتائج کی دھمکی دی جس کے جواب میں حواریوں نے کہا کہ تم سے جو ہو سکتا ہے کر گزرو ہم اپنی جانیں قربان کر دیں گے مگر سچائی کا ساتھ نہیں چھوڑیں گے۔ حضور نے بڑے جلالی انداز میں فرمایا کہ اگر موسیٰ کے غلاموں کا وقت کے جابر بادشاہ کو یہ جواب تھا تو آج محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلاموں کا بھی یہی جواب ہے یہی جواب ہے اور یہی جواب ہے۔ حضور کے خطاب سے پہلے حضور کی عظیم الشان جلالی نظم منیر احمد جاوید صاحب نے پڑھی۔ تمام احمدی اس نظم سے واقف ہیں

دو گھڑی صبر سے کام لو ساتھیو آفت ظلمت و جور ٹل جائے گی
آہ مومن سے ٹکرا کے طوفان کا رُخ پلٹ جائے گا رُت بدل جائے گی

اس نظم میں جنرل ضیاء کو واضح تنبیہ کی گئی تھی اور اس کے عبرتناک انجام سے خبردار کیا گیا تھا۔ اپریل 1984 کے شروع میں ایسی خبریں گردش کرنے لگیں کہ جیسے عنقریب جماعت کے خلاف کوئی کاروائی ہونے والی ہے چنانچہ خطرے کو بھانپتے ہُوئے حضور اسلام آباد تشریف لے گئے تا کہ مصدقہ معلومات حاصل کی جائیں۔ 25 اپریل کو بعض بہت اہم ذرائع نے حضرت مرزا طاہر احمد کو اطلاع دی کہ آپ کے خلاف بہت خطرناک منصوبہ تیار ہو چُکا ہے اس لئے جلد از جلد اسلام اباد چھوڑ دیں۔ چنانچہ حضور فوری طور پر ربوہ واپس تشریف لے آئے۔ اگلے روز جماعت احمدیہ کے خلاف سخت ترین آرڈیننس


نوائے وقت
صدر ضیا طیارے کے حادثے میں جاں بحق

جاری ہو گیا۔ اس آرڈیننس کے مطابق کوئی احمدی اپنے آپ کو کسی بھی رنگ میں مسلمان ظاہر نہیں کر سکتا تھا۔ اسلامی اصطلاحات استعمال نہیں کر سکتا اور اس کی خلاف ورزی پر قید وبند اور جرمانے کی سزاؤں کا بھی اعلان کیا گیا۔خطرناک کھیل شروع ہو چکا تھا۔ ربوہ کو گھیرے میں لے لیا گیا تھا او آپریشن بلیو سٹار کی طرز کا اپرشن کرنے کی تیاری کی جا رہی تھی۔حضرت مرزا طاہر احمد کی گرفتاری کے خفیہ احکامات جاری کر دئے گئے تھے۔منصوبہ یہ تھا کہ مرزا طاہر احمد کو اسلم قریشی کے اغوا اور قتل کے الزام میں گرفتار کر لیا جائے ربوہ میں کرفیو نافذ کر کے احمدیوں کو گھروں میں بند کر دیا جائے اور اگر احمدی مزاحمت کے لئے نکلیں تو اُنہیں گولیوں سے اُڑا دیا جائے۔ نئے خلیفہ کا انتخاب نہ ہونے دیا جائے اور جماعت کو مکمل طور پر قیادت سے محروم کر دیا جائے۔ایسے حالات میں جماعت کے سرکردہ افرد نے حضور کو پاکستان سے ہجرت کا مشورہ دیا چنانچہ حضرت مرزا طاہر احمد پاکستان سے ہجرت کر کے 29 اپریل کو بحفاظت لندن پہنچ گئے۔الحمدللہ

جنرل ضیاء اپنے شکار کے یوں ہاتھ سے نکل جانے کو برداشت نہ کر سکا اور احمدیوں پر جبر وتشدد اور ظلم و بربریت کا بازار گرم کر دیا۔ ہزاروں احمدیوں کو جیلوں میں بند کر دیا اور درجنوں احمدی شہادت کا رُتبہ حاصل کر کے سُرخُرو ہُوئے۔وقت کا فرعون اپنی طاقت کے نشے میں چُور بے گناہ احمدیوں سے اُن کے تمام حقوق سلب کرنے کے کی کوششوں میں لگ گیا اور دوسری طرف الٰہی تقدیر اسے رہتی دنیا تک عبرت کا نشان بنانے کا فیصلہ کر چکی تھی۔حضرت مرزا طاہر احمد نے اپنے ایک خطبہ جمعہ میں ضیاء کو متنبہ کیا کہ وہ احمدیوں پر ظلم بند کر دے وگرنہ الٰہی تقدیر اُسے ٹکڑے ٹکڑے کر دے گی۔ضیاء بجائے ظلم بند کرنے کے اور آگے بڑھتا چلا گیا اور اخر کار 10 جون 1988 کو حضرت مرزا طاہر احمد نے خُدا کے حضور دعا کے بعد دنیا بھر کے مکفرین ومکذبین اور اُن سب کے سرپرست اعلی جابر حکمران کو مباہلے کا چیلنج دیا۔اور فرمایا کہ جنرل ضیاء زبان سے مباہلہ قبول کرے یا نہ کرے لیکن احمدیوں پر ظلم وستم بند نہ کرے تو یہ بھی مباہلہ قبول کرنے کے مترادف ہوگا۔مباھلے کے اس چیلنج کے ٹھیک ایک ماہ بعد خُدا تعالی نے مولویوں کے جنرل ضیاء کے ساتھ مل کر بنائے گئے ناپاک منصوبے کو ظاہر فرما دیا اور جس شخص اسلم قریشی کے اغوا اور قتل کے نام پر یہ سارا ڈرامہ رچایا گیا تھا وہ خود منظر عام پر آ گیا اور اُس نے اعتراف کیا کہ اُسے کسی نے اغوا نہیں کیا تھا بلکہ اپنے معاشی حالات سے تنگ آ کر وہ ملک چھوڑ گیا تھا اور اب واپس آ گیا ہے۔یہ مباہلے کا پہلا بڑا نشان تھا۔اب مولوی منظور چنیوٹی کی اخلاقی ذمہ داری تھی کہ اپنے اعلان کے مطابق اپنے آپ کو چنیوٹ کے تحصیل چوک میں پھانسی کے لئے پیش کرتا۔لیکن اگر وہ ایسا کرتا تو مولوی کیسے کہلاتا کیونکہ جھوٹ،منافقت،بے غیرتی لالچ،ہوس،منافرت انگیزی اور ہٹ دھرمی مولوی کے خون میں شامل ہے۔ 12 اگست کے خطبہ جمعہ میں حضور نے فرمایا کہ اب خُدا کی گرفت قریب ہے اور چکی چل پڑی ہے۔اب دنیا کی کوء طاقت ضیاء کو اپنے بد انجام سے نہیں بچا سکتی۔ 17 اگست کو جنرل ضیاء اپنے ساتھی جرنیلوں اور امریکی سفیر رافیل کے ساتھ بہاولپور میں نئے ملٹری سامان کی نمائش دیکھنے کے لئے آرمی کے سب سے محفوظ طیارے 130 C میں روانہ ہُوا۔ واپسی پر جہاز اپنی اُڑان کے صرف پانچ منٹ کے بعد دھماکے سے پھٹ کر قلا بازیاں کھاتا ہُوا مُنہ کے بل زمین سے آٹکرایا اواس میں خوفناک آگ بھڑک اُٹھی اور پاکستان کا مطلق العنان حُکمران وقت کا فرعون اور نمرود اپنے ساتھیوں سمیت جل کر راکھ ہو گیا اور اُسکی لاش بھی سلامت نہ رہی۔ پاکستان بھر میں سناٹا چھا گیا جب یہ خبر ملی کہ جنرل ضیا اپنے 32 ساتھوں اور امریکن سفیر رافیل کے ساتھ بہاولپور میں ایک فضاء حادثے میں جل کر راکھ ہو گیا ہے۔

تُم دعائیں کرو یہ دعا ہی تو تھی جس نے توڑا تھا سر کبر نمرود کا
ہے ازل سے یہ تقدیر نمرودیت آپ ہی آگ میں اپنی جل جائے گی

حضرت موسیٰ کا مقابلہ کرنے والے فرعون نے آخری وقت پر توبہ کر کے اپنی لاش بچالی مگر مسیح محمدیؐ کا مقابلہ کرنے والا یہ فرعون ایسا بدبخت تھا کہ اسے توبہ کی توفیق بھی نہ ملی اور خُدا اُڑا دے گا خاک اُن کی کرے گا رُسوائے عام کہنا، کا مصداق بن کر ہمیشہ کی ذلت کا طوق گلے میں ڈال کر واصل جہنم ہُوا فاعتبرو یا اولی الابصار۔جنرل ضیاء پاکستان پر ایک لعنت بن کر مسلط ہُوا اور اپنے اقتدار کے لئے مذہب کو استعمال کرتا رہا۔آج پاکستان جس دہشت گردی اور فرقہ واریت کا شکار ہے اس کی تمام تر ذمہ داری اس منحوس شخص پر عائد ہوتی ہے۔خُدا تعالی ہمارے وطن عزیز کو اس کے بد اثرات سے بچائے آمین۔



خاندان حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے درخشندہ ستاروں کے ساتھ خوشگوار یادیں

صفدر علی وڑائچ ۔ یو ایس اے



حضرت صاحبزادہ مرزا غلام احمد صاحب کی وفات پر بعض یادوں نے اس قدر تڑپایا تو خاکسار آج برستی آنکھوں سے اس نہایت پیارے وجود کے ساتھ ذاتی تعلقات کے حوالہ سے ان کا ذکر خیر قلمبند کرنے کی کوشش کر رہا ہے خاکسار کا ان کے ساتھ تعلق میری 16۔17 سال کی عمر سے قائم ہوا جب آپ صدر مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ ربوہ تھے اور خاکسار اپنے آبائی گاؤں رجوعہ ضلع منڈی بہاؤالدین کا قائد مجلس خدام الاحمدیہ تھا۔ ہمارے گاؤں میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے 36 صحابہ ہوئے ہیں آپ کی ہدایت پر اُن صحابہ کی اولادوں سے رابطہ مضبوط بنانے کے لیے تربیتی پروگراموں کا آغاز کروایا اور اپنی صدارت کے دوران ہر سال حلقہ اور تحصیل پھالیہ کی سطح پر سالانہ تربیتی کلاسز اور اجتماع کرواتے رہے اور ان صحابہ کے کوائف اکٹھے کروائے ان صحابہ میں خاکسار کے پردادا حضرت بڈھا خان صاحب بھی تھے۔ صاحبزادہ مرزا غلام احمد صاحب ان اجتماعات میں مرکز سے نامور بزرگ نمائندگان کو باقاعدہ بھجوایا کرتے تھے۔ مکرم حضرت مولانا غلام باری سیف صاحب کی تحریک پر جماعت احمدیہ رجوعہ نے اپنی مسجد 1974ء۔1975ء میں الگ بنانی شروع کر دی جو 1977۔78ء میں مکمل ہوئی آپ کی شخصیت اتنی بارُعب تھی کہ آپ کے سامنے آنے پر احترام سے خدام کے سر جھک جایا کرتے تھے ایسے لگتا تھا کہ خلافت احمدیہ کا باوفا شیر ہے چند ذاتی واقعات آپ کی یادوں کے چراغ پیشِ خدمت ہیں۔

خاکسار 1986ء میں اپنی ملازمت کے سلسلہ میں سرگودھا شہر آ گیا 1988۔89ء میں خاکسار کا مکرم ڈاکٹر ظہیر الدین منصور احمد صاحب کی تحریک پر مکرم محمود احمد بنگالی صاحب صدر مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ ربوہ نے بطور قائد مجلس خدام الاحمدیہ ضلع سرگودھا تقرر فرمایا تو اُس وقت مکرم صاحبزادہ مرزا غلام احمد صاحب ایڈیشنل ناظر اصلاح و ارشاد مقامی تھے اُس دور میں قائد خدام الاحمدیہ ضلع سیکرٹری دعوت الی اللہ ضلع بھی ہوا کرتا تھا۔ چنانچہ مکرم صاحبزادہ صاحب کا یہ حال ہوتا کہ ٹارگٹ پورا کروانے کے لیے اس قدر زور دیتے کہ جب تک ٹارگٹ پورا نہ ہو بار بار پوچھتے اور انتہائی پیار کیا کرتے تھے ایسے لگتا تھا کہ خلیفہ وقت کی آواز کے ساتھ آپ کی نبض چلتی ہے۔ اور ہمیں بار بار یاد ھانی کروایا کرتے تھے 14 اکتوبر 1992ء کو رانا افتخار احمد نومبائع کے بھائی نے ہم تین احمدیوں پر اس جرم میں فائرنگ کر کے ہلاک کرنے کی کوشش کی کہ ہم نے اس کے بھائی کو احمدی کیا اور پھر اس کی شادی بھی احمدیوں میں کروائی ہے ہم سول ہسپتال سرگودھا میں زندگی اور موت کشمکش میں تھے کہ صبح فجر کے بعد مکرم حافظ مظفر احمد صاحب صدر مجلس خدام الاحمدیہ مع عاملہ بیمار پرسی کے لیے تشریف لائے تو انہوں نے آپ کے دس بجے دن آنے کی اطلاع دی چنانچہ آپ مع ملک مسعود احمد خالد صاحب اور مکرم مولانا سلطان محمود انور صاحب تشریف لائے خاکسار کے ماتھے پر پیار سے ہاتھ پھیرتے ہوئے فرمایا کہ یہ حضور انور کی طرف سے ہے اور حضور نے سلام دیا ہے اور دوسرا مکرم صاحبزادہ مرزا منصور احمد صاحب کی طرف سے دیا اور تیسرا اپنی طرف سے عنایت فرمایا۔ میں جو انتہائی درد کی تکلیف سے گزر رہا تھا ایسا لگا جیسے بالکل سکون آ گیا ہے، ایسے لگا جیسے حضرت مصلح موعودؓ کا یہ شعر ہمارے لیے ہے

دشمن کو ظلم کی برچھی سے تم سینہ و دل برمانے دو
یہ درد رہے گا بن کے دعا تم صبر کرو وقت آنے دو

میرے ساتھ پیار سے مذاق فرما لیا کرتے تھے چنانچہ خاکسار نے نیم آواز میں کہا دو بوسے تو آپ نے حکماً دیے اور تیسرا نہ چاہتے دل سے دیا ہوگا فرمانے لگے نہیں نہیں دل ہی سے دیا ہے بعض لوگوں کا خیال ہے کہ میاں صاحب بڑے سنجیدہ ہیں مگر وہ مذاق بھی فرمایا کرتے تھے اور کارکنان سے

بہت پیار اور ہمدردی فرمایا کرتے جو میرے ساتھ ہمیشہ ہوتی رہیں 1991-92ء کی مجلس خدام الاحمدیہ کی سالانہ ورزشی ریلی میں بعض مربیان نے گیموں میں ہماری ٹیموں کا حصہ بننا تھا خاکسار نے مربیان کرام سے درخواست کی کہ آپ مقررہ تاریخ پر ضرور تشریف لے آئیں میں صاحبزادہ صاحب سے اجازت لے لوں گا اور مجھے اپنے ذاتی تعلق کی بنا پر بھروسہ تھا کہ ضرور اجازت مل جائے گی چنانچہ میں نے بذریعہ خط اجازت کی درخواست کردی مگر اس کا جواب عین اُس وقت آیا کہ کسی مربی کو ریلی میں شامل ہونے کی اجازت نہیں ہے کہ جب ہم ربوہ روانہ ہو رہے تھے اور مربیان بھی اپنے حلقہ سے روانہ ہو چکے تھے خاکسار بڑا پریشان ہو گیا اور یہ بھی احساس تھا کہ مربیان سے شرمندگی ہو گی چنانچہ خاکسار سیدھا صاحبزادہ صاحب کے گھر آیا تو انہوں نے دیکھتے ہی فرمایا کہ مربیان کو ریلی میں شامل ہونے کی اجازت نہیں ہے میں عاجزی سے درخواست کی کہ میں نے مربیان کو کہہ دیا ہے کہ اجازت لے لوں گا آپ آ جائیں وہ روانہ ہو چکے ہیں اور پہنچ رہے ہیں تو فرمایا انہیں کہیں کہ واپس چلے جائیں پھر میں نے ذرا حوصلہ کرتے کہا کہ قائد مجلس خدام الاحمدیہ کی حیثیت سے اپنے خدام کو ریلی میں بلا سکتا ہوں اور یہ مربیاں خدام ہیں فرمایا پھر انھیں کہیں خدام بن کر شامل ہوں مجھے اب بات سمجھ آ گئی اور مربیان نے آتے ہی دو۔ دو دن کی چھٹی کی درخواستیں دے کر میاں صاحب سے چھٹی کی منظوری حاصل کر لی اور ریلی میں شرکت کی یہ بھی ہمارے لیے اصلاح کا موقع تھا جو صاحبزدہ صاحب نے ہماری اصلاح فرمائی۔

1990ء میں حضرت مرزا عبدالحق صاحب امیر ضلع سرگودھا نے خاکسار کو سرگودھا میں ہونیوالے متبادل جلسہ ہائے سالانہ کا افسر مقرر کیا ہوا تھا۔ میں نے جلسہ ہائے سالانہ کے پروگرام آپ کے سامنے رکھ کر درخواست کہ یہ بزرگان سلسلہ ہمارے جلسہ جات میں بھجوائیں تو مجھے فرمایا آپ ذاتی طور پر ان سے مل کر ٹائم لے لیں اور ہمیں بتائیں تو ہم نظارت کی طرف سے درخواست کر دیں گے خاکسار نے بے ساختہ کہا یہ آپ اور آپ کی نظارت کا کام ہے میرے ہاتھ سے خط لے لیا اور فرمایا ٹھیک ہے آپ بتائیں کہ آپ کہاں ہوں گے میں رابطہ کر کے آپ کو مطلع کرتا ہوں میں نے کہا کہ ایوان محمود خدام الاحمدیہ کے دفتر جا رہا ہوں کیا دیکھتا ہوں کہ ایک گھنٹہ کے بعد صاحبزادہ صاحب ایک ایک عالم سے کنفرمیشن حاصل کر کے مجھے خود بتانے سائیکل پر خدام الاحمدیہ کے دفتر تشریف لائے ہیں مجھے بڑی شرمندگی ہوئی۔ اظہار کیا تو فرمانے لگے ایسی کوئی بات نہیں میں نے اپنی ڈیوٹی نبھائی ہے اور دعا دے کر واپس تشریف لے گئے۔

نومبر 1997ء کا واقعہ ہے کہ خاکسار آپ کے گھر کے سامنے سے گزر رہا تھا اور مکرم صاحبزادہ صاحب سائیکل ہاتھ میں لیے گھر داخل ہو رہے تھے مجھے دیکھ کر فرمایا اِدھر آؤ بتاؤ تمہارے قضاء والے کیس کا کیا بنا ہے میں نے کہا آپ کے بھائی صاحبزادہ مرزا خورشید احمد صاحب نے میرا بالا نکال دیا ہے مجھے بازو سے پکڑا اور اپنے گھر ڈرائینگ روم میں لے آئے مجھے بٹھایا اور میرے لیے چائے وغیرہ لے آئے اور میں نے جس بے تکلفی سے جملہ بولا تھا یہ دعا کر رہا تھا کہ کہیں مرزا خورشید صاحب ہی نہ آ جائیں چنانچہ شک یقین میں بدل گیا وہ تشریف لے آئے تو صاحبزادہ صاحب نے فرمایا بھائی آپ نے ہمارے صفدر کا بالا نکال دیا ہے مکرم صاحبزادہ مرزا خورشید احمد صاحب مسکرائے اور فرمایا ہم نے تو اس کے حق میں فیصلہ دیا ہے ہم نے تو اپنی نظر میں انصاف کیا ہے تاہم پھر بھی انسان ہیں۔ قضاء سے ہٹ کر صفدر علی وڑائچ صاحب ہمارے بھائی ہیں اگر یہ سمجھتے ہیں کہ مجھے نقصان ہوا ہے اور اپنی جیب سے چیک بک نکال کر میرے سامنے رکھتے ہوئے فرمایا جتنا گھاٹا سمجھتے ہیں چیک کاٹ لیں خاکسار بڑا شرمندہ ہوا میں تو تنقید کر چکا تھا یہ بات ذاتی تعلق کی بنا پر مذاق کے رنگ میں کی تھی اس واقعہ سے دونوں بھائیوں کا مقام کیسے سامنے آتا ہے ایک ادنیٰ جماعتی کارکن کی کیسے حوصلہ افزائی فرمائی صاحبزادہ مرزا خورشید احمد کی وفات پر تعزیت کا خط لکھا اس کا جو جواب آیا حسب ذیل ہے؛ خطوط

بسم اللہ الرحمن الرحیم　　نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

وعلی عبدہ المسیح الموعود

مکرم صفدر علی وڑائچ صاحب کوالالمپور۔ ملائشیا

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اُمید ہے آپ خدا تعالیٰ کے فضل و کرم سے بخیریت ہوں گے۔ آپ کی طرف سے اور آپ کی فیملی کی طرف سے محترم صاحبزادہ مرزا خورشید احمد

صاحب کی وفات پر تعزیت کا خط ملا۔حضورانور ایدہ اللہ تعالیٰ نے جس محبت اور پیار کے ساتھ سارے خطبے میں آپ کا ذکر خیر کیا ہے اس سے بڑھ کر اور کیا سند ہوگی۔واقعی مرحوم بہت ہی شفیق اور نافع الناس وجود تھے۔آپ نے بعض ذاتی محبتوں کا بعد میں کسی وقت قلم بند کرنے کا ذکر بھی کیا۔خدا تعالیٰ مرحوم کی روح پر رحمتوں کی بارش برساتا چلا جائے،اعلیٰ علّیین جگہ دے اور اپنی رضا کی جنتوں کا وارث بنائے۔آمین۔اللہ تعالیٰ آپ کی مشکلات دُور کرے اور جلد منزلِ مقصود تک پہنچائے۔اللہ آپ کو خدمت دین کی بھی توفیق دیتا رہے اور ہمیشہ خلافت کے وفا دار خادموں میں شامل رکھے۔آمین۔۔والسلام

۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔مرزا غلام احمد۔۔ناظر اعلیٰ صدر انجمن احمدیہ

مکرم صاحبزادہ مرزا غلام احمد صاحب کے کسی بچے کی شادی تھی غالباً صاحبزادہ مرزا فضل احمد صاحب کی شادی تھی مکرم قریشی محمود الحسن صاحب نائب امیر سرگودھا سے ان کا ذاتی تعلق تھا یہ شادی میں مدعو تھے ہم انہیں اُتار کر گئے تو صاحبزادہ صاحب نے ہمیں دیکھ لیا اُنھوں نے قریشی صاحب سے پوچھا کہ یہ کیوں نہیں رُکا قریشی صاحب نے کہا کہ میاں صاحب آپ نے اُسے کونسی دعوت دی ہوئی تھی کہ وہ رُکتا تو صاحبزادہ نے قریشی صاحب کو کہا کہ اب جب وہ آپ کو لینے آئے تو میری اجازت کے بغیر جانا نہیں جب ہم قریشی صاحب کو لینے آئے تو اچانک پیچھے سے میرا کان پکڑا گیا دیکھا تو میاں صاحب تھے فرمانے لگے تم نے کہا ہے کہ مجھے دعوت نہیں یہ تو آپ کا اپنا پروگرام ہے اور مجھے پکڑا اپنی بیگم صاحبہ کے سامنے لے جا کر کہا اسے ڈرائینگ روم بھجوا کر کھانا کھلاؤ جب میں ڈرائینگ روم میں داخل ہوا تو خاندان حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے بڑے اور چھوٹے مرد موجود تھے جن میں حضرت صاحبزادہ مرزا منصور احمد صاحب ناظر اعلیٰ اور صاحبزادہ مرزا رفیع احمد صاحب موجودہ حضور اور سید قمر سلیمان صاحب میرے ساتھ آ گئے اور فرمانے لگے ہم کھانا کھا چکے ہیں مگر تمھارا ساتھ دیں گے تم نے شرمانا نہیں یہ میرے لیے خاندان مسیح موعود علیہ السلام کے ساتھ بیٹھنے کا بہت بڑا اعزاز ہے جو مجھے پوری زندگی نہیں بھولے گا اس کے بعد مکرم صاحبزادہ مرزا خورشید احمد،مکرم صاحبزادہ مرزا غلام احمد صاحب کے گھروں میں کوئی شادی کا پروگرام ہوتا تو حضرت مرزا عبدالحق صاحب،مکرم



تازہ غزل

مبارک عابد

آتشیں جواں چہرے دل سلگتے انگارے
ٹھنڈی آہیں بھر بھر کے برف ہو گئے سارے

پاؤں ریگِ ساحل پر زندگی جما ئی کیا
وقت کے سمندر کے تیز تر ہوں جب دھارے

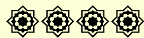
دیکھ اُن کی تنگ نظری لے گئی کہاں اُن کو
سوچ بانجھ تھی جن کی ذہن بھی تھے بے چارے

رنگ ان میں انساں کا کم ہی کچھ نظر آیا
آدمی نے دنیا میں روپ تو کئی دھارے

زرّیں ریشمی چادر چاندنی اُڑھاتی ہے
رات کے سمے سوئیں جب حسین نظّارے

سایوں کے تعاقب میں چاند تو نہیں ملتا
چھوڑ دے خیال ان کا میرے دل مرے پیارے

کون پڑھتا ہے عابد نوکِ مژگاں سے لکھّے
آنسوؤں کی صورت میں چشمِ تر کے شہ پارے



قریشی محمود الحسن صاحب اور خاکسار کے کارڈ آیا کرتے تھے اور خاکسار ہر پروگرام میں شامل ہوتا رہا خدا کرے میرا اس خاندان کے ساتھ تعلق مضبوط در مضبوط خلافت احمدیہ کی چھتری کے سایہ میں ہوتا چلا جائے اور اللہ تعالیٰ مجھے اور میری اولاد در اولاد کو ہمیشہ خلافت احمدیہ کے ساتھ چمٹائے رکھے آمین۔ خاکسار کے ساتھ مذاق بھی فرما لیا کرتے تھے خاکسار نے جب دوسری شادی کی تو جب میں ملتا تو سب کے سامنے ہی فرما دیتے خود دو شادیاں کر لی ہیں ہماری کرواتے نہیں۔میں احتراماً خاموش رہتا تھا۔میجر شاہد سعدی کے ساتھ بھی بڑا مذاق چلتا تھا۔ایک دفعہ میجر صاحب مجھے کہنے لگے کہ آج میاں صاحب کو پرپوزل دے دو میں نے کہا نہیں چلو آج میاں صاحب کے دراز میں بڑے

عمدہ بسکٹ ہیں وہ ان سے کھاتے ہیں میں نے مجلس انصار اللہ کے امور کے سلسلہ میں آنا ہی تھا آیا تو بعد میں سعدی صاحب بھی آ گئے دفتر میں داخل ہوتے ہی اُنھوں نے کہا کہ آج صفدر آپ کے لیے پرپوزل لایا ہے تو میں نے بھی شرماتے ہوئے ہاں کر دی تو مسکرا کر فرمانے لگے یہ اُس وقت پرپوزل لایا ہے جب میری بیگم کے بھائی خلیفہ بن گئے ہیں تو میں نے عرض کیا اب تو آسانی سے اجازت ہو جائے گی پھر بڑے مسکرائے اور فرمایا اب نہیں۔ جب آپ کو 2004ء میں صدر مجلس انصاراللہ پاکستان حضور انور نے مقرر فرمایا تو اِنھوں نے مجھے ناظم مجلس انصاراللہ ضلع سرگودھا مقرر فرمایا چھ سال آپ کے ساتھ دینی خدمات کا موقع ملا۔ بڑے بڑے ٹارگٹ دیتے تو گھبراہٹ ہوتی رہنمائی فرماتے اور پھر بار بار پیچھا کر کر کے اُس وقت تک نہیں چھوڑتے تھے جب ٹارگٹ پورے نہ کر لیے جاتے۔ انصار اللہ کی سالانہ ورزشی ریلی میں رنگ بہاراں کا پروگرام سجایا کرتے جس میں خلافت احمدیہ کے پروگرام ہوا کرتے اور خلفاء کی یادوں کے چراغ جلایا کرتے اور بعض اوقات لطائف کا دور بھی چلتا ہمہ وقت ریلی میں موجود رہتے اور ہر شعبہ کی نگرانی فرما رہے ہوتے۔ حضرت مرزا عبدالحق صاحب کا بہت احترام فرماتے خاکسار کے ذریعے ان سے انصار اللہ کے پروگراموں میں شرکت کی درخواست فرمایا کرتے اور مجھے فرماتے ان کی باتیں ریکارڈ کیا کرو۔ ایک دفعہ سرگودھا ہمارے ایک پروگرام میں تشریف لائے مکرم حضرت مرزا عبدالحق صاحب کا افتتاحی خطاب سنا مکرم مرزا صاحب دعا کے بعد آپ کی باتیں/خطاب سننے کے لیے بیٹھ گئے میرے کان میں فرمایا کہ میں حضرت مرزا عبدالحق صاحب کی موجودگی میں نہیں بولوں گا مرزا صاحب سے میں نے عرض کی کہ آپ کے آرام کا بندوبست کر دیا ہے تو اُنھوں نے فرمایا میں میاں صاحب کو سن کر جاؤں گا۔ اب معاملہ سنجیدہ ہو گیا تو پھر میاں نے خود فرمایا میں تو آپ کو سننے آیا تھا میں اب ان سے میٹنگ کروں گا میں تقریر کرنے نہیں آیا تب مرزا صاحب تشریف لے گئے اور آپ نے ہمارا ریفریشر کورس کروایا اور ہدایات دیں۔ حضرت مرزا عبدالحق صاحب کا بے حد احترام فرمایا کرتے تھے۔ آپ کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام، صحابہ اور خلفاء کی تعلیمات کے ساتھ عشق تھا ہمیشہ اپنی ہدایات میں یہی کلام پڑھ کر سناتے اپنے طور پر تقریر نہیں فرماتے اپنے بڑے بھائی سے بہت پیار اور احترام فرماتے جب انصار اللہ اور دیگر پروگراموں میں آتے تو ہمیشہ صاحبزادہ مرزا خورشید احمد صاحب سے پیچھے ایک قدم رہتے اتنا پیار تھا کہ اُن کی وفات کے بعد اُن کے صدمے میں صرف 17 دن زندہ رہ سکے۔ خاکسار نے ان دونوں بھائیوں کی وفات پر تعزیت کے لئے حضور انور کو جو خط لکھے اُن کے جواب حسب ذیل ہیں؛

بسم اللہ الرحمن الرحیم　نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم　　وعلی عبدہ المسیح الموعودؑ

خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ　　ھوالناصر

مکرم صفدر علی وڑائچ صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا خط ملا جس میں آپ نے محترم صاحبزادہ مرزا غلام احمد صاحب کی وفات پر تعزیت کا اظہار کیا ہے۔ جزاکم اللہ احسن الجزاء۔ اللہ تعالیٰ اُن سے مغفرت اور رحم کا سلوک فرمائے اور ان کے درجات اپنی رضا کی جنتوں میں ہمیشہ بلند فرماتا رہے۔ آپ کو خلافت کے ساتھ والہانہ پیار تھا۔ اللہ کرے کہ یہ پیار ان کے بچوں اور آئندہ نسلوں میں بھی قائم رہے اور ہمیشہ بڑھتا رہے۔ آپ کو بڑی گہرائی میں جا کر کام کرنے کی عادت تھی اور کارکنوں کے ساتھ محبت سے پیش آیا کرتے تھے۔ یتیموں اور بیواؤں کا بھی بہت خیال رکھتے تھے۔ اللہ تعالیٰ جماعت کو اس قسم کے نیک، صالح اور فدائیت اور وفا کے ساتھ خدمت کرنے والے کارکنان آئندہ بھی مہیا فرماتا رہے۔ آمین اللہ تعالیٰ آپ کے ساتھ ہو۔ آپ کو دائمی حسنات کا وارث بنائے اور جملہ نیک تمنائیں پوری فرمائے۔ آمین۔۔۔۔۔والسلام۔۔ مرزا مسرور احمد۔۔۔ خلیفۃ المسیح الخامس

بسم اللہ الرحمن الرحیم　نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم　　وعلی عبدہ المسیح الموعودؑ

خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ

ھوالناصر

مکرم صفدر علی وڑائچ صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا خط ملا جس میں آپ نے محترم صاحبزادہ مرزا خورشید احمد صاحب اور محترم صاحبزادہ مرزا غلام احمد صاحب کی وفات پر افسوس کا اظہار کیا ہے۔ جزاکم اللہ احسن الجزاء۔ اللہ تعالیٰ انہیں اپنے پیاروں کے قدموں میں جگہ دے ور

درجات بلند فرمائے۔ان دونوں بزرگون نے بڑی وفا کے ساتھ اپنا وقف نبھایا اورخلافت کے ساتھ کامل اطاعت دکھاتے ہوئے ہمیشہ ہر کام انجام دیا اور کامل وفا کا مظاہرہ کرتے ہوئے ہمیشہ خلیفۂ وقت کے ہر حکم کی اوّلین ترجیح کے ساتھ تعمیل کی۔اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے جماعت کو ان کے نعم البدل عطا کرے اور ہمیشہ جماعت کو ان جیسے کامل وفا والے خدمت گار آئندہ بھی ملتے رہیں۔ آمین۔۔اللہ تعالیٰ سلسلہ کے سب خدمت گاروں کو اپنی ذمہ داریاں دیانت داری اور اخلاص کے ساتھ ادا کرنے کی توفیق عطا فرماتا رہے۔اللہ ہر آن آپ کے ساتھ ہو۔آمین.....والسلام....مرزا مسرور احمد.....خلیفۃ المسیح الخامس

26 اگست 2006ء کو حضرت مرزا عبدالحق صاحب کی وفات ہوئی تو کچھ دنوں کے بعد محترم میاں صاحب نے مجھے کہنا شروع کر دیا کہ ان کے بارے میں لکھیں میں بالکل مضمون نگار نہیں تھا میاں صاحب سے چھپتا چھپاتا ربوہ آتا مگر میاں صاحب تلاش کر لیتے اور اگر کبھی بغیر ملے چلا جاتا تو فون آجاتا آپ مل کر نہیں گئے وہ آپ کا مضمون کہاں تک پہنچا۔چنانچہ مجبوراً کچی پنسل سے کچھ ذاتی یادوں پر مشتمل مضمون لکھ لایا پڑھنے پر خوش ہوئے اور پورے کا پورا مضمون جنوری 2007ء کے ارسالہ انصاراللہ میں شائع کروا دیا اور پھر یہ مضمون رسالہ انصاراللہ حضرت مرزا عبدالحق نمبر میں بھی شائع ہو گیا۔

مجھے ان کے ساتھ قائد مجلس خدام الاحمدیہ رجوعہ ضلع منڈی بہاوالدین اور پھر سیکرٹری دعوت الی اللہ ضلع سرگودھا اور اُس وقت خاکسار قائد خدام الاحمدیہ ضلع سرگودھا بھی تھا جبکہ ناظم مجلس انصاراللہ ضلع سرگودھا ان کا پورا عرصہ رہا اور ان سے دعائیں لینے کا تعلق ان کے آخری دم تک رہا خاکسار 2014ء میں جب ہجرت کی تو ہمیشہ کامیابی کے لیے دونوں بھائی دعائیں کیا کرتے۔میری دعا ہے کہ خدا تعالیٰ اِنھیں کروٹ کروٹ جنت الفردوس میں حضرت محمد ﷺ ان کے خلفاء اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام اوران کے خلفاء کے قدم میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اوران کی اولادوں کو ان کے نقش قدم پر چلاتے ہوئے ہمیشہ خلافت احمدیہ کے محبت اور وفا کے تعلق کے ساتھ چمٹائے رکھے۔ آمین.....والسلام......خاکسار

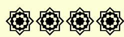
صفدر علی وڑائچ



غزل

اطہر حفیظ فراز

جزیروں سے جو نکلے وہ صبا کب قید ہوتی ہے
پہاڑوں سے گزرتی یہ ہوا کب قید ہوتی ہے،
ارے پگلی!! ارے ناداں!! وفا کب قید ہوتی ہے،
محبت لاک ڈاؤن سے بھلا کب قید ہوتی ہے
محبت اپنی راہوں پہ منازل خود بناتی ہے،
جہاں مانے یا نہ مانے، محبت جیت جاتی ہے
کبھی لیلیٰ کے قصوں کی محبت ترجمانی ہے،
کبھی شیریں کے اشکوں سے یہ لکھتی اک کہانی ہے،
کبھی سسی، کبھی سوہنی کے جذبوں کی روانی ہے،
محبت اک حقیقت ہے، نہ افسانہ کہانی ہے،
یہ دریا کے کناروں پہ کبھی آباد ہوتی ہے
محبت کرفیو میں بھی بہت آزاد ہوتی ہے
محبت تیز لہروں میں بنا پتوار جاتی ہے،
محبت اب کبوتر کے بنا اس پار جاتی ہے،
محبت برق پہ بیٹھی جو کوئے یار جاتی ہے،
محبت رُوپ دنیا میں نیا اک دھار جاتی ہے،
محبت ان خلاؤں سے بسرعت اب گزرتی ہے
محبت ریڈیائی ہے، شعاعوں پہ سنورتی ہے
دکانوں پہ لگے تالے، لبوں سے جام آتے ہیں،
مقفل آج گلشن ہیں، مگر گلفام آتے ہیں،
خموشی ہی مناسب ہے، یہاں کچھ نام آتے ہیں،
دریچے بند، گلی ویراں، مگر پیغام آتے ہیں،
نئی ایجاد کے صدقے!! صدا، تحریر آتی ہے
وہ خود آئے یا نہ آئے مگر تصویر آتی ہے۔





یادوں کے دریچے

سید حسن خان۔لندن



مجھے بتایا گیا ہے کہ میری پیدائش قادیان دارالامان ہندوستان میں ہوئی۔جب میں دو یا تین ماہ کا تھا تو ہندو پاک کی تقسیم ہوئی۔تقسیم کے وقت جب لوگوں کے تبادلے ہوئے اور ہم سب کو قادیان چھوڑنا پڑا ، ہندوؤں اور سکھوں کو پاکستان کی حدود سے نکلنا پڑا تو اس وقت مار دھاڑ کا بازار گرم تھا اور سکھ دھڑا دھڑ مسلمانوں کی قتل وغارت کرر ہے تھے اور اس وقت کا اندازہ تو ہمارے بڑے ہی کر سکتے ہیں مجھ جیسے کو تو لفظی علم ہے۔کہا جاتا ہے کہ سینکڑوں افراد کا قتل عام کیا گیا تھا۔بہر حال ہمارے نانا جان حضرت سید احمد نور کابلیؓ اپنی پوری فیملی کو قادیان ہندوستان سے پاکستان لانے کے لئے ایک ٹرک کے ذریعہ پہلے لاہور پھر ربوہ لائے۔ہمارے نانا جانؓ جب ہمیں ربوہ لائے تو ریلوے سٹیشن کے قریب تین بیڈروم کا مکان تعمیر کروا کر ہم دو فیملیوں کو وہاں آباد کیا۔میرے والد صاحب مرحوم تو قادیان میں ہی جبکہ خاکسار صرف دو ماہ کا تھا فوت ہو گئے تھے اس لئے میری والدہ صاحبہ، ان کے بچے اور میری خالہ جان مرحومہ اہلیہ سید گل نور مرحوم جو کہ میرے ماموں جان بھی تھے وہ بھی قادیان میں ہی کسی حادثہ سے فوت ہو گئے تھے، اوران کی فیملی نیز میرے ماموں جان سید محمد نور مرحوم مغفور۔میرے ماموں جان تو اپنے روزگار کے سلسلے میں عموماً پاڑا چنار، ایبٹ آباد، پشاور اور کراچی کے دوروں پر ہی رہا کرتے تھے۔میرے ماموں جان سید محمد نور صاحب مرحوم خدا تعالیٰ کے فضل سے معدنیات کے زبردست ماہر تھے۔مجھے یاد ہے ربوہ میں ان کے مختلف پتھروں کے تھیلے بھرے ہوتے تھے اور کہا کرتے تھے میں پہاڑی دیکھ کر بتا سکتا ہوں کہ اس میں کونسی معدنیات ہیں۔ربوہ اس وقت نیا نیا معرض وجود میں آیا تھا جہاں پر آباد ہونا ایک امتحان تھا۔نہ تو مناسب پانی وہاں مہیا تھا اور نا ہی کھانے پینے کی اشیاء دستیاب تھیں،جس کے لئے پہلے پہل ہمارے دکاندار بھائی میلوں دور ونز دیک سائیکلوں پر لاد کر دیہات سے اشیاء خرید کر بیچا کرتے تھے۔میں اتنا چھوٹا تھا کہ مجھے خود معلوم نہیں کہ کیسے میرے بڑے ضروریات زندگی مہیا کیا کرتے تھے۔نانا جان حضرت سید احمد نور کابلیؓ نے ہم سب کو بڑے پیار، اخلاص اور محنت سے پالا دن رات ہماری ہر طرح سے حفاظت کی اور آخر وقت تک ہماری پرورش کی اور بھلائی کی دعائیں کیں۔جس کے پھل ہم آج کھا رہے ہیں۔اللہ تعالیٰ نانا جانؓ کو ہر کروٹ جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور انبیاء کی رفاقت بخشے۔آمین۔



میری بڑی ہمشیرہ بتاتی ہیں کہ جب ربوہ نیا نیا بنا تھا تو اس وقت جنگلی جانور جن میں بھیڑیے ،لومبڑ یاں اور سانپ، بچھو وغیرہ کی تو بھر مار تھی۔کچے گھر کا واقعہ ہے کہ ایک دفعہ میرے نانا جانؓ اپنی بیٹھک میں نماز پڑھ رہے تھے یا کچھ کر رہے تھے اور رات کا وقت تھا۔تو اس وقت غلطی سے بیٹھک کا دروازہ کھلا رہ گیا جہاں پر آپ کی رہائش ہوتی تھی۔تو آپ نے دیکھا کہ ایک بھیڑیا دروازہ کے باہر کھڑا حملہ کرنے کی تاڑ میں ہے۔جب نانا جانؓ نے اس کو دیکھا تو اب دروازہ بھی بند نہیں کر سکتے تھے اور پھر نانا جانؓ کو یہ بھی ڈر تھا کہ اگر وہ اندر آ گیا تو گھر والوں پر حملہ بھی کر سکتا ہے۔لہٰذا نانا جانؓ کا کہنا ہے کہ وہ اس وقت تک خدا تعالیٰ سے اس سے بچاؤ کی دعائیں کرتے رہے کہ جب تک اللہ تعالیٰ کے فضل سے وہ بھیڑیا ناامید ہو کر بھاگ گیا۔ایک دفعہ تو میری بڑی بہن جو پاکستان میں ہوتی ہیں گھر سے باہر نکلیں تو ان کو سانپ نے کاٹ لیا۔تو پھر فوری طور پر ہومیو پیتھک کے ڈاکٹر صاحب جن کی گول بازار میں دکان ہوتی

تھی کو بلا کران سے دوا کھلائی تو پھر آرام آیا۔اور جہاں تک ربوہ کی سرزمین میں سانپ سپولیوں کا سوال ہے تو میں نے خود کئی دفعہ دیکھے تھے۔اس کے بارہ میں تو ربوہ کا ہر شہری اس کا گواہ ہے۔خاکسار مارچ 2019ء میں دوبارہ ربوہ گیا تو وہاں کی آبادی اور رونقیں دیکھ کر حیران ہو گیا کہ یہ وہی ربوہ ہے جہاں پر تو سوائے گھاس پھوس، چٹیل میدانوں اور جگہ جگہ گڑھوں کے کچھ بھی نہیں ہوا کرتا تھا مگر اب جگہ جگہ درختوں کی بھر مار ہے اور اس مبارک شہر کی آبادی دور دور تک پھیل چکی ہے۔ایک زمانہ تھا جبکہ ربوہ کی آبادی صرف ہندوستان سے آئے ہوئے مہاجرین کی ہی ہوا کرتی تھی اور وہ اپنی حدود کے اندر ہی ہوا کرتی تھی مگر اب تو اس کی آبادی چاروں طرف پھیل چکی ہے۔نئی نئی جگہوں پر دکانیں اور ہوٹلز بن چکے ہیں۔اب سب سے بڑی بات کہ وہاں پر دارالضیافت کی بلڈنگ اور فضلِ عمر ہسپتال کی کیا بات ہے۔نیز دفاتر بھی پودوں اور سبز گھاس سے خوب سجائے گئے ہیں۔اور جب میں نے نیا موصیان کا قبرستان دیکھا تو حیران ہی ہو گیا۔خوشی بھی ہوئی کہ میرا پیارا ربوہ ماشاء اللہ کتنی ترقی کر چکا ہے۔اور بڑی بڑی عمارتیں بن چکی ہیں۔نئی سڑکیں بن چکی ہیں جو کہ تقریباً ہر محلے تک جاتی ہیں۔مجھے یاد ہے جب میں نے 1972ء میں ربوہ کو چھوڑا تھا اس وقت کے حالات کا مقابلہ آجکل کے حالات سے کروں تو حیرانی ہوتی ہے کہ خدا تعالیٰ نے بزرگوں کی اور خلفاء کرامؓ کی دعاؤں اور قربانیوں کے صدقے اس شہر کو کتنی رونقیں اور ترقی بخشی ہے۔ایک وہ زمانہ تھا جبکہ اس شہر میں نہ تو کھانے پینے کی اشیاء ملتی تھیں اور نہ ہی بجلی اور گیس کا نام ونشان تھا۔اُس زمانہ کے حالات اور آجکل کے حالات کا مقابلہ کریں تو خدا تعالیٰ کے فضلوں کا جتنا بھی شکر کریں کم ہو گا۔ہمیں یہ بھی یقین محکم ہے کہ ایک وقت ایسا بھی آئے گا جب یہ شہر ربوہ دنیا کا عظیم ترین مشہور ہو گا۔انشاءاللہ تعالیٰ۔یقین مانیں کہ جب میں ربوہ گیا تھا تو مجھے اپنا گھر پہنچنا مشکل ہو گیا تھا کہ کہاں ہے۔پھر میرا دوست چوہدری سخی احمد جو ربوہ میں ہی رہتا ہے میرے ساتھ تھا اس کے ذریعہ میں اپنے گھر تک پہنچا۔گویا یہ حالات ہیں ربوہ شریف کے۔دعا ہے کہ خدا تعالیٰ میرے پیارے ربوہ کو دن دن ترقی بخشے اور حاسدوں اور دشمنوں کے ہر شر سے ہمیشہ محفوظ رکھے۔آمین

جہاں تک میری پڑھائی کا تعلق ہے تو، مجھے بتایا گیا ہے کہ میرے بڑے بہنوئی سید صادق نور صاحب مرحوم نے ربوہ میں مجھے سب سے پہلے نرسری میں داخل کروایا تھا۔یہ مجھے یاد ہے کہ وہ سکول یا نرسری وہاں پر تھی جس جگہ اس وقت خوبصورت دارالضیافت بنایا گیا ہے۔دراصل وہاں پر حضرت مصلح موعودؓ کے حکم سے بیرکیں بنوائی گئی تھیں وہاں پر ایک بچوں کا سکول بنایا گیا تھا۔اس وقت اس جگہ پر نا تو ٹاٹ تھے نا ہی دریاں۔صرف زمین پر بیٹھنا پڑتا تھا۔گرد وغبار بے حد ہوتی تھی۔پھر خاکسار نے پرائمری سکول، ہائی سکول اور کالج تک تعلیم ربوہ کے نیک ماحول میں حاصل کی۔سکول اور کالج کے حالات اور واقعات کا ذکر ایک لمبی داستان ہے جس کا ذکر میں نے اپنی کتاب ’’ربوہ کی چند پرانی یادیں‘‘ میں کیا ہے۔اس کو پڑھ کر اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ربوہ میں میرا بچپن، لڑکپن اور اس کا نیک ماحول ہمیشہ میری یادوں میں بستا ہے اور ہمیشہ ہی بستا ہی رہے گا۔ویسے یہ بھی عجیب بات ہے کہ جوں جوں عمر میں بڑھائی آتی جا رہی ہے ربوہ کی یادوں میں اور تیزی آتی جاتی ہے۔اسی شوق کو پورا کرنے کے لئے تو میں تقریباً ہر روز اپنے کمپیوٹر پر گوگل یا یوٹیوب چینلز میں جا کر ربوہ کی سیر کرتا ہوں اور اپنے دل کی بھڑاس نکالتا ہوں دوسرے یہ کہ وہاں میرے پیارے نانا جانؓ، ماموں جان مرحوم مغفور، میری والدہ مرحومہ اور میری پیاری بڑی بہن آپا صفیہ دفن ہیں نیز خلفاءِ احمدیت اور تمام بزرگ ہستیاں مدفون ہیں۔یہ عاجز ایک دفعہ سوچ رہا تھا کہ خدا تعالیٰ نے اس عاجز اور اکلوتے نواسے گناہگار کے لئے جو دعائیں میرے والد سید بازید خان صاحب کابلی مرحوم مغفور اور والدہ مرحومہ کے علاوہ میرے نانا جان حضرت سید احمد نور کابلیؓ نے کیں ان پر غور کرتا ہوں تو میں اپنے آپ کو بڑا خوش قسمت سمجھتا ہوں کہ خدا تعالیٰ نے مجھے ایک ایسے نیک خاندان میں پیدا کیا ورنہ نا جانے یہ عاجز کیا کا کیا ہوتا۔بچپن سے لے کر ابتک میرے مولا کریم کے احسانات اتنے ہیں کہ میں گن ہی نہیں سکتا۔یہ صرف میرے والدین اور میرے پیارے نانا جانؓ کی دعاؤں ہی کا نتیجہ ہے۔



مجھے فخر ہے کہ خاکسار کی پیدائش اور پرورش ایک نیک ہستی کے گھر میں ہوئی جس کی وجہ سے میرے خدا تعالیٰ کی مجھ جیسے گناہگار پر اپنی رحمتیں شروع سے لیکر اب تک ہورہی ہیں ۔ مجھے یاد ہے جب خاکسار ربوہ میں ہوتا تھا تو خاکسار کے ساتھ خدا تعالیٰ بعض اوقات بہت ہی اچھی اچھی خوابوں سے میرے جیسے گناہگار اور غریب کی حوصلہ افزائی کیا کرتا تھا ۔اس بارہ میں خاکسار اپنی چند خوابیں بیان کرتا ہے ۔ایک دفعہ خاکسار نے خواب میں دیکھا کہ چند کرسیاں پڑی ہیں ان پر سب بزرگان بیٹھے ہوئے ہیں جن میں سے ایک کرسی پر میرے نانا جان سید احمد نور کابلیؓ بیٹھے ہیں(حالانکہ میں نے اپنی زندگی میں اپنے پیارے نانا جان مرحوم مغفورؓ کو دیکھا تک نہیں تھا گویا صرف ان کی تصویر ہی دیکھی ہے) اور اسی کرسیوں کی لائن کی آخر کرسی پر خاکسار بیٹھا ہے، اتنے میں مَیں دیکھتا ہوں کہ میرے ماموں جان سید محمد نور مرحوم سامنے سے آرہے ہیں تو میں فوراً اُٹھتا ہوں تو اتنے میں ایک بزرگ میری کرسی خالی دیکھ کر بیٹھنا چاہ رہے ہیں تو میں ان کو کہتا ہوں کہ جناب یہ میری کرسی ہے، دیکھیں بیٹھ تو جائیں مگر جب میں آؤں گا تو پھر میں نے اس پر بیٹھنا ہے۔ بہر حال پھر مَیں اپنے ماموں جان کو کہتا ہوں کہ دیکھیں ادھر نانا جان بیٹھے ہیں ۔تب ماموں جان کہتے ہیں کہ کدھر ہیں تو میں ان کو ہاتھ کے اشارے سے کہتا ہوں وہ دیکھیں ۔اس کے بعد میری آنکھ کھل جاتی ہے ۔دوسری خواب ایک دفعہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو دیکھتا ہوں تو میں آپ علیہ السلام سے درخواست کرتا ہوں کہ حضور میرے ساتھ دُعا فرمائیں ۔تو حضور علیہ السلام فرماتے ہیں کہ چلو کرتے ہیں ۔تو جب ہم دعا کرنے لگتے ہیں تو ہمارے قریب سے کوئی لڑکا غالباً اس کا نام مبارک ہے یا کوئی اور وہ شور کرتا ہے تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کچھ ناراض سے ہوتے ہیں گویا دعا سے پہلے چاہتے ہیں کہ اس لڑکے کو منع کروں ۔تو میں پھر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو عرض کرتا ہوں کہ حضور میں ابھی اس کو منع کرتا ہوں ۔اس کے بعد میری آنکھ کھل جاتی ہے ۔ایک دفعہ میں نے خواب میں دیکھا کہ بہت دور آسمان پر ایک کھڑکی ہے اس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ مریم صاحبہ ہیں ۔ اور وہ دونوں آپس میں باتیں کررہے ہیں ۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بالکل جوان ہیں اور بہت خوبصورت سفید رنگ کے چہرہ میں اپنی ماں مبارکہ جیسی خوبصورت شکل صورت ہے ۔ان کی والدہ ماجدہ بھی بہت خوبصورت عربوں جیسی مگر آپ کا رنگ بھی گورا اور چہرہ مبارک سرخی مائل ہے ۔ وہ دور تو بہت ہیں مگر مجھے ایسے لگتے ہیں جیسے بہت قریب ہیں ۔اور میں ان دونوں کو آپس میں باتیں کرتے بھی سن رہا ہوں مگر مجھے اس کی سمجھ نہیں آتی کہ کیا ایک دوسرے کو کہہ رہے ہیں ۔اس کے بعد میری آنکھ کھل جاتی ہے ۔ ایک اور خواب میں مَیں نے دیکھا کہ ایک مکان ہے اور اس کی اوپر والی منزل پر ایک کھڑکی ہے جہاں پر پگڑی نظر آرہی ہے غالباً حضرت خلیفہ اوّل رضی اللہ تعالیٰ کی یا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ہے ۔اور وہ کھڑکی بیت الدعا کی کھڑکی ہے ۔اس کے بعد میری آنکھ کھل جاتی ہے ۔

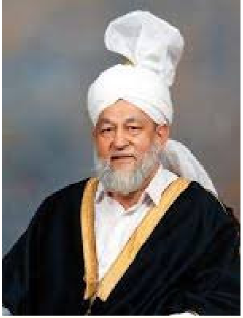
ایک دفعہ میں نے دیکھا کہ مَیں اپنے والد سید بازید خان مرحوم کی انگلی پکڑ کر جا رہا ہوں وہ جگہ واٹر لو سٹیشن ہے ۔حالانکہ میں صرف 2 یا 3 ماہ کا تھا جب میرے والد محترم قادیان میں فوت ہوگئے تھے ۔ میں نے ان کو دیکھا تک نہیں ۔مگر خدا تعالیٰ نے خواب میں دکھا دیا ۔ایک خواب آجکل کے حالات جو پاکستان میں ربوہ کے حالات ہیں ان کے بارہ میں نے خواب میں دیکھا کہ تمام احمدیوں کو ایک جگہ بالکل محصور کیا ہوا ہے اور باہر پولیس یا فوج والے مچانیں لگا کر بندوقیں تان کر بیٹھے ہیں کہ جب کوئی احمدی اس جگہ سے باہر نکلے تو اس کو وہ گولی مار دیتے ہیں ۔ اور میں اور میرے ساتھ ایک احمدی باہر پھر رہے ہیں اور سب حالات دیکھ رہے ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ یہ ظالم لوگ کتنا ظلم کررہے ہیں ۔ اتنے میں ہم دیکھتے ہیں کہ ربوہ کی پہاڑیوں میں سے وہ پہاڑی جو سرگودھا کی طرف جانے والی پہاڑی ہے، میں سے چند شعلے نکل کر آسمان کی طرف جاتے ہیں اور پھر آسمان سے زمین پر گرتے ہیں ۔ اتنے میں یہ چند شعلے پورا آتش فشاں بن کر سارے شعلے ان فوجیوں پر گرتے ہیں جس سے وہ سب تباہ ہوجاتے ہیں ۔ جب وہ سب مرکھپ جاتے ہیں تو سارے احمدی باہر نکل کر نعرے تکبیر کے نعرے لگاتے ہوئے باہر نکل آتے ہیں، تو وہی شعلے جو اُن ظالموں پر پڑ رہے تھے پھر بارش کے بڑے بڑے قطرے بن کر احمدیوں پر گرتے ہیں ۔ یہ خواب میں نے حضور انور کو بھی لکھی تو حضور انور نے فرمایا تھا کہ تمہاری خواب بہت واضح ہے ۔ اللہ کرے جلد ایسا ہی ہو ۔آمین میری اس عاجز کی اپنے خدا تعالیٰ سے دلی دعا ہے کہ مجھے کبھی اپنے پیارے حبیب حضرت محمد

مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی زیارت کرادے۔آمین۔اب خاکسار اپنے محلہ کے بارہ بھی چند سطور لکھتا ہے۔ہماری مسجد جو کہ دارالرحمت غربی میں ہے غالباً اس کا نام مسجد ناصر ہے۔خاکسار بچپن سے ہی اپنے ہمجولیوں کے ساتھ جماعت کے پروگراموں میں حصہ لیا کرتا تھا۔اوراس وقت خاکسار بڑی عمدہ قرآن کریم کی تلاوت کرتا تھا جس کا مجھے ابھی تک یاد ہے اور خدا تعالیٰ کے فضل سے مجھے ربوہ میں بچوں کا منتظم بھی بنایا گیا تھا۔اور جہاں کہیں بھی وقارِ عمل ہوتا وہاں پر ضرور شامل ہوا کرتا تھا۔اور رات کے وقت اپنے محلہ میں اور دوستوں کے ساتھ پہرہ بھی دیا کرتا تھا۔جہاں تک کھیلوں کا تعلق ہے یہ عاجز ہاکی، کرکٹ، میرو ڈبہ، گلّی ڈنڈا اور ربوہ میں ہر کھیلی جانے والی گیم میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا کرتا تھا۔مجھے میرے ایک دوست جن کا نام نصرت الٰہی صاحب حال لندن کا کہنا ہے کہ خان صاحب آپ کی بٹھا کر دھوڑی جو کہ میرو ڈبہ میں مارا کرتے تھے مجھے نہیں بھولتی۔خدا تعالیٰ کے فضل سے مجھے ہاکی اچھی کھیلنی آتی تھی۔صدر انجمن کی گراؤنڈ جو کہ صدر محلہ میں واقع تھی اب ادھر غالباً لائبریری بن چکی ہے۔ادھر خاکسار اپنے غلہ منڈی کے کھلاڑیوں کے ساتھ کھیلا کرتا تھا اور صدر محلہ میں سے شہاب الدین صاحب،نصیر احمد صاحب،خواجہ صفی الدین صاحب،چھی بی وغیرہ ہوتے تھے۔میچز بڑے زبردست ہوا کرتے تھے۔ہماری ٹیم میں چوہدری سخی احمد صاحب،سلیم احمد صاحب، بشیر احمد انجم،قریشی رشید احمد صاحب کا کا،تعظیم ملک صاحب وغیرہ ہماری منڈی کے کھلاڑی ہوا کرتے تھے۔ایک دفعہ سارے ربوہ میں ہاکی کا میچ منعقد کیا گیا جس میں صدر محلہ کی ٹیم،غلہ منڈی کی ٹیم،کالج کی ٹیم ،غالباً ایک اور ٹیم بھی تھی۔اور غلہ منڈی کی ٹیم کا خاکسار کیپٹن تھا۔ہماری ٹیم فائنل میں آ گئی۔اور فائنل میچ دیکھنے حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ بھی از راہ شفقت تشریف لائے اور ہمارا میچ دیکھ رہے تھے تو ایک وقت ایسا آیا کہ غلطی سے ریفری نے ہمارے خلاف گول دیدیا۔تو ہماری ٹیم کے کھلاڑیوں نے شور مچانا شروع کر دیا کہ یہ گول غلط دیا گیا ہے۔تو میں نے سب کو سمجھایا کہ دیکھو حضور انورؒ باہر میچ دیکھ رہے ہیں واپس آ کر گیم شروع کرو اور شور شرابا ختم کرو۔بہرحال پھر کھیل دوبارہ شروع ہوا بالآخر اسی گول سے ہم ہار گئے۔مزے کی بات کہ جب کھیل ختم ہوا تو حضور انورؒ نے مجھے بلایا اور بلا کر 50 روپے انعام دیئے اور فرمایا کہ مجھے خوشی ہوئی کہ تم نے اپنی ٹیم کو واپس بلا کر کھیل شروع کر دیا۔یہ واقعہ مجھے ساری عمر نہیں بھولے گا۔جہاں تک سکول اور کالج کی پڑھائی کا تعلق ہے وہ یہ کہ سکول اور کالج کی مناسب کتابوں کی کمی کے باوجود میرا مولا کریم میری خوابوں سے میری مدد کر کے پاس کروادیا کرتا تھا۔میٹرک ،انٹرمیڈیٹ اور بی اے میں تینوں سالانہ امتحانوں میں میرے خدا نے خوابوں سے پاس کروادیا۔بی اے کے فائنل امتحان میں انگلش کا پیپر تھا اور مجھے بڑی فکر تھی کہ میں کیسے پاس ہوں گا۔رات کو میں نے خواب میں دیکھا کہ پرچہ میں ٹیکنیکل ایجوکیشن کا مضمون آیا ہے۔تو میں اپنے عزیز کے پاس گیا اور ان سے کہا کہ مجھے اس مضمون پر نوٹس بنا دیں تا کہ میں یاد کرلوں جو کہ امتحان میں آرہا ہے۔وہ حیران ہوئے اور مجھے کہا حسن تم مجھ سے اور بھی پڑھ لو یہ ضروری نہیں کہ یہی مضمون امتحان میں آجائے۔مگر پھر میرے اصرار پر انہوں نے نوٹس بنا دیئے۔خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ وہی مضمون پرچہ میں آ گیا اور میں نے اس میں اچھے نمبر لئے۔بلکہ میں نے اپنے دوستوں سے بھی کہا کہ یہ مضمون تیار کرلو یہ امتحان میں آرہا ہے۔جس کی سب سے بڑی وجہ میری والدہ ماجدہ مرحومہ کی خدمت تھی۔جہاں تک اپنے والدہ کی خدمت کا تعلق ہے۔خدا تعالیٰ نے مجھے اپنی والدہ محترمہ مرحومہ کی بہت خدمت کی توفیق بخشی۔جس کا پھل میں آج بھی کھا رہا ہوں۔میری یہی اپنے احمدی بہن بھائیوں سے درخواست ہے کہ وہ اگر دنیا میں کچھ بننا چاہتے ہیں تو وہ اپنی والدہ اور والد صاحب کی خدمت اپنا شعار بنائیں تب وہ بھی خدا تعالیٰ سے پھل اسی دنیا میں ہی پالیں گے۔انشاءاللہ تعالیٰ۔



ربوہ کی پیاری سرزمین اور وہ ہماری غلہ منڈی کی مسجد جس میں صحابہ کرام حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور نیک نیک وجود ہمیشہ بیٹھے یاد آتے ہیں۔مجھے تو وہ یاد بھی نہیں بھولتی جہاں پر حضرت مولانا غلام رسول صاحب راجیکی رضی اللہ تعالیٰ عنہ،حضرت حکیم رحمت اللہ صاحبؓ،حضرت مولانا ابوالعطاء صاحب جالندھری مرحوم مغفور،صوفی بشارت الرحمن صاحب مرحوم،مولانا نذیر احمد مبشر

صاحب مرحوم اور کئی ایسی چیدہ چیدہ نیک ہستیوں کی موجودگی میں وہاں نمازیں پڑھنا بھی ایک عجیب نظارہ پیش کرتا تھا۔اور مجھے ابھی تک یاد ہے جب کبھی کبھی مولانا عطاء المجیب راشد صاحب حال لنڈن مغرب کی نماز کے بعد حدیث کا درس دیا کرتے تھے۔اس وقت ہمارے محلہ غلہ منڈی کے صدر محترم کیپٹن سعید صاحب مرحوم ہوا کرتے تھے۔وہ بھی بہت پیار کرنے والی اور رُعب دار شخصیت تھے۔جن کے بیٹے میرے پیارے دوست تھے اور ہیں جن کا نام سلیم احمد ہے۔جو کہ آجکل ربوہ میں ہی مقیم ہیں۔سلیم احمد کے علاوہ میرے ہم جولی دوستوں میں رفیع الدین بابر حال کراچی پاکستان ، شیخ محمد یونس شہید مرحوم، منہاج النبی مرحوم،ظہیر الدین بابر مرحوم، چوہدری سخی احمد حال ربوہ پاکستان، ملک تعظیم احمد مرحوم،جمیل احمد، نصرت الٰہی حال لندن، اسی طرح اور بھی کئی ایسے ہمجولی تھے ان میں سے تو کئی نام ہی بھول گئے ہیں،سب کا ذکر کرنا مشکل ہے۔بچپن کا زمانہ بھی کیا عجیب زمانہ ہوتا ہے۔وہ ہی ایسا زمانہ ہوتا ہے جس کو یاد کر کے انسان دل کو ٹھنڈک پہنچاتا ہے۔مجھے انگلستان آئے عرصہ دراز ہو گیا ہے،گویا اب انگلستان میں رہتے پاکستان سے زیادہ عرصہ ہو گیا ہے۔مگر پھر بھی ربوہ اور پاکستان کی یادیں کبھی بھی بھولتی نہیں ہیں بلکہ اب تو اور زیادہ ربوہ یاد آتا ہے۔مجھے یاد ہے جب مَیں ربوہ میں ہوتا تھا تو ایک دفعہ میرے دوست ظہیر الدین بابر مرحوم نے پروگرام بنایا کہ حسن! چلو لاہور سائیکلوں پر چلتے ہیں۔پھر ہمارے ساتھ محمود احمد مرحوم بھی شامل ہو گیا۔ہم تینوں سائیکلوں پر صبح صبح فجر کی نماز پڑھنے کے بعد ربوہ سے چل پڑے۔پہلے ہم شیخوپورہ پہنچے وہاں میری خالہ جان رہتی تھیں جو کہ اب اللہ تعالیٰ کو پیاری ہو گئی ہیں۔ان کے گھر ہم کچھ منٹوں کے لئے ٹھہرے پھر لاہور روانہ ہو گئے۔اور لاہور پہنچنے میں تقریباً کل بارہ گھنٹے لگے۔اتنا لمبا سفر کرنے سے اس وقت سفر کی تھکاوٹ سے ہم چور ہو چکے تھے۔اور سائیکلوں کی بریکیں بھی تقریباً ختم ہو چکی تھیں۔مگر پھر بھی ہم تینوں نے اس سفر کو بہت محظوظ کیا۔پھر وہاں سے آتی دفعہ بسوں کے ذریعہ گھر آ گئے۔ربوہ میں بچپن کے شغل تو ابھی تک بھولتے ہی نہیں ہیں۔گرمیوں میں چند دوست مل کر پکّو والی نہر پر جایا کرتے تھے۔سائیکلوں پر کھانے پینے کا سامان لاد کر جاتے اور ادھر خوب انجوائے کرتے۔اور کبھی کبھار تو بڑی برج والی نہر بھی کالج کی طرف سے پروگرام بنا کرتے تھے۔وہ بھی مزے دار ٹرپ ہوا کرتا تھا۔مگر پھر ایک دفعہ ہمارے کالج کا گروپ گیا تو ادھر ہمارے کالج کا لاہور کا لڑکا تھا۔وہ نہر میں ڈوب گیا تھا۔مجھے یاد ہے۔اس کے بعد کالج کی طرف سے وہاں جانے پر مکمل پابندی لگا دی گئی تھی۔ربوہ کے ہی دنوں کی بات ہے کہ ایک دفعہ مَیں شیخوپورہ شہر اپنی خالہ جان کو ملنے گیا ہوا تھا۔ان کے گھر سے باہر اکیلا بازار گھومنے پھرنے چلا گیا۔پھرتا ہوا لاہور جانے والی سڑک پر چلا گیا۔سڑک کے پاس ایک پٹرول پمپ تھا مَیں نے اُدھر دیکھا کہ ہمارے پیارے آقا حضرت مرزا طاہر احمد صاحب (خلیفۃ المسیح الرابعؒ) ایک پٹرول پمپ سے اپنی کار میں وہاں پٹرول بھروا رہے ہیں مَیں قریب گیا سلام کیا تو فوراً فرمانے لگے حسن! ربوہ جلدی آجاؤ وہاں طاہر کبڈی ٹُورنامنٹ شروع ہونیوالا ہے۔مَیں نے کہا میاں صاحب! (خلافت سے پہلے کی بات ہے) میں یہاں اپنی خالہ جان کو ملنے چند دنوں کے لئے آیا ہوا ہوں انشاء اللہ تعالیٰ میں ضرور پہنچ جاؤں گا۔اس بات پر حضورؒ بہت خوش ہوئے اور سلام کیا اور پٹرول بھروانے کے بعد لاہور کی طرف روانہ ہو گئے۔مَیں بعد میں حیران ہوتا رہا کہ میاں صاحب کو ہمارا کتنا خیال ہے۔یہی خیال اور پیار کا اظہار ہی تھا جو خدا تعالیٰ نے ان میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔کہ میرے جیسے غریب اور نکمّے انسان کو بھی مل کرا تنے پیار سے بات کرتے تھے۔



پیارے حضورؒ کا ایک اور واقعہ مجھے نہیں بھولتا کہ میں جب لندن آ گیا اور مجھے ربوہ پاکستان جانا ہوا۔یہ تقریباً 1980ء کی بات ہے میں اپنی فیملی کو لیکر پاکستان گیا۔اور میری اہلیہ اور بچوں کو سیالکوٹ میں میں نے چھوڑا کہ وہ اپنے نانا جان کی فیملی میں چند دن کیلئے رہ سکیں۔اور میں خود اکیلا ربوہ آ گیا۔جب میں ربوہ آیا اور مجھے اپنے اہل وعیال کو سیالکوٹ سے لانا تھا۔تو میں نے سوچا کیوں نا انصار اللہ مرکزیہ کی ٹرانسپورٹ پر لے آؤں تا کہ آسانی رہے۔اس غرض کے لئے مجھے صاحبزادہ مرزا طاہر احمد صاحبؒ کی وساطت سے ہی کار مل سکتی تھی۔تو میں سیدھا آپ کے دفتر میں چلا گیا۔وہاں پر اس وقت ہمارے استاد ابراھیم بھانبڑی صاحب آپ کے دفتر میں کام کرتے

تھے۔ مجھے ملے اور میں نے کہا کہ میں صاحبزادہ مرزا طاہر احمد صاحب سے ملنا چاہتا ہوں۔ اس پر انہوں نے کہا کہ وہ اس وقت نہیں مل سکتے آپ کل آ جائیں۔ میں نے کہا کہ میں لندن سے آیا ہوں۔ مجھے ابھی ملنا ہے۔ میری اس گفتگو کی آواز حضورؒ کو آ گئی۔ جبکہ اس وقت آپؒ دفتر میں ہی بیٹھے ہوئے تھے۔ اندر ہی سے مجھے آواز دی کہ حسن کو اندر بھیج دیں۔ میں اندر گیا آپ بڑے تپاک سے ملے اور کہنے لگے کہو کیا کہنا چاہتے ہو میں نے عرض کیا کہ میاں صاحبؒ میری بیوی اور بچے سیالکوٹ میں ہیں مَیں ان کو کار کے ذریعہ ربوہ لانا چاہتا ہوں اس کے لئے مجھے انصار اللہ کی کار درپیش ہے تو اس پر آپؒ نے مسکراتے ہوئے فرمایا کہ تم بیشک اپنے بیوی بچوں کو لے آؤ میں آپ کے لئے انصار اللہ مرکزیہ کی کار کا بندوبست کروا دیتا ہوں۔ اس طرح میرے پیارے آقا نے فوراً باہر حکم دیا کہ ان کے لئے کار کا بندوبست کر دیں اور ساتھ ہی ڈرائیور کا بھی بندوبست کروا دیا۔ اس طرح پھر میں اپنی بیوی بچوں کو کار پر سیالکوٹ سے ربوہ لے آیا۔ ہزار ہزار رحمتیں اور برکتیں ہوں پیارے آقا حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ پر۔ ان کے مجھ پر اور بھی بہت سے احسانات ہیں۔ جن میں سے ایک اور بھی ہے، وہ یہ کہ ایک دفعہ مَیں ناچیز ربوہ میں آپؒ کے گھر ان کو ملنے گیا تو آپ بڑے تپاک سے پیش آئے اور اپنی بیٹھک میں بٹھا کر میرے لئے فوراً گھر سے چائے اور بسکٹ لائے۔ جو کہ میں نے کھائے اور اس دوران کافی باتیں بھی ہوتی رہیں۔ ایک دفعہ جبکہ آپؒ خلافت سے قبل امریکہ اپنی فیملی کے ساتھ گئے تھے۔ واپسی پر لندن بھی تشریف لائے۔ اس دوران خاکسار کے اصرار پر آپ میرے گھر تشریف لائے جبکہ اس وقت خاکسار اپنی فیملی کے ساتھ ایک چھوٹے سے فلیٹ میں رہتا تھا جو Clapham Comon میں ہوتا تھا۔ جب آپ تشریف لائے اس وقت میرے ساتھ میرے سسر صاحب چوہدری محمد نذیر باجوہ صاحب مرحوم بھی تھے۔ ان کے ساتھ بھی آپ کافی دیر باتیں کرتے رہے اور میرے ساتھ بھی۔ بعد میں کھانا بھی تناول فرمایا۔ ربوہ میں اپنے بچپن کے دوستوں کے ساتھ جن میں زیادہ تر شیخ محمد یونس شہید مرحوم (جو کہ لاہور کی دو مساجد میں ظالموں نے جب گنوں سے حملہ کیا یہ میرا پیارا دوست مسجد کی پہلی صف میں تھا، لہٰذا وہ پہلے ہی حملہ میں شہید ہو گیا)، رفیع الدین بابر، منہاج النبی مرحوم، چوہدری سخی احمد، سلیم احمد، بشیر احمد انجم، تعظیم احمد ملک مرحوم، جمیل احمد، مسعود احمد بوٹا، نصرت الٰہی اور ظہیر الدین بابر مرحوم اور ناصر احمد مرحوم وغیرہ شامل تھے۔ گُلّی ڈنڈا، میرو ڈبہ، ہاکی، کرکٹ اور آنکھ مچولی وغیرہ کھیلوں کے شغلوں کے علاوہ شکاریات، گرمیوں میں پکّو والی نہر پر جانا اور ادھر شغل میلا کرنا اور دن رات کی جماعتی ڈیوٹیوں کے علاوہ بیشمار اور بھی کئی شغل ہوا کرتے تھے۔ جن میں جماعتی وقار عمل بھی ایک نہایت ہی عظیم کام تھا۔ مجھے ابھی تک یاد ہے۔ جب ہم نے ربوہ کے بڑے بڑے گڑھوں کو پُر کیا۔ اس دور میں تو آئے دن کہیں نہ کہیں وقار عمل ہوا کرتا تھا جس میں بڑے اور چھوٹے خوشی خوشی شامل ہو کر کام کرتے تھے۔ ربوہ میں وقار عمل کی تو ہر روز ہی ضرورت پڑا کرتی تھی اس بات کو سب ربوہ والے جانتے ہیں۔ ربوہ تو میری ایسی یاد ہے جس کو ایک پَل بھی میں بھول نہیں سکا اور نہ ہی بھول سکوں گا۔ ربوہ میں ہی تو میرا بچپن گزرا، تعلیم کا زمانہ تھا یا یوں کہہ لیں کہ کھیل کود کا زمانہ۔ مگر اس کے بعد اس ناچیز کو خدا تعالیٰ نے ایک نیک دل اور ہمدرد بہن دی جو کہ اپنے خاوند کے ساتھ انگلستان کے ایک مشہور شہر لندن میں رہ رہی تھی انہوں نے ہمت کر کے اس ناچیز کو 1972ء میں لنڈن میں Souththames میں مزید پڑھائی کے لئے داخلہ دلا کر لندن بلا لیا۔ لندن آ کر خاکسار کو اللہ تعالیٰ نے پہلے Souththames کالج پٹنی میں ایک سال بزنس سٹڈیز کا کورس کرنے کی توفیق بخشی اس کے بعد خاکسار نے کمپیوٹر پروگرامنگ کا کورس آئزلورتھ Isleworth Middlesex میں کیا۔ اس کے علاوہ مجھے دو تین اور کورسز کرنے کی توفیق ملی۔ جن میں سے ایک ٹرانسلیشن کا کورس بھی ہے۔ خدا کے فضل سے اس کورس کے کرنے کے بعد خاکسار کو ہوم آفس اور رفیوجی سنٹر میں کافی عرصہ ٹرانسلیشن بھی کرنے کی توفیق ملی۔ اس کے بعد چھوٹے موٹے کام کرنے میں مَیں نے کبھی عار نہیں سمجھی۔ مجھے یاد ہے میں اس ملک میں آ کر کچھ دیر ایک چھوٹے سے پاکستانی ہوٹل میں برتن بھی صاف کر کے گزارہ کرتا رہا۔ مجھے یاد ہے پہلے پہل جب مَیں ملازمت کی تلاش میں تھا تو مجھے ایسٹ لندن میں کپڑے کے وئیر ہاؤس میں بھی پیکنگ کا کام کرنا پڑا۔ وہ شاپ یا وئیر ہاؤس ایک یہودی کا تھا۔ وہ مالک اتنا اچھا تھا، مجھ سے کام کم ہی لیا کرتا تھا بلکہ میری عزت بہت کرتا تھا۔ دراصل میں نے اس مالک کو ایک دفعہ کہا کہ میرا تعلق افغانستان سے ہے۔ اور میرے آباء واجداد

بھی یہودی ونسل ہیں، میں نے اس سے کہا کہ جبکہ یہودیوں کے بارہ قبیلے بادشاہ بخت نصر کے زمانہ میں ہجرت کر کے فلسطین سے کچھ افغانستان اور کچھ کشمیر کی طرف چلے گئے تھے اور ہم افغانی بھی انہیں کی نسل میں سے ہیں۔ اس پر وہ بہت خوش ہوا تھا۔ اور میری بہت عزت کرتا تھا۔ جب کبھی زیادہ کام کرنا ہوتا تو میری خود مدد کرتا اور مجھے ہمیشہ کہتا کہ خان صاحب فکر نہ کرو میں آپ کی مدد کر دیتا ہوں۔ اور مجھے چھٹیاں بھی بہت دے دیا کرتا تھا۔ اللہ تعالیٰ اس کو اس کی بہترین جزا دے۔ آمین۔ لہٰذا میں نے اس کی دکان پر پیکنگ کی نوکری چند ماہ کی پھر مجھے خدا تعالیٰ کے فضل سے پہلے واٹرلو سٹیشن میں ٹکٹ کلیکٹر کی نوکری ملی۔

جب مَیں نے ٹکٹ کلیکٹر کی نوکری شروع کی تو اس وقت جو لوگ بغیر ٹکٹ ہوتے تھے تو وہ ٹکٹ کلیکٹر کو جہاں سے آئے ہوتے تھے کرایہ ادا کرتے تھے۔ اور اس وقت میرے ساتھ کام کرنے والے اکٹھی کی ہوئی رقم بُکنگ آفس میں جا کر جمع کرواتے تھے اور میں بھی ایسے کرتا تھا۔ مگر جب میں نے دیکھا کہ ٹکٹ کلیکٹرز جو بیریئر میں کام کرتے ہیں بے ایمانی کر کے زیادہ رقم اپنی پاکٹ میں ڈال لیتے ہیں اور تھوڑی سی رقم جمع کراتے ہیں۔ تو مَیں اس کام کو ایک گناہ سمجھتا تھا۔ اور اسی دوران مَیں نے ایک دن خواب میں دیکھا کہ میرے ساتھ کام کرنے والے سارے ٹکٹ کلیکٹر وں کی خدا تعالیٰ سے ملاقات ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کو میں نے دیکھا تو میں نے کہا کہ یہ کیسا خدا ہے۔ جو ایک ڈرا ہوا بے ڈھنگا سا ہے اور پھر ہر ایک کو گلے ملتا ہے۔ پھر بعد میں کہتا ہے کہ باہر کا راستہ کیا ہے تو میں اسے بتاتا ہوں کہ وہ راستہ ہے، تو کیا دیکھتا ہوں کہ وہ فوراً بھاگ جاتا ہے۔ تو اس کے بعد میں نے سوچا کہ یہ نوکری میرے لئے اچھی نہیں ہے تو پھر میں نے واٹرلو سٹیشن میں ہی گارڈ کیلئے اپلائی کر دیا پھر خدا کا کرنا ہوا کہ فوراً ہی مجھے ریلوے گارڈ کی نوکری بھی مل گئی۔ پھر وہاں پر مجھے خدا تعالیٰ کے فضل سے 16 سولہ سال کام کرنے کی توفیق ملی۔ اس نوکری میں میرے ساتھ اسلم خالد صاحب حال لندن اور ملک بلاغ الدین صاحب مرحوم جیسے بہت ہی ہمدرد اور شفیق دوست ملے جن کے ساتھ کام کرنے کا کافی مزہ اور آرام رہا۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے اس زمانہ میں سب اخبار لندن سے مختلف علاقوں میں ریلوے کے ذریعہ بھیجے جایا کرتے تھے۔ عموماً رات کی گاڑیوں میں واٹرلو سٹیشن سے بھی اخبارات جایا کرتے تھے۔ اور ہمارا کام بھاری اخباروں کو ٹرین کے ڈبوں میں ترتیب سے رکھنا ہوتا تھا۔ میں اور کبھی کبھار اسلم خالد صاحب بھی میرے ساتھ رات کی ڈیوٹی دیا کرتے تھے۔ کام کافی مشکل اور بھاری ہوتا تھا مگر اس کی اُجرت اچھی خاصی مل جایا کرتی تھی۔ کام تو صرف چند گھنٹے ہی ہوتا تھا مگر کافی تھکا دینے والا ہوتا تھا۔

اسی دوران خاکسار کو خدا تعالیٰ نے ایک سال کا ٹرانسلیشن کا کورس کرنے کی توفیق بخشی۔ جو کہ مجھے کافی مفید اور کارآمد رہا۔ ریلوے میں ملازمت کے علاوہ اس شعبہ میں بھی خاکسار کو تقریباً دس پندرہ سال ہوم آفس کرائیڈن اور رفیوجی سنٹر ایسٹ لندن میں ٹرانسلیشن کرنے کی توفیق بخشی۔ اس دوران خاکسار کو کبھی کبھار گھر سے ہی لوگوں کی ٹرانسلیشن کرنے کی توفیق بھی مل جایا کرتی تھی اس کی اُجرت بھی خاصی اچھی تھی۔ یہ خدا تعالیٰ کا خاص فضل رہا کہ جس شعبہ میں بھی خاکسار نے کام کیا احسن رنگ میں کام کرنے کی توفیق ملتی رہی۔ یہ تو خدا تعالیٰ کا بڑا فضل اور رحم ہی رہا کہ خدا تعالیٰ نے پاکستان سے عظیم ملک برطانیہ میں آنے کی توفیق بخشی۔ ورنہ پاکستان میں تو میرے جیسے غریب کا تو وہی حال ہوتا جو غریبوں اور بے سہاروں کا ہوتا رہا ہے اور ہو رہا ہے۔ اُس ملک میں تو اچھے بھلے پڑھے لکھوں کو نوکریاں تک نہیں ملتی۔

ہمارے ملک میں جب تک کوئی جاننے والا نہ ہو یا سفارش نہ ہو تو چھوٹی موٹی نوکری بھی نہیں ملتی۔ ہم جو لوگ اس ملک یعنی برطانیہ میں آئے ہوئے ہیں ان کو اس ملک کے یقیناً احسان مند ہونا چاہئے جس نے ہمارا مستقبل بنا دیا اور ہماری اولادوں کو بھی باوقار زندگی بخشی ہے۔ خدا تعالیٰ نے خاکسار کو اپنے فضل سے کافی کام کرنے کی توفیق بخشی۔ جو کہ خاکسار پہلے بیان کر چکا ہے۔ خاکسار کوئی بھی کام اور جیسا بھی ملتا تھا بڑی خوشی سے کر لیا کرتا تھا۔ جب خاکسار کو ریلوے سے ریٹائرمنٹ ملی تو پھر مجھے چند ماہ برٹش ائیرویز میں بھی کام کرنے کی توفیق ملی۔ اس وقت میرے ساتھ مرزا عبدالرشید صاحب، مرزا عبدالباسط صاحب کے علاوہ اور بھی احمدی بھائیوں کے ساتھ اکٹھے کام کرنے کا موقع ملا۔ مگر دل کی تکلیف کی وجہ سے خاکسار کو اس ملازمت کو چھوڑنا پڑا۔ ورنہ مجھے یاد ہے خاکسار نے اسی دوران برٹش ائیرویز میں ایک اور جگہ بھی ملازمت

کے لئے درخواست دی اور خدا کے فضل سے ملازمت بھی دیدی گئی تھی۔اسی ملازمت کے سلسلے میں ایک بات جو مجھے کبھی نہیں بھولتی کہ جب اس ملازمت کے لئے مجھ سے انٹرویو لیا جارہا تھا تو اس انٹرویو میں مجھ سے پوچھا کہ کوئی اپنے بارہ میں بتاؤ کہ کیا کیا کرتے رہے ہو تو میں نے اس دوران اس سے کہا کہ میں اپنی احمدیہ مسلم کمیونیٹی جو لندن کے علاوہ ساری دنیا میں ہے۔خاکسار لندن کے ایک علاقہ میں اپنے علاقے کا صدر ہے اور میرے ماتحت میرے بارہ سیکریٹریان بھی ہیں جن سے مجھے ہر ماہ ان کی کارکردگی کے بارہ رپورٹ لینی ہوتی ہے اور پھر ان سب کی رپورٹ اپنی کمیونٹی کے امیر صاحب کو پیش کرتا ہوں۔وغیرہ۔تو اس میری ساری بات کو سن کر وہ بہت حیران ہوگئی اور مجھ سے کہا کہ تم جیسے ہی تو کام کرنے والے ہمیں چاہئیں۔اور پھر ملازمت دیدی۔مگر جب نوکری کرنے کا وقت آیا تو پھر میری دل کی بیماری اور دل کے آپریشن کی وجہ سے میں نے ملازمت کرنے سے معذرت کردی۔حالانکہ وہ نوکری بہت اچھی اور پہلی نوکری سے کہیں بہتر بھی تھی۔خاکسار کو محض خدا تعالیٰ کے فضل سے اور اپنے نانا جان مرحوم حضرت سید احمد نور کابلی ؓ صحابی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعاؤں اور عظیم والدین مرحومین کی دعاؤں کے طفیل تین کتابیں بھی لکھنے کی توفیق ملی۔جن میں پہلی کتاب ''ربوہ کی چند پرانی یادیں'' دوسری کتاب ''سرزمین افغانستان اور شہداء احمدیت کی خونچکاں داستان'' اور ایک چھوٹا سا کتابچہ ''عمرہ کی دعائیں اور مقاماتِ مقدّسہ'' ہے۔

جہاں تک خاکسار کی ذاتی زندگی کا تعلق ہے۔خاکسار کو خدا تعالیٰ نے سسر صاحب مرحوم جن کا نام چوہدری نذیر احمد باجوہ تھا اور ساس صاحبہ بہت ہی نیک اور تہجد گزار اور انتہائی محبت کرنے والے وجود بخشے۔مجھے یاد ہے جب میرے سسر صاحب میرے گھر آتے تو کہا کرتے تھے کہ مجھے اپنی بیٹی کے گھر میں بہت سکون ملتا ہے۔مجھ سے اپنے بچوں سے بھی زیادہ پیار کرتے تھے۔خدا تعالیٰ ان کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور ہمیں بھی ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق دے۔آمین غالباً 1999ء میں یوکے جماعت کو مورڈن میں ایک جگہ خریدنے کی توفیق بخشی تھی جو کہ پہلے ایک دودھ کی ڈیری فارم تھی،جو کہ رقبے کے لحاظ سے خاصی بڑی جگہ تھی۔مجھے اچھی طرح یاد ہے جب جماعت احمدیہ نے یہ جگہ لینی تھی تو ہمارے مخالفین،کیا انگلش کیا پاکستانی ملانوں کے چیلے چانٹے اس زمین کو خریدنے میں ہمارے سخت مخالف تھے۔اُن دِنوں نزدیکی گھروں کے باہر کے دروازوں پر No,No لکھا ہوتا تھا کہ یہ جگہ کسی مسلمان کو نہ دی جائے وغیرہ۔لہٰذا جب مرٹن ہاؤس میں اس زمین کا سودا ہونا تھا تو کونسل کے باہر بڑا ہجوم تھا جو ہمارے خلاف نعرے لگارہے تھے۔اور کونسل میں جب فیصلہ ہونا تھا تو اس وقت،چونکہ میں اس مورڈن جماعت کا صدر تھا تو میں بھی ان احمدی اشخاص میں شامل تھا جو کونسل میں اس زمین کے لینے آئے ہوئے تھے۔میرے علاوہ غالباً ان احباب میں چوہدری عبدالرشید آرکیٹیکٹ صاحب،امیر صاحب یوکے محترم آفتاب خان صاحب مرحوم،ناصر خان صاحب،اور ایک دو اور احباب بھی تھے جو کہ مجھے یاد نہیں رہے۔وہاں پر ایک غیر احمدی پاکستانی نے کہا کہ احمدیوں کی پہلے ہی ایک ساؤتھ فیلڈز میں جگہ اور مسجد ہے لہٰذا ان کو نہیں دینی چاہئے۔اس پر انگلش جو سودا کررہا تھا نے جواب دیا کہ یہ کوئی سوال نہیں ہے،ہم نے یہ جگہ فروخت کرنی ہے اس لئے جو خریدنا چاہئے گا ہم اس کو دیں گے۔پھر ایک انگلش شخص نے کہا کہ اس کو کوڑا کرکٹ کے لئے Dumping Place بنادیا جائے تو اس پر آفیسر نے کہا کہ ہم اس کو صرف بیچنا ہی چاہتے ہیں۔بہرحال ایسے پھر خدا تعالیٰ نے اس وقت ہمیں یہ جگہ دلادی۔کافی عرصہ سے بند ہونے کی وجہ سے یہ جگہ بہت ہی بری حالت میں تھی۔لہٰذا جب ہمیں جگہ مل گئی تو اس کو استعمال کے بنانے کے لئے ہمیں بہت محنت اور مشقت کرنی پڑی تھی اس وقت کو تو وہی جانتے ہیں جو وقت دیتے تھے۔اس وقت جگہ جگہ گند اور لوہے کے چھوٹے بڑے پائپ تھے جن کو ہمیں کاٹنا ہوتا تھا۔زیادہ تر جو ناصر ہال،نور ہال اور طاہر ہال ہیں اس وقت ان جگہوں کی حالت کے بارہ کیا بتاؤں کہ کس حالت میں تھے۔بہرحال وقت کے ساتھ ساتھ وقارعمل سے اس سارے گند کو ختم کیا گیا۔مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ ناصر ہال میں تو اتنے لمبے لمبے پائپ تھے جن کو کاٹنا بہت ہی مشکل تھا،اس وقت سید منور احمد نوری صاحب کو میں نے خود دیکھا تھا وہ Pipes پر لٹک کر کاٹتے تھے۔اس بارہ بھی کافی لمبی سٹوری ہے۔جو کہ جماعت کی رپورٹ میں بھی شاید شامل کردی گئی ہو۔مگر میرے علاوہ جن دوستوں نے اس سرزمین کو آباد کرنے میں حصہ لیا وہ کبھی نہیں بھولائے جاسکتے۔جن میں محترم منور نوری صاحب،صادق نسیم چوہدری صاحب،شیخ سعید صاحب

مرحوم اور حمید بیگ صاحب وغیرہ شامل تھے۔ سوائے محترم منور نوری صاحب کے بیت الفتوح جماعت کے ممبر ہی زیادہ اس کام میں حصہ لیا کرتے تھے۔ (اس وقت بیت الفتوح ہی ایک جماعت ہوا کرتی تھی پھر بعد میں اس جماعت کو تعداد بڑھنے پر مزید جماعتوں میں تقسیم کر دیا گیا)۔

بیت الفتوح لینے کی تاریخ کا مجھے اس وقت معلوم ہوا جب میں نے اپنی 1999ء اکتوبر کی ڈائری پڑھی تو اس میں یہ سب کچھ لکھا ہوا تھا۔ دراصل خاکسار کا معمول ہے کہ خاکسار ہر روز کی ڈائیری لکھتا ہے۔

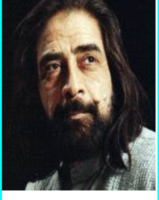


خاکسار اب سب سے بڑی نیکی اور والدین کی دعاؤں کے طفیل جو اس گناہگار نے کی وہ یہ ہے کہ خاکسار کو خدا تعالیٰ کے فضل سے خدا تعالیٰ کے گھر کا طواف اور صفا مروہ کی سعی کرنے کی توفیق بخشی اس کا بھی ذکر کرنا چاہوں گا۔ خدا تعالیٰ کے فضل اور اپنے بزرگوں کی دعاؤں سے اس گناہگار کو 6 بار عمرہ پر جانے کی توفیق بخشی۔ اور اُدھر جو میں نے محسوس کیا اس کا بیان کرنا میرے لئے بہت مشکل ہے۔ مجھے یاد ہے کہ جب خاکسار خانہ کعبہ شریف کے سامنے کھڑا تھا تو اس گناہگار نے یہ ہی اپنے پروردگار سے التجا کی کہ تیرا یہ گناہگار کہاں تیرے در پر آ سکتا تھا یہ تیرا ہی فضل اور رحم ہے کہ یہ ناچیز تیرے گھر آ گیا ہے جو کروڑوں سال سے آباد ہے اور سارے انبیاء نے اس تیرے گھر کا طواف کیا ہے اور مجھے بھی تو نے توفیق بخشی ہے۔ اے اللہ تعالیٰ تو مجھے بھی بخش دے اور میرے والدین، میرے نانا جانؒ اور میری بڑی بہن آپا جان مرحومہ کو بھی اپنے فضل سے بخش دے جس کی مہربانیوں کی وجہ سے یہ ناچیز آیا ہے۔ اور میرے قصور بھی معاف فرما اور اس نیکی کو قبول فرمانا جو میں کر رہا ہوں۔ عمرہ کی یادیں بھی ایسی ہیں جن کا اظہار یا بیان کرنا بیشک بہت ہی مشکل ہے۔ مجھے یاد ہے جب خاکسار پہلی مرتبہ 2009ء میں گیا تھا اس وقت شیخ سعید صاحب مرحوم مغفور اور سید منور احمد نوری صاحب کے ساتھ جانے اتفاق ہوا تھا۔ اس کے بعد تو خاکسار کو بار بار جانے کی ہمیشہ خواہش رہی اور خدا تعالیٰ اس کی توفیق بھی دیتا رہا۔ ابھی بھی ان مبارک ایام کو تقریباً ہر روز ہی یاد کرتا ہوں اور آئندہ بھی جانے کی خواہش رکھتا ہوں۔ آخر میں میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس ناچیز کی نیکیوں کو قبول فرما دے۔ ایک دفعہ ہم سات افراد نے اکٹھے عمرہ ادا کرنے کا پروگرام بنایا جن میں میرے علاوہ، چوہدری نسیم صادق صاحب، نعیم اختر صاحب، وحید احمد مرحوم مغفور، سعید احمد صاحب، ناصر احمد صاحب اور محمد امین صاحب گئے تھے۔ اس عمرہ کو ہم سب نے خوب انجوائے کیا۔ اس دوران کا ایک ایمان افروز واقعہ بیان کرنا چاہوں گا۔ وہ یہ کہ ہم مدینہ منورہ میں تھے اور ہمارا پروگرام ،، وادی جن ،، جانے کا بنا اور ہمارے اس وقت کے ڈرائیور کا نام حمزہ تھا۔ جب ہم وہاں سے واپس آ رہے تھے تو آدھے راستہ میں اس کی گاڑی یکا یک رُک گئی اور حمزہ ڈرائیور گھبرا کر کہنے لگا میری کار میں سے پٹرول ختم ہو گیا ہے اب کیا ہو گا۔ کیونکہ پٹرول پمپ بھی یہاں سے بہت دور ہے۔ سنسان پہاڑی علاقہ رات کا وقت ہو رہا تھا اور اندھیرا چھا رہا تھا۔ ہم سب بھی سخت گھبرا گئے کہ اب کیا ہو گا۔ ہم سب نے اپنے اپنے طور پر دعائیں بھی کرنی شروع کیں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اس مصیبت سے نجات دے۔ اتنے میں حمزہ ڈرائیور نے کار کو on کیا تو کار چل پڑی اور پھر پٹرول پمپ تک چلی گئی۔ جس پر ہم سب کو سکون ملا۔ یہ بالکل ایک معجزہ ہی تھا۔ ورنہ کئی میل تک ہم سب بھلا پیدل کیسے چل سکتے تھے۔ یہ واقعہ کم از کم مجھے نہیں بھولتا۔ خاکسار اب اپنی جماعتی خدمات کا بھی کچھ ذکر کرنا چاہتا ہے۔ خدا تعالیٰ کے فضل سے جب بیت الفتوح کی جماعت کا انعقاد ہوا تو اس وقت محترم آفتاب خان صاحب مرحوم یو کے جماعت کے امیر تھے۔ مجھے یاد ہے امیر صاحب مرحوم مغفور مجھے مسجد فضل کے احاطہ میں ملے اور مجھے کہا کہ حسن خان میں آپ کو بیت الفتوح کی نئی جماعت کا صدر بناتا ہوں۔ تم اپنی اچھی سی ٹیم بناؤ یعنی سیکریٹریان بناؤ اور اپنا کام شروع کر دو۔ تو اس پر میں نے ان سے عرض کیا کہ آفتاب خان صاحب میں تو کہتا ہوں کسی اور کو بنا دیں۔ مگر اس پر انہوں نے کہا نہیں میں تمہیں ہی مناسب سمجھتا ہوں اس لئے اپنا کام شروع کر دو۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے خاکسار پھر بیت الفتوح کا سب سے پہلے صدر منتخب کیا گیا۔ اور خاکسار نے پھر تقریباً دس پندرہ سال صدارت کی ذمہ

واریاں ادا کیں۔ مجھے خوشی ہے کہ میرے ساتھ جن جن دوستوں نے کام کیا مجھے تاحیات یاد رہیں گے۔جن میں شیخ سعید صاحب مرحوم مغفور، چوہدری صادق نسیم صاحب، مرزا ظفر احمد صاحب مرحوم مغفور، حمید بیگ صاحب، عمر خالد صاحب، ڈاکٹر مقبول ثانی سیٹھی صاحب، کاشف احمد سیٹھی صاحب، شمس احمد خان صاحب، ظفر احمد صاحب، اسی طرح اور بھی دوستوں نے میری ہر طرح سے مدد کی اور جماعت کی خدمت بجالاتے رہے۔ اللہ ان سب کو جزائے خیر دے۔آمین۔اس کے علاوہ خاکسار کو بشیر احمد اختر صاحب جب جنرل سیکریٹری یوکے تھے تو اس وقت ان کے ساتھ خاکسار کو نائب جنرل سیکریٹری کی ڈیوٹی ادا کرنے کی خدا تعالیٰ نے توفیق بخشی۔ مجھے ایک واقعہ کبھی نہیں بھولتا جب حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز پہلی دفعہ محترم رفیق حیات صاحب امیر جماعت یوکے کے ساتھ ان کے سیکریٹریان اور نائبین کو ملنے طاہر ہال بیت الفتوح میں تشریف لائے اور ہم سب ایک لائن میں کھڑے تھے۔ جب حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ میرے قریب آئے اور امیر صاحب نے میرا تعارف کرانا چاہا تو حضور انور نے فرمایا کہ ان کو تو چھوڑو یہ حسن خان ہے۔جس پر امیر صاحب بھی حیران ہوئے اور مجھے بھی بے حد خوشی ہوئی کہ خاکسار کا نام حضور انور کو ابھی تک یاد ہے۔ نیز خاکسار کو محترم ارشد احمدی صاحب سیکریٹری اشاعت یوکے کے ساتھ کچھ عرصہ کام کرنے کا موقع نصیب ہوا۔اس کے علاوہ خاکسار کو کافی عرصہ بیت الفتوح بک شاپ میں بھی کام کرنے کا موقع ملا۔ نیز اس وقت خاکسار امورِ عامہ یوکے کے دفتر میں محترم شیخ طارق محمود صاحب سیکریٹری امور عامہ یوکے کے ساتھ کام کرنے کا موقع مل رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ میری تمام خدمات کو قبول فرمائے اور آئندہ بھی اللہ تعالیٰ خاکسار کو اپنی پوری زندگی جماعت احمدیہ کی خدمت کرنے کا موقع عطا فرماتا رہے۔آمین خاکسار الفضل اخبار یوکے کے دفتر ڈیئر پارک بھی باقاعدگی سے ایک دن کیلئے اپنے چند دوستوں کے ساتھ کام پر جاتا رہا۔جن میں ہمارے بہت ہی ہمدرد اور مخلص دوست قاضی نجیب الدین صاحب مرحوم، کے ساتھ کام کرتا رہا۔اس میں بھی تقریباً پندرہ سال سے اوپر کام کرنے کی میرے مولیٰ کریم نے توفیق بخشی۔مگر چند ماہ سے اس کام کو بند کر دیا گیا ہے۔جس کو ہم سب کام کرنے والوں نے کمی محسوس کی ہے۔آجکل ساری دنیا میں

غزل

عبید اللہ علیم



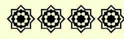
میں کیسے جیئوں گر یہ دنیا ہر آن نئی تصویر نہ ہو
یہ آتے جاتے رنگ نہ ہوں اور لفظوں کی تنویر نہ ہو

اے راہِ عشق کے راہی سُن چل ایسے سفر کی لذت میں
تری آنکھوں میں نئے خواب تو ہوں پر خوابوں کی تعبیر نہ ہو

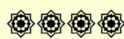
گھر آؤں یا باہر جاؤں ہر ایک فضا میں میرے لئے
اک جھوٹی سچی چاہت ہو رسموں کی کوئی زنجیر نہ ہو

جیسے یہ مری اپنی صورت مرے سامنے ہو اور کہتی ہو
مرے شاعر تیرے ساتھ ہوں میں مایوس نہ ہو دلگیر نہ ہو

کوئی ہو تو محبت ایسی ہو مجھے دھوپ اور سائے میں جس کے
کسی جذبے کا آزار نہ ہو کسی خواہش کی تعزیر نہ ہو



2019ء کے شروع سے لے کر اب جبکہ اگست کا مہینہ جا رہا ہے تک اس کرونا وائرس جیسی مہلک بیماری نے تباہی مچا رکھی ہے۔جس سے بڑے بڑے ممالک میں بھی اس موذی بیماری سے لاکھوں کی تعداد میں لوگ ہلاک ہو چکے ہیں۔اور ہوتے جا رہے ہیں۔جس کی وجہ سے جماعتی کاموں میں بھی حرج ہو رہا ہے۔ نہ تو کئی ماہ سے مساجد میں جا کر اکٹھے نماز ادا کر سکتے ہیں اور نا ہی کسی سے ہاتھ ملا کر بات کر سکتے ہیں۔ باہر جانا بھی مشکل ہو چکا ہے۔ اس بیماری سے ہمارے کئی احمدی بھائی بھی اس دنیا سے رُخصت ہو چکے ہیں۔اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے۔دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے تمام احمدی بھائی بہنوں کو اس بیماری سے بچائے رکھے۔ نیز اس موذی بیماری کو جلد سے جلد دور فرمائے۔آمین





انجینئرنگ یونیورسٹی لاہور کی خوشگوار یادیں 1962-1966

(انجینئر محمود مجیب اصغر)



اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ پاکستان کے معرض وجود میں آنے کے بعد مملکت خداداد میں پروفیشنل کالجز اور یونیورسٹیاں بھی قائم ہوگئیں اور مڈل کلاس اور لوئر مڈل کلاس خاندان کے بچوں کو بھی nominal tution fee کے ساتھ پڑھنے کے مواقع میسر آ گئے ورنہ پہلے رؤساء کے بچے یورپ اور امریکہ جا کر پڑھتے تھے اور متحدہ ہندوستان میں مسلمانوں کو پروفیشنل انسٹی ٹیوشنز میں بہت کم داخلے ملتے تھے

ویسٹ پاکستان یونیورسٹی انجینئرنگ اینڈ ٹیکنالوجی لاہور 1960ء میں معرض وجود میں آئی اس سے قبل جب یہ کالج تھا تو پنجاب یونیورسٹی میں شامل تھا اور ڈگری کورس تین سال کا تھا یونیورسٹی بننے کے بعد انجینئرنگ کا ڈگری کورس 4 سال کا ہوگیا اور دنیا کی 60 سے زیادہ یونیورسٹیوں نے اسے recognise کرلیا۔ ہمارا داخلہ 1962ء میں ہوا داخلے کے لئے میرٹ لسٹ 100 نمبر کے apptitude test کے نمبر ملا کر بنائی گئی اس وقت highest merit سول انجینیرنگ کا ہوتا تھا اس کے بعد الیکٹریکل، مکینیکل، مائننگ اور پھر نئی برانچ کیمیکل انجینئرنگ کا میرٹ تھا۔

احمدی طلباء

تعلیم الاسلام کالج ربوہ کا ہم پر بہت بڑا احسان ہے کہ اس وقت کے پرنسپل حضرت حافظ مرزا ناصر احمد صاحب کی سرپرستی اور حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کی پس پردہ دعاؤں کے نتیجہ میں ہم ٹی آئی کالج کے سات طلباء (محمود سلطان باجوہ، ملک لال خان، محمود مجیب اصغر، عبدالسلام ارشد، بشیر احمد خان طارق، کریم احمد طاہر اور افضل مبشر) کو انجینئرنگ یونیورسٹی لاہور میں داخلہ مل گیا اس لئے ہمیں کسی قسم کی اجنبیت محسوس نہیں ہوئی۔ لاہور سے ملک طاہر احمد، حیدرآباد سے ظفر احمد تالپور، میانوالی سے شاہد احمد نیازی، راولپنڈی سے صفی اللہ بھی ہمارے ساتھ ہی داخل ہوئے۔

اسی سال آرکیٹیکچر کا 5 سالہ ڈگری کورس بھی شروع ہوا اور محمود حسین صاحب بھی ہمارے کلاس فیلو بن گئے اسی طرح ایوب ظہیر صاحب بھی ہمارے کلاس فیلو تھے ڈے سکالر ہونے کی وجہ سے ان سے تعارف بعد میں ہوا۔



لاہور کے ایک درویش صفت احمدی بزرگ جو ریلوے میں فورمین تھے (مکرم خواجہ محمد اکرم صاحب) نے ہمارے داخلے کی خوشی میں ہم احمدی طلباء کو اپنے گھر محمد نگر ٹی پارٹی پر بلایا جس میں ہم ٹی آئی کالج سے آئے ہوئے تقریبا سب کلاس فیلو اور دوسری جگہوں سے آئے ہوئے چند کلاس فیلوز نے شرکت کی اس سادہ تقریب میں خواجہ صاحب نے ہماری کامیابی اور روشن مستقبل کے لئے دعا بھی کروائی بعد میں بھی کئی جگہوں پر ان سے رابطہ رہا ان کا یہ احسان ہمیشہ یاد رہتا ہے فجزاہ اللہ احسن الجزاء

عمر ہال (ہوسٹل) میں ربوہ ہاؤس

ہم میں سے جن طلباء کو عمر ہال میں ہوسٹل کی سہولت ملی ان میں سے چار کو اکٹھے 32 عمر ہال میں جگہ مل گئی اس وقت کے رواج کے مطابق اس کمرے کے باہر ربوہ ہاؤس چاک سے لکھ دیا گیا اور اس کمرے میں با قاعدہ باجماعت نمازیں پڑھی جانے لگیں اس میں ہمارے کلاس فیلو ملک لال خان صاحب کا بہت role تھا جو پیچھے سے آ کر ہم سب سے روحانیت میں آگے نکل گئے۔

موصوف میٹرک میں پنجاب بورڈ میں تیسری پوزیشن لے کر ایف ایس سی میں غیر احمدی طالب علم کے طور پر ٹی آئی کالج ربوہ میں داخل ہوئے تھے اور

ایف ایس سی کر کے جب کالج سے فارغ ہوئے تو مخلص احمدی بن چکے تھے ان کی بیعت 1962ء کی ہے۔

ان کی ذات کو تو جو فائدہ پہنچا وہ تو ظاہر ہے لیکن ہمیں پرانے پیدائشی احمدیوں کو ان کی ذات سے یہ فائدہ پہنچا کہ ہم ہوسٹل میں باقاعدہ با جماعت نمازیں پڑھنے لگے موصوف میں نیا نیا احمدیت کا جوش وجذبہ تھا اس لئے انہوں نے ہمیں خوب قابو کر کے رکھا فجزاہ اللہ احسن الجزاء

جماعت احمدیہ لاہور اور ذیلی تنظیموں سے وابستگی

جمعہ ہم دارالذکر گڑھی شاہو میں پڑھتے تھے اور جلد ہی ہم جماعت کے main نظام اور اسی طرح خدام الاحمدیہ کی تنظیم اور احمدیہ انٹر کالجیئٹ ایسوسی ایشن میں بھی متحرک ہو گئے۔ اس وقت امیر ضلع لاہور چوہدری اسد اللہ خان صاحب تھے ان کے خطبات جمعہ بڑے ولولہ انگیز اور دلوں پر اثر کرنے والے ہوتے تھے۔

مجھے یاد ہے اس وقت قائد خدام الاحمدیہ سید حضرت اللہ پاشا تھے ان دنوں انہیں ٹانگ میں فریکچر ہو گیا تھا خدام باری باری میو ہسپتال میں ان کی ڈیوٹی دیتے تھے مجھے بھی دو راتیں ان کی خدمت کا موقع ملا۔ ایک ڈیڑھ سال کے بعد شیخ ریاض محمود صاحب قائد بن گئے اور ان کا اکثر ہمارے ہوسٹل میں آنا جانا ہو گیا۔

تعلیمی سرگرمیاں تو اپنی جگہ تھیں لیکن جماعتی سرگرمیوں میں بھی ہم پوری طرح شامل ہوتے تھے۔ عالمی عدالت انصاف کی تعطیلات میں حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب عموماً جب لاہور میں ہوتے تو ان کے خطابات کا انتظام وائی ایم سی اے ہال یا بی این آر آڈیٹوریم میں رکھا جاتا تھا سال میں ایک دو دفعہ ان کے پبلک لیکچرز اور خطبات جمعہ سے ہم بھی مستفیض ہوتے رہے۔

ایک بار دارالذکر میں جمعہ کی نماز کے بعد ڈاکٹر عبدلسلام صاحب نے بھی احمدیہ انٹر کالجیئٹ ایسوسی ایشن کو خطاب فرمایا تھا۔ ایک مرتبہ عمر ہال میں پروفیسر چوہدری محمد علی صاحب اور عطا المجیب راشد صاحب بھی تشریف لائے تھے آخری دو سال ہم علی مردان، خالد اور طارق ہال میں شفٹ ہو گئے تھے اور کیوبیکلز میں رہتے تھے۔

پنجاب یونیورسٹی سے بھی بعض ٹی آئی کالج کے سابق طلباء جیسے چوہدری رشید احمد جاوید اور ملک مسعود اختر وغیرہ آتے رہتے تھے۔ ہمارے ساتھ بعض عرب طلباء بھی پڑھتے تھے ان میں سے میرے ایک دوست صلاح الدین ابراہیم مصطفی اود تھے جو کہ اردن کے رہنے والے تھے وہ کہتے تھے کہ آپ کی جماعت اس وقت ترقی کرے گی جب عرب آپ کے ساتھ مل جائیں گے جب ایم ٹی اے العربیہ شروع ہوا تو وہ مجھے خواب میں ملے بہت خوش تھے عربی سٹائل میں مجھے مل رہے تھے۔ عربک ڈیسک کے ذریعے ان کا میں نے پتہ کروایا وہ تو فوت ہو چکے ہیں لیکن ان کے بچوں سے رابطہ ہو گیا ہے تمیم ابو دقہ صاحب میرے حوالے سے انہیں مل چکے ہیں۔

حضرت مصلح موعود کا وصال اور خلافت ثالثہ کا آغاز

مجھے یاد ہے حضرت مصلح موعود کی آخری بیماری میں مرکز کی تحریک پر ہم عموماً سوموار اور جمعرات کو نفلی روزہ رکھتے تھے شام کو دو حاضریاں لگا کر mess سے ایک کھانا کمرے میں رکھ لیتے تھے اور سحری کے وقت ہیٹر پر گرم کر کے سحری کھا لیتے تھے۔

حضرت مصلح موعود کی وفات 7 اور 8 نومبر 1965ء کی درمیانی شب کو ہوئی تھی ہم میں سے اکثر طلباء 8 نومبر 1965ء سوموار کے روز ربوہ پہنچ گئے تھے اور حضرت خلیفۃ المسیح الثالث کی خلافت کی بیعت عام میں شامل ہوئے تھے اور اگلے روز حضرت مصلح موعود کے جنازے میں بھی شامل ہوئے تھے۔

اپنی خلافت کے آغاز پر ایک مرتبہ حضرت خلیفۃ المسیح الثالث لاہور تشریف لائے اور ہم نے آپ سے پام ویو میں انفرادی ملاقات کر کے برکت حاصل کی۔

1966ء میں ہماری (انجینئرنگ یونیورسٹی کے احمدی طلباء کی) الوداعی تقریب ہوئی جس میں میر مشتاق احمد صاحب ڈائریکٹر اریگیشن ریسرچ چیف گیسٹ کے طور پر شامل ہوئے اور جماعت کی نمائندگی میں شیخ ریاض محمود صاحب قائد ضلع لاہور شامل ہوئے ایک گروپ



فوٹو بھی ہوا تھا جو میرے پاس محفوظ ہے اور اس مضمون کے ساتھ ای میل کیا جا رہا ہے۔

انجینئرنگ یونیورسٹی میں قیام کے دوران ہی اس عاجز کو نظام وصیت میں شامل ہونے کی توفیق ملی تھی یہ ایک طرح کی روحانی انشورنس تھی جس سے اللہ تعالیٰ نے زندگی بھر بڑے بڑے حادثات سے بچایا۔ سول انجینئرنگ کی ڈگری کے لئے ایک ماہ کا سروے کیمپ attend کرنا لازمی ہوتا ہے جو عموماً سوات میں ہوتا تھا۔

سروے کیمپ کے دوران بحرین میں جہاں دریائے سوات کی دو شاخیں ملتی ہیں اور عموماً ہر سال تفریحی ٹرپ کے دوران بعض طالب علم ڈوب جاتے ہیں یہ عاجز ڈوبتے ڈوبتے معجزانہ طور پر بچ گیا الحمداللہ ثم الحمدللہ۔

ملک طاہر احمد صاحب ہمارے کلاس فیلوز میں سے تعلیمی معیار ملک طاہر احمد صاحب کا سب سے نمایاں تھا وہ چاروں سال خدا کے فضل سے اول آتے رہے کنووکیشن پر گورنر جنرل موسیٰ خان سے ان کو 6 میڈل ملے تھے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثالث نے 30 ستمبر 1966ء کو ان کے اول آنے کے انعام کے طور پر دارلذکر گڑھی شاہو لاہور میں ان کا نکاح پڑھا تھا یہ عاجز بھی اس جمعہ پر حاضر تھا۔

عملی زندگی

ہمارے کئی کلاس فیلوز کو اپنے پروفیشن کے علاوہ مقدور بھر خدمت دین کی توفیق ملتی رہی ہے۔ ملک لال خان صاحب پاکستان میں ہری پور ہزارہ کے امیر ضلع رہ چکے ہیں اب کینیڈا کے نیشنل امیر کے طور پر غیر معمولی خدمت کی توفیق پا رہے ہیں۔ ملک طاہر احمد صاحب لاہور کے امیر ضلع ہیں۔

یہ عاجز اللہ تعالیٰ کے فضل سے دو اضلاع ۔ مظفر گڑھ اور اٹک کیمبلپور رکا یکے بعد دیگرے امیر رہ چکا ہے اور خلافت خامسہ کے انتخاب میں بھی شامل ہوا تھا



یہ اللہ تعالیٰ کا خاص فضل ہے کیونکہ اپنے کلاس فیلوز میں سے یہ اعزاز صرف اس عاجز کو ملا۔

کریم احمد طاہر صاحب لیبیا میں نیشنل صدر، عبدالسلام ارشد صاحب لاہور میں طاہر ملک صاحب کے ساتھ جنرل سیکرٹری اور بشیر احمد طارق صاحب کراچی میں قائد ضلع اور کئی ممتاز جماعتی عہدوں پر خدمت کی توفیق پاتے رہے ہیں میجر بشیر طارق کو یہ بھی اعزاز حاصل ہے کہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ کی ہجرت کے وقت زرتشت منیر صاحب کے ساتھ حضرت خلیفۃ المسیح الرابع کی بطور خاص خدمت کی توفیق ملی حضور انہی کی کار میں ائر پورٹ پر جہاز تک تشریف لے گئے تھے۔



ہمارے باقی کلاس فیلوز کو بھی مقدور بھر خدمت کی توفیق ملی آرکیٹکچر کے میدان میں ڈاکٹر محمود حسین صاحب کو مسجد اقصیٰ ربوہ میں سینئر آرکیٹکٹ عبدالرشید صاحب کو assist کرنے کا موقع ملا اور پھر independently دفتر فضل عمر فاؤنڈیشن، خلافت لائبریری اور کئی پراجیکٹس پر خدمت کا موقع ملا۔ اسی طرح ہمیں IAAAE کے 1980ء میں قیام کے بعد جلسہ سالانہ ربوہ اور پھر یوکے پر رواں ترجمانی کے نظام میں خدمت کی توفیق ملتی رہی ہے

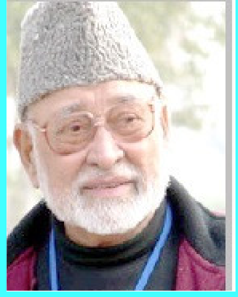
اس سلسلہ میں 2 اگست 2019ء کے الحکم لندن میں ایک تفصیلی مضمون آ گیا ہے:

A brief history of simultaneous translations – The Pentecost at Jalsa Salana.

اس کے poineer members میں سے انجینئر منیر احمد فرخ صاحب کے علاوہ باقی تین ممبرز ہم کلاس فیلوز بالترتیب ایوب احمد ظہیر، محمود مجیب اصغر اور ملک لال خان کے نام ہیں

اللہ تعالیٰ ہماری ان حقیر خدمات کو اپنے فضل سے قبول فرمائے اور نسلاً بعد نسل خلافت کے سائے میں رہ کر خدمت کی توفیق عطا فرماتا چلا جائے اور انجام بخیر کرے آمین





محترم مولانا بشیر احمد رفیق خان صاحب ایک عظیم مجاہد

رانا عبدالرزاق خان لندن



ویسے تو دنیا میں سبھی انسان آتے ہیں اپنی زندگیاں گزار کر چلے جاتے ہیں۔مگر بعض ہستیاں دنیا پر آتی ہیں تو وہ ایسے کارنامے کر کے بطور اپنی یادوں کے چھوڑ جاتے ہیں اُن میں سے ایک ہمارے محترم مولانا بشیر احمد رفیق خان صاحب بھی تھے۔ایک معزز خاندان کے چشم و چراغ ہونے کے ناطے خوبصورت اور وجیہ نوجوان تھے۔اپنے نیک والدین کے خواہش کے مطابق وقف زندگی کو کمال تک نبھایا اور ایک وفا شعار خدام کی طرح اطاعت خلافت کو مقصدِ جان بنا کر انگلستان میں ایک لمبے عرصے تک قیام کیا۔اسلام کی تبلیغ میں دن رات ایک کر دیا۔حضرت چوہدری سر ظفر اللہ خان کے ساتھ دس سال سے بھی زائد عرصہ ایک فیملی ممبر کی طرح گزارا۔ڈاکٹر عبدالسلام صاحب نوبل لارئیٹ سے بھی بہت قرب رہا۔محترم مولانا بشیر احمد رفیق خان صاحب اب تک برطانیہ میں 500 کلب اور سوسائٹیز میں اسلام اور موازنہ مذاہب کے موضوع پر خطاب کر چکے ہیں۔ان کی سوانح عمری کی تفصیل پڑھنے کے لئے ایک طویل وقت درکار ہے۔ان کی ساری زندگی خدمت اسلام میں ایک مجاہد جرنیل کی سی گزری۔آپ بہترین مبلغ، مقرر، مصنف، دانشمند، اور شجرِ سایہ دار تھے۔آپ 10۔اکتوبر 2016ء کو اس دارِ فانی سے کوچ کر گئے۔انا للہ وانا الیہ راجعون۔

آپ 12 ستمبر 1931ء کو پشاور میں پیدا ہوئے۔آپ پیدائشی احمدی تھے۔آپ کے والد نے 1921ء میں احمدیت قبول کی۔آپ نے 1953ء میں پنجاب یونیورسٹی سے بی اے کیا۔اور شاہد کی ڈگری جامعۃ المبشرین ربوہ سے 1958ء میں سے لی۔انگریزی زبان تو ان کی باندی تھی۔1959ء میں آپ کی تقرری مسجد لندن اور مشنری انچارج برطانیہ ہوئی۔1970ء میں پاکستان واپس آئے اور حضرت مرزا ناصر احمد خلیفۃ المسیح الثالثؒ کے پرائیویٹ سیکرٹری مقرر ہوئے۔1971ء میں واپس لندن آئے اور امام کے طور پر اپنی سابقہ ذمہ داری دوبارہ سنبھالی۔1979ء میں پاکستان بلائے گئے اور 1987ء میں واپس لندن آئے۔

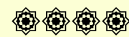
آپ نے درجِ ذیل عہدوں پر کام کیا۔ 1۔ امام مسجد فضل لندن 1964ء تا 1970ء۔۔1971ء تا 1979ء۔2۔مسلم ہیرالڈ میگزین کے بانی ایڈیٹر۔1961ء تا 1979ء۔3۔پرائیویٹ سیکرٹری حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ۔1970ء تا 1971ء۔4۔وکیل التصنیف ربوہ 1982ء تا 1985ء۔5۔ایڈیشنل وکیل التبشیر، لندن 1987ء تا 1997ء۔6۔ایڈیشنل وکیل التصنیف لندن۔ 7۔ایڈیٹر ریویو آف ریلیجنز 1988ء تا 1995ء۔9۔ممبر صدر انجمن احمدیہ پاکستان۔10۔ممبر افتاء کمیٹی 1971ء تا 1973ء۔11۔ممبر بورڈ آف قضاء۔1984ء تا 1987ء۔12۔ممبر اور وائس پریذیڈنٹ روٹری کلب آف وانڈز ورتھ 1964ء تا 1977۔13۔پریذیڈنٹ روٹری کلب آف وانڈز ورتھ 1978 تا 1979ء۔آپ کو 1968ء میں لائبیریا کے صدر مملکت جناب ٹب مین کی دعوت پر بطور مہمان خصوصی لائبیریا بلایا گیا۔اور لائبیریا کا اعزازی چیف مقرر کیا گیا۔آپ نے 1978 میں کامن ویلتھ انسٹی ٹیوٹ لندن میں کسرِ صلیب کانفرنس (مسیح کا زندہ صلیب سے اُتر آنا) کے موضوع پر انٹرنیشنل کانفرنس منعقد کروائی۔اس کانفرنس کا نہ صرف برطانوی پریس میں بلکہ غیر ملکی ذرائع ابلاغ میں بھی غیر معمولی چرچا ہوا۔

آپ مندرجہ ذیل کتب کے مصنف ہیں۔

1۔دی مسلم پریئر بک۔ای کتاب اب تک چار زبانوں میں شائع ہو چکی ہے۔2۔سوانح حضرت صاحبزادہ عبدالطیف ؓ صاحب شہیدؓ 3۔ٹروتھ اباؤٹ احمدیتTruth about Ahmadyat۔4۔سوانح حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ ۔5۔محمد ظفراللہ خان۔6۔شہیدانِ راہِ وفا۔7۔اسلام مائی ریلیجن my religon Islam ۔8۔فرام دی ورلڈ پریسFrom the world press۔9۔اسلام میں عورت کا مرتبہ۔10۔افغان مارٹرزAfghan martyrs۔11۔سفرنامہ دیارِ حبیب۔12۔خوشگوار یادیں۔13۔درسِ عبرت۔

محترم مولانا بشیر احمد رفیق خان صاحب اب تک برطانیہ میں 500 کلب اور سوسائٹیز میں اسلام اور موازنہ مذاہب کے موضوع پر خطاب کر چکے ہیں۔آپ ماہنامہ مسلم ہیرالڈ لندن کے اٹھارہ سال تک ایڈیٹر رہے۔آپ نے خدمت دین کا کبھی بھی کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔آپ نے بہت سے انگریز احمدی کئے۔اور ان سے مسلسل رابطے رکھے۔

آپ کی ایک یادگار کتاب ''خوشگوار یادیں'' بے شمار واقعات سے معنون ہے۔جو ان کی شخصیت جاننے کے لئے پڑھنا ضروری ہے۔واقفین زندگی اور دیگر احباب ایک مجاہد مبلغ کی کاوشوں کو پڑھ کر اپنی کارکردگی کو جانچ سکتے ہیں۔محترم بی اے رفیق ہر کسی کے غم خوار اور رفیق تھے۔جماعت احمدیہ کے لئے وہ حد درجے کے اخلاص سے بھرپور تھے۔انتہائی دعا گو بزرگ اور راہنما شخصیت تھے۔زندگی بھر اپنے دیرینہ دوستوں کو کبھی نہ بھولے۔ہمیشہ رابطہ رکھتے۔خلافت سے عشق ان کا شیوہ تھا۔یقیناً سلطان نصیر تھے۔انہوں نے دس سال کا عرصہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ایک صحابی حضرت چوہدری سر ظفراللہ خان ؓ کے ساتھ گزارا۔ان سے بہت کچھ سیکھا اور ان کی خدمت کی۔اور مسجد فضل مشن لندن کی خلوص دل سے آبیاری کی۔اور جماعت کے افراد کی ذاتی طور تربیت کرنے کی ہمیشہ کوشش کی۔ایک مثالی جرنیل مبلغ تھے۔خدا غریق رحمت کرے۔اور ہمیں بھی خدا تعالیٰ ایسے مجاہدین کی زندگیوں سے کچھ سیکھنے کی توفیق دے آمین۔





غزل
عبدالجلیل عباد جرمنی

ہم کیسے تجھ سے گلہ کریں میرے آسماں رُخِ حال کا
کہ زمیں تو اب یہ ہے دے رہی ہمیں پھل ہمارے اعمال کا
کبھی سوچنا جو خَلِش اُٹھے اے زماں تمہارے ضمیر سے
کیوں اُجڑ گیا سارا حُسن یہ ترے دل سے شاخِ جمال کا
ہائے بدنصیبی جنہیں کبھی آئی راس خوشبو نہ پیار کی
کیسا نفرتوں نے جُدا کیا تھا جو ربط قُرب و وصال کا
نہ دلیل سے ہوئے مطمعین نہ کسی بھی حسنِ خیال سے
نہ ہی بارشوں سے ہرا ہوا یہ جو دشت ان کے سوال کا
یہ چاند کتنا حسین ہے کبھی خود سے نکلو تو دیکھنا
کیوں اُبلتا رہتا ہے دیکھ یہ انا کا تم میں وَبال کا
دیکھو دے رہا ہے اذاں کوئی سُنو غور سے وہ ہے کہہ رہا
جنہیں زَعم تھا تاج وتخت پہ آیا وقت ان پہ زوال کا
دیکھو ہر ادا کیسی پُرکشش ہر بات میں چھپی مَعرفت
دیکھو اِک جہان ہے کہہ رہا یہ تو آدمی ہے کمال کا
ہمیں شہرتوں سے غرض نہیں ہمیں دولتوں کی مرض نہیں
ہمیں غم ہے آلِ ہلال کا ہمیں فکر آلِ بلال کا
کبھی دھوپ تیغِ بُرّاں بنی کبھی وقت کی ہے سناں تنی
راہِ یار میں لبِ عشق پہ آیا حرف نہ ہی ملال کا
کبھی اُلفتیں کبھی نفرتیں کبھی قُربتیں کبھی فُرقتیں
ہم آلِ عشق ہیں ان سے ہے اِک رشتہ شہرِ خیال کا
یہ سفر سارا ہی گھومتا دلِ ذات سے تیری ذات تک
ہے ترے ہی فیض کا سلسلہ جو اُبھر رہا ہے جمال کا





میری زندگی کے چند انمول دن

یادوں کی خوشبو



از خواجہ محمد افضل بٹ۔ یو ایس اے

خاکسار کی ابتدائی سروس کا آغاز دفتر صدر۔صدر انجمن احمدیہ سے ہوا۔اس وقت حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ تعالی صدر۔صدر انجمن احمدیہ اور مکرم محبوب عالم خالد صاحب معتمد صدر انجمن احمدیہ تھے۔حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب رحمہ اللہ تعالی کے خلافت پر متمکن ہونے کے بعد اس عاجز کو حضور ایدہ اللہ تعالی کے ساتھ قصر خلافت میں بھی کام کرنے کا موقع ملا۔حضور ایدہ اللہ تعالی کی ہدایت کے تحت دفتر صدر میں میری جگہ پر کارکن کو ٹرینڈ کیا جارہا تھا تا میرا مستقل تبادلہ دفتر پرائیویٹ سیکرٹری میں کر دیا جائے۔اسی دوران حضرت صاحبزادہ ڈاکٹر مرزا منور احمد صاحب چیف میڈیکل آفیسر فضل عمر ہسپتال ربوہ کے کارکن میرے نام چٹھی لے کر آئے جس میں لکھا تھا کہ

"عزیزم مکرم ۔۔۔۔آپ سے ایک ضروری بات کرنی ہے اگر ابھی تشریف لے آئیں"

میرے لئے بہت اعزاز کی بات تھی کہ مجھے عظیم شخصیت نے بلایا ہے میں چاہتا تھا کہ فوری ملوں۔چنانچہ میں نے مکرم معتمد صاحب صدر انجمن احمدیہ سے حضرت میاں صاحب کو ملنے جانے کی اجازت چاہی تو آپ نے مجھ سے دریافت فرمایا کہ

''میاں صاحب نے مجھے کیوں بلایا ہے۔''

میں نے عرض کیا کہ ''حضرت میاں صاحب نے مجھے کیوں بلایا ہے اور کیا کام ہے۔مجھے کوئی علم نہیں۔'' میرا یہ جواب سن کر مکرم معتمد صاحب نے فرمایا کہ مجھے جو ضروری کام دیا گیا ہے وہ مکمل کر کے چلے جائیں۔چونکہ کام کافی زیادہ تھا اس لئے میں نے ہسپتال کے کارکن کو جو چٹھی لے کر آئے تھے سے کہا کہ آپ واپس چلے جائیں میں کل مل لونگا۔اس پر اس کارکن نے کہا کہ حضرت میاں صاحب نے فرمایا تھا کہ ساتھ لے کر آئیں اسی وجہ سے گاڑی پر آیا ہوں۔میں نے انہیں کہا کہ مجھے جو کام کرنے کا کہا گیا ہے کافی زیادہ ہے اور اس کے لئے کافی وقت درکار ہے انتظار کر سکتے ہیں تو بے شک کر لیں۔چنانچہ انہوں نے واپس جانا ہی مناسب سمجھا اور واپس چلے گئے۔

حضرت صاحبزادہ ڈاکٹر مرزا منور احمد صاحب سے ملاقات

اگلے روز حضرت میاں صاحب رحمہ اللہ تعالی سے ملاقات کیلئے فضل عمر ہسپتال حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا کہ ہسپتال کا اکاونٹنٹ ملازمت چھوڑ چکا ہے اور مجھے ہسپتال میں بطور اکاونٹنٹ رکھنا چاہتے ہیں۔خاکسار نے آپ سے عرض کیا کہ میں نے تو کبھی اکاونٹ کا کام نہیں کیا اور نہ ہی کوئی تجربہ ہے۔اس پر آپ نے فرمایا کہ کوئی مشکل کام نہیں۔آپ سیکھ جائیں گے۔میں آپ کو ہی لینا چاہتا ہوں۔چونکہ خاکسار خواہش مند تھا کہ خاکسار حضور ایدہ اللہ تعالی بنصرہ العزیز کے زیر سایہ دفتر پرائیویٹ سیکرٹری میں کام کرے۔اس لئے مزید وضاحت کیلئے حضرت میاں صاحب رحمہ اللہ تعالی سے عرض کیا کہ حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ تعالی کا میرے بارے میں ارشاد ہے کہ میرا تبادلہ حضور کی اجازت کے بغیر کسی ادارہ میں نہ کیا جائے۔کیونکہ حضور ایدہ اللہ تعالی نے ہدایت دے رکھی تھی کہ میری جگہ پر دفتر صدر میں کسی کارکن کو ٹرینڈ کر کے میرا مستقل تبادلہ دفتر پرائیویٹ سیکرٹری میں کر دیا جائے۔میری وضاحت کے جواب میں حضرت میاں صاحب رحمہ اللہ تعالی نے فرمایا کہ میں رضامندی ظاہر کر دوں تبادلہ کیلئے اگر حضور ایدہ اللہ تعالی بنصرہ العزیز سے اجازت لینی پڑی تو لے لیں گے۔بہر حال خاکسار خاموش رہا اور اجازت لے کر واپس اپنے آفس آ گیا۔

آپ وجیہہ اور نورانی چہرہ کے مالک تھے

خاکسار کی حضرت میاں صاحب رحمہ اللہ تعالی سے پہلی ملاقات تھی۔ آپ سے ملاقات کے موقع پر آپ کے اندازِ گفتگو سے بہت متاثر ہوا تھا۔ آپ نہایت وجیہہ اور نورانی چہرہ کے مالک تھے۔ آپ کی گفتگو میں اتنی مٹھاس اور محبت ٹپک رہی تھی کہ میرا دل کہہ رہا تھا کہ خدا تعالی نے آپ کے قلب کو مخلوق کی ہمدردی اور غمگساری کیلئے استقلال سے مضبوط کیا ہوا تھا۔ وہاں محبت اور احساس کیلئے اتنا رقیق تھا کہ میں تو آپ کا ہی ہو گیا تھا اور دل میں فیصلہ کر لیا تھا کہ اگر اس عظیم وجود کے ساتھ کام کرنے کا موقع ملا تو اپنی خوش قسمتی سمجھوں گا۔ یہ میری پہلی ملاقات میں تاثر بن گیا تھا۔

تبادلہ کی کارروائی

چند دن بعد معلوم ہوا کہ حضرت میاں صاحب رحمہ اللہ نے میرے تبادلہ کیلئے مکرم ناظر صاحب دیوان کو چٹھی لکھی ہے مگر انہوں نے تبادلہ کرنے سے معذرت کر لی ہے۔ اس کے چند روز بعد حضرت میاں صاحب مکرم صدر صاحب صدر انجمن احمدیہ کو ملنے تشریف لائے مگر مکرم صدر صاحب صدر انجمن احمدیہ نے بھی معذرت کر لی۔ اور فرمایا کہ ''حضور ایدہ اللہ تعالی کی اجازت کے بغیر تبادلہ نہیں ہو سکتا۔''

حضرت مولوی محمد دین صاحب صدر صدر انجمن احمدیہ

حضرت سیدنا مرزا ناصر احمد صاحب خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ کے خلافت پر متمکن ہونے کے بعد حضرت مولوی محمد دین صاحب صحابی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام صدر۔ صدر انجمن احمدیہ مقرر ہوئے تھے۔ آپ نے علیگڑھ سے بی۔ اے کیا تھا۔ آپ کو تعلیم الاسلام سکول قادیان میں بطور ٹیچر کام کرنے کا موقع ملا۔ بعد ازاں آپ برطانیہ اور امریکہ کے مبلغ بھی رہے۔ آپ کا قیام شکاگو میں بھی رہا۔ صدر انجمن احمدیہ میں بطور ناظر تعلیم بھی کام کی توفیق ملی۔

دوبارہ ملاقات

حضرت صاحبزادہ ڈاکٹر مرزا منور احمد صاحب کے بلانے پر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا کہ

" آپ کے تبادلہ کی منظوری حضور ایدہ اللہ تعالی بنصرہ العزیز سے حاصل کر لی ہے۔''

تبادلہ فضل عمر ہسپتال ربوہ

مکرم ناظر صاحب دیوان میاں غلام محمد صاحب اختر کی چٹھی دفتر صدر میں موصول ہوئی کہ مکرم خواجہ محمد افضل بٹ صاحب کا تبادلہ فضل عمر ہسپتال ربوہ میں کیا جاتا ہے فیصلہ پر عملدرآمد کر کے نظارت دیوان کو اطلاع کی جائے۔ اس طرح خاکسار کا تبادلہ فضل عمر ہسپتال میں کر دیا گیا۔

چارج ہسپتال

خاکسار کا تبادلہ فضل عمر ہسپتال میں 1969ء کے آخری مہینوں میں ہوا خاکسار کو ایک الگ کمرہ دے دیا گیا جب مجھے حسابات کی تفصیل دی گئی تو توقع سے کہیں زیادہ کام تھا مگر میں کام کی زیادتی سے کبھی گھبرایا نہیں۔ البتہ یہ کام میرے لئے نیا تھا اور مجھے سیکھنے اور سمجھنے کیلئے وقت درکار تھا۔ اگلے روز اپنے آفس میں بیٹھا رجسٹر دیکھ رہا تھا تو حضرت میاں صاحب رحمہ اللہ میرے دفتر میں تشریف لے آئے اور مجھے از راہ شفقت حوصلہ دیا اور فرمایا کہ گھبرانا نہیں فرمایا کہ آپ نے صدر انجمن احمدیہ کے نائب آڈیٹر مکرم چوہدری محمد یوسف صاحب کو بلایا ہے وہ آپ کو سمجھا دیں گے کہ کس طرح ریکارڈ رکھنا ہے نیز ان سے جو کام سمجھنا چاہتے ہیں سمجھ لیں۔ آپ کی شفقت اور محبت سے مجھے دفتر میں ہی سہولت مل گئی اور اللہ تعالی کے فضل سے جلد کام سمجھ گیا اور پھر کبھی مشکل پیش نہیں آئی۔ اللہ تعالی کا خاص فضل ہے کہ آپ میرے کام سے بہت مطمئن تھے اور اعتماد بھی فرماتے تھے۔

خاص ہدایت

حضرت میاں صاحب رحمہ اللہ نے مجھے ہدایت فرمائی کہ خاندان حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام اور بزرگان سلسلہ کو کسی وقت کسی قسم کا کوئی کام ہو خصوصاً میڈیکل کے سلسلہ میں یا ہسپتال سے ایمبولینس یا گاڑی کی ضرورت ہو تو انہیں ہر ممکن سہولت پہنچائیں اس سلسلہ میں مجھ سے اجازت حاصل کرنے کی ضرورت نہیں وہ کام یا انتظام کر دیا کریں۔ جب خاکسار کو اختیار مل گیا تو مجھے خاندان حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام اور بزرگان سلسلہ کی خدمت کر کے بہت خوشی اور راحت محسوس ہوتی تھی۔

اسی طرح ناظران، افسران صیغہ جات، مربیان سلسلہ کو بھی حتی الوسع قواعد وضوابط کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے ہر ممکن خیال رکھا جاتا تھا۔

خاکسار اگر رخصت بامر مجبوری لے لیتا تو بھی خاندان کے افراد مجھے ہی فون کر کے کام کا کہتے اور فرماتے کہ ''لمبی رخصت نہ لیا کریں ہمیں دقت ہوتی ہے۔'' خاکسار عرض کرتا کہ آپ مجھے فون پر یا چٹ پر کام کا ارشاد فرما دیا کریں وہ کام انشاء اللہ ہو جائے گا۔ آپ کو کوئی دقت یا پریشانی نہیں آئے گی۔ اس طرح خاکسار رخصت کے دوران بھی خدمت کو اولین ترجیح دیتا تھا اور کوشش کرتا تھا کہ بروقت اور جلد کام کردوں۔

حضرت سیدہ مریم صدیقہ صاحبہ (چھوٹی آپا) کا فون

ایک روز دفتر کھلا ہی تھا کہ حضرت چھوٹی آپا صاحبہ حرم حضرت المصلح الموعود رضی اللہ عنہ کا فون آیا کہ ''آپ بٹ صاحب بول رہے ہیں''۔ میں نے کہا کہ جی بیگم صاحبہ میں بٹ ہی ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ ''کیا آپ کا دارالضیافت میں تبادلہ ہو گیا ہے یا کوئی تبادلہ کی بات ہو رہی ہے؟'' میں نے عرض کیا کہ بیگم صاحبہ ایسی تو کوئی بات نہیں میرے اس بیان پر حضرت چھوٹی آپا صاحبہ نے فرمایا کہ

''شکر ہے کل شام کو کسی نے ذکر کیا کہ بٹ صاحب کا دارالضیافت میں تبادلہ ہو گیا ہے۔ مجھے فکر لاحق ہوئی۔ میں یعنی) چھوٹی آپا صاحبہ(آج کے دن کا بھی انتظار نہ کر سکیں اور اسی وقت)شام کو(دارالضیافت میں فون کر کے پوچھا تو انہوں نے کہا کہ بٹ صاحب کے تبادلہ کی کوئی بات نہیں سنی اور نہ ہی وہ یہاں آئے ہیں۔''

حضرت بیگم صاحبہ نے فرمایا کہ ''میں نے مناسب سمجھا کہ ہسپتال فون کر کے آپ سے معلوم کروں نیز فرمایا کہ ہمیں آپ کے ذریعہ سے بہت سہولت اور آرام مل رہا ہے۔ آپ کا تبادلہ نہیں ہونا چاہیئے۔ اگر کبھی آئندہ تبادلہ کی بات ہو تو مجھے فوری فون کریں۔''

یادوں کی خوشبو

حضرت صاحبزادہ ڈاکٹر مرزا منور احمد صاحب چیف میڈیکل آفیسر فضل عمر ہسپتال ربوہ مقدس وجود، مجسم دعاء تھے

حضرت صاحبزادہ ڈاکٹر مرزا منور احمد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کی جسمانی اور روحانی اولاد ہیں۔ جو سب کیلئے ایک ایسا نمونہ تھے جس پر جتنا رشک کیا جائے کم ہے۔ آپ کی شخصیت کا ہر پہلو قابل تقلید نیک نمونہ تھے۔ آپ بے پناہ خوبیوں اور اوصاف حمیدہ کے مالک تھے۔ اس عاجز کو 1969ء سے وفات تک آپ کے ساتھ کام کرنے اور قریب سے دیکھنے کا موقع حاصل رہا ہے۔ آپ بہت ہی ہمدرد، ماتحتوں کیلئے باعث رحمت، کشوف ورویا بزرگ تھے۔ آپ ہر کارکن کی ضروریات کا خیال رکھتے تھے۔ آپ کو سچی خوابیں آتی تھیں۔ کئی بار ایسا ہوا کہ جب آپ صبح آفس تشریف لاتے تو مجھے بلوا کر فرماتے کہ آج رات خواب میں فلاں شخص کو دیکھا اس کو مدد کی ضرورت ہے۔ اور مجھے ارشاد فرماتے کہ اس کو اتنی رقم میرے ذاتی حساب سے لفافہ میں بند کر کے بھجوا دیں۔ کئی بار ایسا بھی ہوا کہ آپ نے خواب میں دیکھا کہ ہسپتال کے سٹور سے سامان یا ادویہ چوری ہو رہی ہیں اور فلاں نے کی ہیں۔ جب سٹور کی ادویہ چیک کی جاتیں تو جو خواب میں دیکھا ہوتا ''ہوبہو'' اسی طرح ہوتا۔ اور تحقیق کرنے پر چوری شدہ سامان اور چور کا سراغ مل جاتا۔ یہ تو خاکسار نے ایک مثال دی ہے۔ اس کے علاوہ اور بہت سے واقعات ہیں جو خواب کے نتیجہ میں ظاہر ہوئے۔

آپ کا مقدس وجود

آپ برگزیدہ ہستی اور مقدس وجود تھے۔ آپ اللہ تعالیٰ کے ان محبوب بندوں میں شامل تھے جو رویا اور الہام کی آسمانی برکتوں کے حامل ہوتے ہیں۔ آپ کی طبیعت سادہ اور مزاج تصنع سے پاک مگر بہت نفیس تھا۔ سلسلہ کے فدائی اور زندگی وقف تھے۔

اوصاف حمیدہ

آپ بے پناہ خوبیوں اور اوصاف حمیدہ کے مالک تھے اس عاجز کا اس عظیم شخصیت کے ساتھ 1969ء تا وفات تعلق رہا ہے۔ اور بہت قرب حاصل رہی ہے اس لئے خاکسار پورے وثوق سے کہہ سکتا ہے کہ آپ کے اوصاف حمیدہ میں سے چند یہ ہیں۔

1۔ غیر متزلزل ایمان　　2۔ نماز سے عشق

3۔تقوی شعاری4۔شکر گزاری 5۔غرباء پرور۔

آپ صوم صلوۃ کے پابند اور عبادات کا ذوق رکھنے والے وجود تھے ۔نمازیں بروقت اور انہماک سے پڑھتے تھے اور اپنے ماتحت عملہ کو نمازوں کی پابندی کی تلقین فرماتے ۔نماز ظہر کا وقت ہسپتال کے اوقات کار کے دوران آتا تھا اور آپ نماز ظہر ''بیت یادگار'' میں ادا فرماتے اور امامت بھی فرماتے ۔ آپ بہت پہلے بیت میں تشریف لے آتے اور فرض نماز سے قبل چار رکعت سنت ادا فرماتے ۔اس کے بعد فرض نماز کی امامت فرماتے ۔جب آپ کی صحت کمزور ہوگئی تو کسی دوسرے کو نماز پڑھانے کا ارشاد فرماتے ۔

آپ نماز بہت لمبی پڑھتے اور فرض نماز بھی کافی لمبی ہوتی اور سجدہ تو بہت طویل فرماتے ۔فرض نماز کی ادائیگی کے بعد سنتیں بھی بیت میں ادا فرماتے البتہ عمر کے آخری حصہ میں اور صحت کی کمزوری کے باعث سنتیں اپنے آفس میں بھی ادا فرماتے رہے ہیں ۔آپ کی نماز سنت اسقدر طویل ہوتیں کہ سب نمازی سنتیں ادا کر کے بیت سے جا چکے ہوتے ۔البتہ ملک محمد اسحق صاحب کارکن فضل عمر ہسپتال حضرت میاں صاحب رحمہ اللہ تعالی کی نماز سے فراغت تک بیت میں موجود رہتے ۔جب آپ رحمہ اللہ نماز سے فارغ ہو جاتے اور آپ اپنے آفس تشریف لے آتے تو ملک محمد اسحق صاحب حفظ ماتقدم حفاظتی نقطہ نگاہ بیت کے دروازہ کو تالا لگا کر واپس آتے ۔

حضرت میاں صاحب رحمہ اللہ خصوصا اپنے سٹاف کو نماز باجماعت ادا کرنے کی تلقین فرماتے رہتے تھے ۔نماز کے اوقات میں کام کا وقفہ ہوتا تھا ۔نماز باجماعت کی ادائیگی کا استثنی ان کارکنان کے لئے تھا جن کے پاس کوئی ایمرجنسی ہوتی تھی اور اس کارکن کو ہدایت تھی کہ ایمرجنسی سے فارغ ہونے کے بعد نماز ادا کریں ۔گاہ بگاہ تمام سٹاف کو بذریعہ سرکلر نماز باجماعت مسجد میں ادا کرنے کا کہا جاتا تھا ۔مکرم صاحبزادہ مرزا عمر احمد صاحب نماز باجماعت ادا کرنے والے کارکنان کی حاضری لگاتے تھے جو کارکن مسلسل غیر حاضر ہوتے تھے ان کو تحریرا متنبہ کیا جاتا تھا کہ نماز باجماعت ادا کیا کریں ۔ توجہ دلانے کے باوجود جو کارکن نماز باجماعت سے غیر حاضر ہوتا ان کو حضرت چیف میڈیکل آفیسر صاحب بلا کر پوچھا کرتے تھے اور بہت محبت پیار سے نماز باجماعت ادا کرنے کی تلقین فرماتے ۔

ایک دلچسپ واقعہ کا ذکر

ایک مرتبہ دلچسپ صورت اسوقت پیدا ہوئی کہ ہسپتال کے ایک کارکن نماز ظہر" بیت یادگار" میں کبھی کبھار شامل ہوتے تھے ایک روز وہ نماز ظہر میں شامل تھے ۔نماز کی امامت حضرت میاں صاحب رحمہ اللہ تعالی فرما رہے تھے ۔نماز کی ادائیگی اور سلام کہنے کے بعد حضرت میاں صاحب رحمہ اللہ کی نظر اس کارکن پر پڑی ،آپ نے تبسم فرماتے ہوئے اس کارکن سے پوچھا کہ آپ نماز میں کم نظر آتے ہیں کوئی خاص وجہ ۔اس کارکن کا جواب تھا کہ میاں صاحب آپ بہت لمبی نماز پڑھاتے ہیں اور میں تھک جاتا ہوں ۔اور میں بعد میں نماز پڑھ لیتا ہوں ۔اس موقع پر اچھی خاصی نمازیوں کی تعداد موجود تھی اور سب نے مسکراتے ہوئے اس کارکن کے بیانیہ کی تائید کردی ۔اس پر حضرت میاں صاحب رحمہ اللہ مسکرائے اور فرمایا کہ آپ نماز میں شامل ہوا کریں آئندہ خیال رکھوں گا ۔اس کے بعد بھی عموما حضرت میاں صاحب رحمہ اللہ نماز طویل ہی پڑھایا کرتے تھے ۔

حضرت صاحبزادہ ڈاکٹر مرزا منور احمد صاحب سرپرست اعلی

''مسجد یادگار'' کے سرپرست اعلی حضرت میاں صاحب رحمہ اللہ خود تھے اور ''مسجد یادگار'' کی رنگ وروغن اور تزئین وآرائش ہر سال بڑے اہتمام کے ساتھ کیا کرتے تھے اس کے علاوہ بیت کی جو ضروریات ہوتی تھیں یا نمازیوں کی سہولت کیلئے جس چیز کی ضرورت ہوتی تھی پوری فرماتے تھے ۔اللہ تعالی کے فضل سے ''مسجد یادگار'' میں پانچوں نمازیں باجماعت پڑھی جاتی تھیں اور پڑھی جاتی ہیں ۔مسجد میں نمازی ہسپتال میں مکین کارکنان ،حلقہ کوارٹرز صدر انجمن احمدیہ ،ہسپتال کے مریضان اور انکے لواحقین ملاقاتی نماز پڑھنے آتے ہیں اس طرح نمازیوں کی اچھی خاصی تعداد ہوتی تھی ۔حضرت میاں صاحب رحمہ اللہ نے تنظیموں کو اپنے اجلاسات کی اجازت دے رکھی تھی اللہ تعالی کے فضل سے علی الصبح خدام ،اطفال اور انصار بھی صل علیٰ پڑھتے تہجد کیلئے آتے تھے ۔حلقہ کوارٹرز کے صدر صاحب جماعت احمدیہ کو بیت کی چابی دی ہوئی تھی تا وہ اپنے انتظام کے تحت بوقت ضرورت استعمال کرسکیں ۔

بیت یادگار

جیسا کہ احباب جماعت کو معلوم ہے کہ ربوہ کا افتتاح 20 ستمبر 1948ء بروز پیر عمل میں آیا۔ حضرت المصلح الموعود رضی اللہ عنہ لاہور سے صبح 9 بجکر 20 منٹ پر روانہ ہوئے اور ایک بجکر 20 منٹ پر ربوہ پہنچے اور جہاں ''یادگار مسجد'' بنائی گئی ہے اس جگہ پر حضرت المصلح الموعود رضی اللہ عنہ نے نماز ظہر ادا کی تھی۔ ربوہ میں سب سے پہلی نماز ظہر اس جگہ پر ادا کی گئی جس میں 250 احباب نماز میں شریک ہوئے تھے۔ اس وجہ سے یادگار مسجد کے نام سے موسوم ہے اور متصل فضل عمر ہسپتال ہے۔ جہاں اب بھی ایک یادگار بورڈ بھی لگا ہوا ہے۔

مسجد یادگار کا سنگ بنیاد

مسجد یادگار کا سنگ بنیاد 21 مارچ 1958ء کو قمر الانبیاء حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب رضی اللہ عنہ نے مسجد مبارک قادیان سے لائی گئی ایک اینٹ سے رکھا جس پر حضرت المصلح الموعود خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ نے دعا کی تھی اور 1959ء کو فضل عمر کی یادگار مسجد کی تعمیر ہوئی۔

فضل عمر ہسپتال کا آغاز

حضرت المصلح الموعود رضی اللہ عنہ کی ہدایت پر فضل عمر ہسپتال ربوہ کا آغاز 21 اپریل 1949ء کو ایک خیمہ میں قائم ہوا۔ جس کی نگرانی صاحبزادہ ڈاکٹر مرزا منور احمد صاحب کے سپرد تھی۔ ان دنوں ڈاکٹر حشمت اللہ صاحب لاہور میں قیام رکھتے تھے ان کی آمد پر وہ نگران مقرر ہوئے۔ فضل عمر ہسپتال کی موجودہ عمارت کا سنگ بنیاد 20 فروری 1956ء کو حضرت المصلح الموعود رضی اللہ عنہ نے رکھا اور افتتاح 21 مارچ 1958ء کو اپنے دست مبارک سے کیا۔

سٹاف کی ماہانہ میٹنگ

حضرت میاں صاحب رحمہ اللہ ہسپتال کے نظام کو بہتر سے بہتر کرنے کی کوشش میں رہتے تھے اس غرض کیلئے تمام سٹاف کی ایک ماہانہ میٹنگ آپ کی زیر نگرانی آپ کے آفس میں ہوتی تھی۔ آپ سٹاف کو نصیحت فرماتے تھے کہ مریضان کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آیا کریں۔ اگر کوئی مریض آپکے پاس علاج کی غرض سے آتا ہے تو بعض وجوہ کی بناء وہ سخت لہجہ بھی اختیار کر سکتا ہے اور آپ یہ سمجھتے ہوئے کہ وہ مریض ہے اور اس سے مسکراہٹ کے ساتھ پیش آنا ہے اور اس کی بات کو سننا ہے اور مناسب جواب دینا ہے۔ آپ رحمہ اللہ تعالی کا سٹاف کو سمجھانے کا انداز بہت پیارا ہوتا تھا اور آپ کا بیانہ ہر ایک کے دل میں اتر تا جاتا تھا اور اللہ تعالی کے فضل سے سٹاف ان ہدایات پر پوری طرح عمل کرتا تھا اور کبھی کسی مریض کی طرف سے کوئی سیریس شکایت نہیں آئی تھی۔ سٹاف کو یہ بھی ہدایت کی جاتی تھی کہ اگر انہیں اپنے کام کو بہتر کرنے کیلئے کسی چیز کی ضرورت ہے تو اپنی ضرورت کا ذکر کریں اسی طرح تمام سٹاف سے ہسپتال کی کارکردگی کو بہتر سے بہتر کرنے کی غرض سے تجاویز لی جاتی تھیں اور جو تجویز بہتر ہوتی تھی اس تجویز کو ہر شعبہ میں عمل درآمد کیلئے لاگو کیا جاتا تھا۔ ایسی میٹنگ بہت مفید رہتی تھی اور بہت اچھی اچھی تجاویز آتی تھیں۔ ایک مقصد یہ بھی ہوتا تھا کہ سب کے اکٹھے ہونے سے شوری کی طرز سے مفید تجاویز مل جاتی تھیں۔ بعض دفعہ اجلاس ایک گھنٹہ سے بھی زیادہ طویل ہو جاتا تھا۔ اجلاس کے اختتام پر تمام سٹاف کی تواضع کی جاتی تھی۔

وقت کی پابندی

حضرت میاں صاحب رحمہ اللہ اکثر صبح وقت مقررہ پر ہسپتال تشریف لے آتے تھے اور سٹاف کی حاضری کا رجسٹر چیک کرتے اگر کوئی ہسپتال کا کارکن لیٹ آتا تو انہیں وقت کی پابندی کی تلقین فرماتے۔ نیز فرماتے کہ بعض مریض بہت دور سے آتے ہیں انہیں زیادہ انتظار کی اذیت دینا مناسب نہیں۔

آوٹ ڈور مریضوں کا معائنہ

حضرت میاں صاحب رحمہ اللہ صبح آتے ہی مریضوں کو دیکھنا شروع کر دیتے تھے جب مریضوں کو دیکھنا شروع کرتے تو آپ مریضوں کے معائنہ سے قبل ان کی صحت یابی کیلئے ہاتھ اٹھا کر دعا فرماتے اور پھر آوٹ ڈور پرچی پر بسم اللہ، ھوالشافی اپنے دست مبارک سے لکھ کر پھر مریض کا معائنہ فرماتے اور علاج تجویز فرماتے۔

ضروری وضاحت

ابتدائی دور میں آوٹ ڈور پرچی چھپی نہیں ہوتی تھی سفید کاغذ کے دستہ کے چھوٹے چھوٹے پیس بنا کر ایک گتے پر ان پیسز (pieces) کو کلپ لگا دی

جاتی تھی اوران کو آوٹ ڈور پرچی کے طور پر استعمال کیا جاتا تھا۔

انڈور مریضان کا معائنہ

آپ رحمہ اللہ صبح تشریف لاتے ہی آوٹ ڈور مریضان کا معائنہ فرمانے کے بعد یا اگر آوٹ ڈور مریض نہ ہوتے تو آپ تمام وارڈز مردانہ وزنانہ مریضوں کے معائنہ کے لئے تشریف لے جاتے اور ہر مریض کے پاس جاکران کی میڈیکل فائل چیک فرماتے۔نرسنگ سٹاف کو ہدایات فرماتے اور مریض کی خیریت دریافت فرماتے۔بعض مریض اپنی بیماری اور تکلیف کا اظہار فرماتے۔حضرت میاں صاحب رحمہ اللہ مریض کو پوری توجہ سے سنتے اورانہیں اپنی قابل دید مسکراہٹ کے ساتھ تسلی دیتے اوران کی ضروریات کو پوری فرماتے۔

انڈور مریضان کا فری علاج

اکثر مریضان کا علاج فری ہوتا تھا جو مخیر احباب جماعت ہسپتال کو علاج کیلئے رقوم عطیہ کرتے تھے اس میں سے مریض کا ادویہ لیبارٹری ٹیسٹ،ایکسرے اور دیگر ہر قسم کا علاج فری کیا جاتا تھا۔خواہ احمدی ہے یا غیر احمدی،کسی سے کوئی فرق نہیں کیا جاتا تھا بلکہ آپ بعض غریب مریضان کو اس کی اچھی خوراک کیلئے نقد رقم ادا فرماتے۔

دور دراز سے مریض ہسپتال آتے

اللہ تعالی کے فضل سے فضل عمر ہسپتال میں دور دراز شہروں اور دیہات سے مریض علاج کیلئے آتے اور شفایاب ہوتے تھے۔انہیں یقین تھا کہ ربوہ ہسپتال میں بہت اچھا علاج ہوتا ہے اور اللہ تعالی کے فضل سے مریض کو شفاء بھی ہوتی ہے۔

فری علاج

آپ فضل عمر ہسپتال میں آمدہ نادار مریضان) غرباء(یتامی، بیوگان کا بہت خیال رکھتے اور فری علاج فرماتے۔بعض مریض اپنی بیماری اور کمزوری کی وجہ سے ہسپتال نہیں آسکتے تھے۔آپ رحمہ اللہ تعالی ڈاکٹر یا نرسنگ عملہ کو ان کے گھر بھیج کر علاج کراتے بعض سفید پوش اور مستحق مریضوں کے علاج کے ساتھ ساتھ نقد رقم برائے اچھی غذا ادا فرماتے تھے۔

صدر انجمن کے کارکنان کے علاج کی سہولیات

فضل عمر ہسپتال کے ابتدائی دور میں صدر انجمن احمدیہ کے کارکنان کا علاج ویلفیئر فنڈ سے ہوتا تھا مگر اس کیلئے بہت کم بجٹ سالانہ ہوتا تھا جس کو روزانہ کی بنیاد پر تقسیم کیا جاتا تھا اور بہت محدود بجٹ ہوتا جو ابتدائی چند کارکنان ہی ادویہ حاصل کر پاتے تھے اوراس کے بعد بغیر علاج کارکن مریض گھر لوٹ جاتے تھے۔ایسے بھی قواعد بابت ویلفیئر بنے کہ بجٹ ختم ہوجانے کے بعد ادویہ کی نصف رقم کارکن کے ویلفیئر فنڈ سے ادا کی جاتی تھی اور نصف رقم ادویہ کارکن ادا کر کے حاصل کرسکتا تھا مگر اکثر کارکن نصف رقم بھی ادا نہیں کر سکتا تھا۔ حضرت میاں صاحب رحمہ اللہ کو کارکنان کی ان پریشانیوں کا بڑا فکر تھا۔ صدر انجمن کو قواعد پر نظر ثانی اور بجٹ میں اضافہ کرنے کیلئے لکھا جاتا۔ ادھر حضرت میاں صاحب نے کارکن کی نصف رقم ہسپتال کی مد مریضان میں ڈال کر کارکن کو فری مکمل علاج کی سہولت دے دی گئی۔حضرت میاں صاحب کی مسلسل کوششوں سے کارکن کے علاج پر جو قدغن تھیں سب کو ختم کر کے مکمل علاج ویلفیئر فنڈ سے صدر انجمن احمدیہ نے منظوری دے دی۔

بچوں سے محبت

حضرت صاحبزادہ ڈاکٹر مرزا منور احمد صاحب رحمہ اللہ تعالی کو اپنے بچوں اور پوتوں سے بہت محبت اور پیار تھا اور بچوں کو بھی آپ سے بہت محبت تھی۔خاکسار یہ گواہی پورے وثوق اور اپنے ذاتی تجربہ کی بناء پر دے رہا ہے کہ آپ رحمہ اللہ تعالی اپنے بچوں سے بے پناہ محبت اور پیار کرتے تھے۔ہمارے پیارے رسول ﷺ بھی بچوں سے بے پناہ پیار و محبت کرتے تھے۔اگر میں بچوں بارے بیان کرونگا تو مضمون بہت طوالت اختیار کر جائیگا۔ لہذا خاکسار فی الحال محترم ڈاکٹر مرزا مبشر احمد صاحب بارے کچھ ذکر کرے گا۔

مکرم ڈاکٹر مرزا مبشر احمد صاحب کی لنڈن سے آمد

محترم صاحبزادہ ڈاکٹر مرزا مبشر احمد صاحب لنڈن سے ربوہ تشریف لائے تو آپ نے فضل عمر ہسپتال ربوہ میں بطور سرجن کام شروع کر دیا۔اس وقت آپ نے کوالیفائیڈ ڈگری حاصل نہیں کی تھی۔آپ نے سرجری میں تجربہ حاصل کیا ہوا تھا۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں دعائیہ خط

حضرت صاحبزادہ ڈاکٹر مرزا منور احمد صاحب کی دلی خواہش تھی کہ محترم ڈاکٹر مرزا مبشر احمد صاحب نے زندگی وقف کی ہوئی ہے اور آپ کو کوالیفائیڈ کی ڈگری حاصل کرنی چاہئے۔ چنانچہ آپ نے حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں تفصیلی ذکر کرکے دعائیہ خط لکھا۔ حضور ایدہ اللہ تعالیٰ نے محترم میاں مبشر احمد صاحب کے متعلق فرمایا کہ" زندگی وقف کوالیفائڈ ہونا چاہئے لنڈن واپس چلے جائیں اور ڈگری لے کر آئیں۔"

نیز محترم میاں مبشر احمد صاحب کو حضور سے ملنے کی بھی ہدایت فرمائی۔) میری یاداشت کے مطابق حضور ایدہ اللہ تعالیٰ کی اسی طرح کی ہدایت ہوئی تھی)

حضرت میاں منور احمد صاحب رحمہ اللہ کی دعائیں

حضرت ڈاکٹر مرزا منور احمد صاحب رحمہ اللہ اس سلسلہ میں بہت فکر مند تھے اور محترم میاں مبشر احمد صاحب کیلئے حضرت میاں صاحب نے رات کی تاریکی اور دن کے اجالا میں اللہ تعالیٰ کے حضور گڑ گڑا کر دعائیں کیں اور جس قدر اضطرار اور اضطراب بڑھتا گیا اور اسی قدر یہی اسباب دعاوں کی قبولیت کا ذریعہ بنے اور اللہ تعالیٰ کی نصرت اور مدد آن پہنچی اور ان دعاوں کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ کی محبت جوش میں آئی اور وہ آسمان سے اتر کر آپ رحمہ اللہ کو تسلی دی حضرت میاں صاحب نے ایک موقع پر اظہار فرمایا کہ" اللہ تعالیٰ نے مجھے تسلی دی ہے کہ تو غم نہ کر میں تیرے ساتھ ہوں" گویا آپ نے رو رو کر جو دعائیں کیں وہ اللہ تعالیٰ نے قبول کر لیں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کے مسیح کا خلیفہ بھی آپ (یعنی مکرم مرزا مبشر احمد صاحب (کیلئے دعائیں کر رہا تھا اور حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ نے مکرم میاں مبشر احمد صاحب کو اپنے پاس بلا کر پیار کیا اور دعائیں دیں اور فرمایا کہ" میں دعا کرونگا۔ آپ انشاء اللہ کامیاب ہو کر واپس آئیں گے"

محترم ڈاکٹر میاں مبشر احمد صاحب کی لنڈن روانگی

محترم ڈاکٹر مرزا مبشر احمد صاحب حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ کی اور حضرت ڈاکٹر مرزا منور احمد صاحب کی درد بھری دعاوں کے ساتھ لنڈن روانگی ہوئی۔ اللہ تعالیٰ اعلیٰ کامیابی عطا فرمائے اور کامیابی کے ساتھ واپس لوٹیں۔ آمین

کامیابی و کامرانی کے ساتھ ربوہ واپسی

محترم صاحبزادہ ڈاکٹر مرزا مبشر احمد صاحب جس جذبہ و عزم کے ساتھ سرجن کی ڈاکٹری کی تعلیم حاصل کرنے کیلئے لنڈن روانہ ہوئے تھے اسی جذبہ کے ساتھ تعلیم مکمل کرکے کامیابیوں کا سہرا سجائے واپس تشریف لائے۔ آپ نے MBBS King Edwards Lahore سے کیا اور FRCS Edinburgh Royal College of Surgeons سے کیا۔

یہ ادا عشق و وفا کی ہم میں ایک مسیحا کی دعا سے آئی

واپسی پر استقبال اور عشائیہ

جب آپ لنڈن سے کامیابی کے ساتھ واپس تشریف لائے تو آپ کا فضل عمر ہسپتال کے سٹاف نے استقبال کیا اور ہسپتال کے سرجیکل وارڈ میں جس کے نگران محترم میاں مبشر احمد صاحب تھے، عشائیہ دیا۔ اس تقریب کے افتتاح پر تلاوت قرآن مجید کی سعادت خاکسار کو ملی۔ اس کے بعد آپ کو کامیابی پر مبارکباد دی اور خوش آمدید کہا۔ عشائیہ کے اختتام پر حضرت میاں منور احمد صاحب رحمہ اللہ نے سب سٹاف کا شکریہ ادا کیا اور آپ نے رقت انگیز دعا کے ساتھ اختتام فرمایا۔ اس موقع پر فوٹو بھی ہوئے تھے ایک گروپ فوٹو میرے پاس موجود ہے جو یہاں پر دیا جا رہا ہے۔

ہسپتال میں سرجن کے طور پر کام کا آغاز

مجھے یاد پڑتا ہے کہ خاکسار 1969ء میں ہسپتال آیا تھا اور محترم ڈاکٹر مرزا مبشر احمد صاحب نے 1969ء سے فضل عمر ہسپتال میں بطور سرجن خدمت سرانجام دے رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے آپ ایک ماہر ڈاکٹر کے طور پر پہچانے جاتے ہیں اور اس علاقہ میں احمدیوں اور غیر احمدیوں میں یکساں مقبول اور مشہور ہیں۔ جماعت احمدیہ پر 1974ء۔1984ء میں غیر معمولی حالات کے باوجود غیر احمدیوں کا فضل عمر ہسپتال ربوہ علاج کیلئے آنے والوں کی تعداد کا اضافہ ہوا۔ کیوں کہ احمدیت کا مقصد ہی بلا تفریق مذہب و ملت ہر طبقہ کے افراد کی خدمت کرنا ہے۔ چنانچہ میں کہہ سکتا ہوں کہ غیر احمدی

90فیصد علاج کیلئے آتے ہیں اور اللہ تعالی کے فضل سے کامیاب علاج سے صحت یاب ہوکر جاتے ہیں اور بفضلہٖ تعالی محترم ڈاکٹر مرزا مبشر احمد صاحب بہت کامیابی سے آپریشن کرنے میں مصروف ہیں۔الحمداللہ

حضرت صاحبزادہ ڈاکٹر مرزا منور احمد صاحب رحمہ اللہ تعالی شکار کے بہت شوقین تھے

حضرت میاں صاحب رحمہ اللہ تعالی کو شکار کا بہت شوق تھا اور اکثر شکار پر جایا کرتے تھے اور مجھے بھی کبھی کبھار ساتھ لے جاتے تھے۔اکثر مرغابی کا شکار اور عام پرندوں فاختہ،کبوتر کا شکار کرتے ۔اس کے علاوہ خرگوش کے شکار پر بھی جاتے تھے۔آپ کے ساتھ محترم مرزا عمر احمد صاحب بطور خاص ہوتے اور شکار میں مدد کرتے تھے۔آپ کے ہمراہ ہر شکار کے موقع پر نور محمد نورا ،خان محمد اوران کے جوان بیٹے ساتھ ہوتے۔کیونکہ بعض مرتبہ فاختہ وغیرہ کو پکڑنے کیلئے کافی دور تک پیچھا کرنا پڑتا تھا اسی طرح مرغابی کے شکار میں پانی میں چھپ کر کھڑے ہونا پڑتا تھا اور جب مرغابی Hit ہوتی تھی توفوری پکڑنا پڑتا تھا۔ورنہ پانی میں شکار غائب ہوجانے کا امکان ہوتا تھا۔یہ سب اس غرض کیلئے ساتھ ہوتے تھے البتہ خرگوش کے شکار کیلئے ان کے پاس شکاری کتے ہوتے تھے جوان کے پاس رکھے ہوتے تھے اور شکار کے موقع پر ساتھ لیکر جاتے تھے۔

شکار سے فارغ ہونے کے بعد حضرت میاں صاحب رحمہ اللہ شامل تمام افراد کے کھانے کا انتظام خود فرماتے ۔کھانے کے موقع پر دریاں اور پلاسٹک شیٹ بچھائی جاتی اور سب مل کر اکٹھے کھانا کھاتے،چائے کا بھی انتظام ہوتا۔حضرت میاں صاحب رحمہ اللہ تعالی کیلئے چادر بچھادی جاتی اور تکیہ لگادیا جاتا آپ چندمنٹ آرام فرماتے۔نماز کے اوقات کی پابندی کی جاتی اور وہی پر نماز باجماعت کی ادائیگی اور امامت فرماتے اس کے بعد اکثر سورج غروب ہونے سے قبل واپسی ہوجاتی اور واپسی سے قبل جتنا شکار کیا ہوتا اسکی گنتی ہوتی اور سب کو وہی پر تقسیم کردیا جاتا۔

اس موقع پر یہ بھی عرض کرونگا کہ میرے پیارے "میاں تانی" کو مرغابی کے شکار کا جنون کی حد تک شوق تھا اور اکثر مجھے اپنے ساتھ چلنے کا کہتے ورنہ اکیلے ہی شکار پر نکل پڑتے۔

جب پہلی بار آپ کے ساتھ شکار پر گیا تو دو مرغابی کا شکار ہوا اور مجھے ساتھ لے جانے کیلئے پکڑا دیں ۔میں نے انہیں کہا کہ آپ لے لیں یا شیئر کرلیں مگر ان کا جواب حیرت انگیز تھا کہ "انہیں صرف مرغابی کے شکار کا شوق ہے وہ کھاتے نہیں"

حضرت میاں صاحب رحمہ اللہ تعالی کو اپنے پوتوں کے ساتھ بہت پیار تھا۔عزیزم میاں فخر احمد مچھلی کے شکار کا شوق پورا کرنے کیلئے جاتے تو مجھے انکے ساتھ نگرانی کی غرض سے بھیجتے۔یہ چند یادیں تھیں جن کا اظہار کرنا چاہتا تھا۔

خلافت سے تعلق اور اطاعت خلافت مثالی تھی

خلفاء سے صحت بارے رابطہ میں رہتے اور حقیقی معالج تھے

آپ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی جسمانی اور روحانی اولاد تھے جو سب کیلئے ایک ایسا نمونہ تھے جس پر جتنا رشک کیا جائے کم ہے۔آپ کی شخصیت کا ہر پہلو قابل تقلید نیک نمونہ تھے۔آپ کا خلفاء کے ساتھ عقیدت واحترام کا رشتہ تھا اور آپ نے زندگی بھر اخلاص اور انکساری سے خلافت سے وابستگی کا اظہار فرمایا ہے اس کی مثال نہیں ملتی۔آپ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعود اور حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ کے حقیقی معالج تھے کچھ وقت تک حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ کے بھی معالج رہے۔آپ ایک ایک لحہ اور ایک ایک منٹ خلفاء کے ساتھ رابطہ میں رہتے تھے اور صحت کے بارے معائنہ فرماتے تھے ۔اور باقاعدگی سے روزانہ رپورٹ روزنامہ الفضل کو بھجواتے تھے اور اپنے پیروگاروں کو آگاہ رکھتے تھے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالی کی لنڈن ہجرت بارے حضرت صاحبزادہ ڈاکٹر مرزا منور احمد صاحب رحمہ اللہ تعالی کا خاص بیان

حضرت صاحبزادہ ڈاکٹر مرزا منور احمد صاحب رحمہ اللہ کی خدمت میں خاکسار نے درخواست کی۔حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالی کی لنڈن ہجرت کے دوران آپ کی ربوہ سے اسلام آباد روانگی کے بارے ذکر فرمانا

پسند فرمائیں گے۔آپ رحمہ اللہ نے ازراہ شفقت اس تاریخی واقع کے بیان کرنے کا وقت عطا فرمایا۔

حضرت صاحبزادہ ڈاکٹر مرزا منور احمد صاحب نے حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ کی لنڈن روانگی اور آپ رحمہ اللہ کی اسی دوران ربوہ سے اسلام آباد راونگی کا تفصیلی ذکر فرمایا۔

حضرت میاں صاحب رحمہ اللہ تعالی نے فرمایا کہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالی رات کے اندھیرے میں دو بجے سے قبل دو کاروں پر ربوہ سے کراچی کیلئے عازم سفر ہوئے۔یہ کاریں براستہ لالیاں، جھنگ کراچی کیلئے رواں دواں تھیں۔ایک کار میں حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ نفس نفیس تشریف فرما تھے۔آپ رحمہ اللہ کے آگے ایک کار میں حفاظت خاص کا عملہ تھا۔اسی دوران علی الصبح نماز فجر کے بعد قصر خلافت سے خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ کی کار ربوہ سے روانہ ہوئی۔کار کے عقبی نشت پر حضرت صاحبزادہ ڈاکٹر مرزا منور احمد صاحب (حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالی) کے لباس میں یعنی اچکن زیب تن تھے اور سفید پگڑی پہن رکھی تھی۔اسی طرح آپ کے ساتھ حضرت خلیفۃ المسیح الرابع کا حفاظتی دستہ بھی آپ کے ہمراہ تھا۔آپ کے ساتھ حفاظتی دستہ کی ایک کار آگے چل رہی تھی اور دو کاریں پیچھے تھیں۔یہ معمول کا حفاظتی دستہ تھا۔

حضرت میاں صاحب رحمہ اللہ تعالی کی نشت کو پردہ سے کور کیا ہوا تھا۔البتہ جن کاروں میں حفاظتی عملہ سوار تھا ان کو ہر نشت پر بیٹھے صاف دیکھا جا سکتا تھا۔ان حفاظتی عملہ کو خفیہ تنظیموں ،ایجنسیوں کا ایک ایک فرد اچھی طرح جانتا تھا۔راستے میں ہمارے احمدی بھائی دستہ میں اس قافلہ کو روانہ ہوتے دیکھ کر یہی رائے رکھتے تھے کہ حضرت خلیفۃ المسیح رحمہ اللہ تعالی اسلام آباد تشریف لے جارہے ہیں۔

ربوہ سے قافلہ کی روانگی پر سرکاری خفیہ تنظیمیں جو متعین کی گئیں تھیں ان کا بھی یہی اندازہ تھا کہ ان کے خلیفۃ اسلام آباد جارہے ہیں اور اپنے بالا افسران کو لحہ بہ لحہ اپنی رپورٹس بھجوارہے تھے۔

حضرت میاں صاحب رحمہ اللہ نے فرمایا

قافلہ جہلم آپ کے عم زاد مکرم مرزا منیر احمد صاحب چپ بورڈ فیکٹری پہنچا تو کوٹھی کے اندر صرف آپ کی کار کو داخل ہونے دیا گیا۔باقی سب کاریں باہر ہی روک دی گئیں ۔سرکاری خفیہ تنظیمیں جو قافلے کا پیچھا کر رہی تھیں اپنے افسران بالا کو رپورٹ کر رہی تھیں کہ قافلہ جہلم مکرم مرزا منیر احمد صاحب چپ بورڈ فیکٹری پہنچ گئے ہیں اور یہاں آرام کرنے کے بعد جہلم سے اسلام آباد روانہ ہونگے۔جو یہاں سے 70 میل کے فاصلہ پر ہے۔ان کا اندازہ تھا کہ ان کے خلیفہ رات اپنے عم زاد کے ہاں گزاریں گے اور اگلے دن اسلام آباد روانہ ہونگے۔قافلہ کے افراد کا بھی یہی ارادہ تھا کہ سیدھے راولپنڈی /اسلام آباد نہیں جانا چاہتے کیونکہ وہاں حکومتی نمائندے اور خفیہ تنظیمیں موجود ہوتیں ہیں۔

رات جہلم گزارنے کے بعد اگلے روز قافلہ اسلام آباد روانہ ہوا۔حضرت صاحبزادہ ڈاکٹر مرزا منور احمد صاحب نے فرمایا کہ ’’جب یہ قافلہ اسلام آباد پہنچا تو حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالی کے بخیریت لنڈن پہنچنے کی اطلاع موصول ہو چکی تھی۔‘‘ الحمد اللہ

حضرت صاحبزادہ ڈاکٹر مرزا منور احمد صاحب رحمہ اللہ تعالی سے چند سوال اور ان کے جواب

سوال: آپ کی کار میں آپکے ہم سفر کون تھے۔؟

جواب: فرمایا کہ بیٹا اور میاں انس احمد صاحب۔(مجھے بیٹے کے بارے میں کنفیوژن ہے کہ کونسا بیٹا تھا۔)

سوال: آپ کی کار کون ڈرائیو کر رہا تھا۔؟

جواب: رحمت علی صاحب ڈرائیور

سوال: آپ کے قافلہ میں دیگر احباب ، پہریداران کو علم تھا کہ حضور کی کار میں بابرکت وجود کون ہے۔؟

جواب: فرمایا۔کسی کو علم نہیں ۔قصر خلافت کے اندر حضور والی کار تیار ہوئی تھی۔ہمارے سوار ہونے کے بعد ڈرائیور کو بلایا اور اس وقت مسجد مبارک میں نماز فجر پڑھی جارہی تھی اور اس کے دوران ہم سب سفر پر روانہ ہو گئے تھے۔

حضرت میاں صاحب رحمہ اللہ بارے مریضوں کا تاثر

آپ کے بارے مریضان کا تاثر یہ تھا کہ: ہم یہاں اس لئے آتے ہیں کہ یہاں ایک بہت بزرگ اور دعا گو، فرشتہ صفت ڈاکٹر منور احمد صاحب ہیں جو پہلے دعا کرتے ہیں پھر علاج کرتے ہیں اور سو فیصد مریض صحت یاب ہوتے ہیں۔ ایسی بے شمار مثالیں ہیں خاکسار ایک مریض کا بطور خاص ذکر کرے گا۔

آپ واقف زندگی تھے۔ بے نفس ہو کر خدمت کرنے والے وجود تھے۔ ساری زندگی انسانیت کی خدمت میں گزاری۔ ڈاکٹر ہونے کی حیثیت سے مریضوں کی بے انتہا خدمت کی۔ ہمیشہ مریض سے بڑی خوش اخلاقی، چہرہ پر بہت پیاری مسکراہٹ سے پیش آتے تھے۔ بعض مریضوں کا نہ صرف مفت علاج کرتے تھے بلکہ اپنے پاس سے ان کو خرچ غذاء وغیرہ بھی نقد رقم دیتے تھے۔ غیر از جماعت بھی آپ کے بڑے گرویدہ تھے اور بہت پسند کرتے تھے۔

ایک لاعلاج کینسر کا مریض

ایک کینسر کا لاعلاج مریض جو سرگودھا کے دور دراز گاؤں سے علاج کی غرض سے ہسپتال کے اوقات کار کے آخری لمحات میں آیا۔ اس مریض کے لواحقین نے بتایا کہ ہمارا کینسر کا مریض پاکستان کے بڑے بڑے ہسپتالوں میں علاج کرواتا رہا ہے، جو چند دن پہلے میو ہسپتال لاہور میں داخل تھا۔ ڈاکٹروں نے لاعلاج اور چند دن کا مہمان کہہ کر جواب دے دیا ہے۔ میو ہسپتال لاہور میں ایک داخل مریض نے کہا کہ علاج کروانا ہے تو فضل عمر ہسپتال ربوہ لے جائیں۔) منور ہسپتال فضل عمر ہسپتال کا کہہ رہے تھے۔ (وہاں ایک بزرگ اور دعا گو ڈاکٹر منور ہیں۔ ان کے علاج سے مریض صحت یاب ہوتے ہیں وہ اپنے تجربہ کی بناء پر کہہ رہا تھا۔ فضل عمر ہسپتال بند ہونے کے آخری لمحات میں تھا اور یہ کینسر کا مریض جو لاعلاج قرار دے دیا گیا تھا اس کو چارپائی پر لایا گیا تھا اور چل بھی نہیں سکتا تھا۔ حضرت میاں صاحب رحمہ اللہ کو اس مریض کی حالت بارے بتلایا گیا تو حضرت میاں صاحب خود مریض کے پاس گئے اور معائنہ فرمایا اور چند ٹیسٹ خون کے لکھے اور لیبارٹری انچارج کو فوری ٹیسٹ کرنے اور رپورٹ کرنے کی ہدایت فرمائی۔ ہسپتال میں چھٹی ہو گئی تھی اور حضرت میاں صاحب رحمہ اللہ اپنے آوٹ ڈور میں رپورٹ کا انتظار فرما رہے تھے جب خون کی رپورٹس آئیں تو آپ نے بعد ملاحظہ علاج تجویز کیا اور دو ہفتہ کی ادویہ فری دی گئیں اور سچی بوٹی بھی دی گئی اور اس کا استعمال سمجھایا گیا اور انہیں کہا گیا کہ دو ہفتہ حسب ہدایت ادویہ کھانے کے بعد دوبارہ چیک اپ کیلئے تشریف لائیں۔

دو ہفتہ بعد مریض چل کر آیا

مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ وہ مریض جس کو لاعلاج اور چند دنوں کا مہمان کہہ کر میو ہسپتال لاہور سے فارغ کر دیا گیا تھا وہ فضل عمر ہسپتال میں چارپائی پر لایا گیا تھا وہی مریض دو ہفتہ ادویات استعمال کے بعد دوبارہ چیک اپ کیلئے



تازہ غزل

ساجد محمود رانا

پینا قبول ہے یہاں ، کھانا حرام ہے
رزقِ حلال بھی تو کمانا حرام ہے

منبر پہ نفرتوں کے ہیں خطبے حلال سب
لیکن سپیکروں میں تو گانا حرام ہے

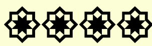
جائز ہے جو پسند ہے واعظ کو سب یہاں
اور جو نہیں پسند کہا نا حرام ہے

دنیا ہے شوق سے یہاں دل کو جلایئے
لیکن حضور لاشیں جلانا حرام ہے

خود مولوی بناتے ہیں دن رات سیلفیاں
تصویر کہہ رہے جو بنانا حرام ہے

ہر چیز مفتیوں پہ ہوئی ہے حلال کیوں
ایسا کوئی سوال اٹھانا حرام ہے

ساجد یہ مفتیوں کا ہے ، مُلاں کا دیس ہے
سننا جہاں حلال ، سنانا حرام ہے



چل کر آیا تو ایمبولینس سے اتر کر حضرت میاں صاحب کے آوٹ ڈور تک پیدل آیا۔مریض اور لواحقین بہت خوش تھے اور بے شمار دعائیں دے رہے تھے۔حضرت میاں صاحب رحمہ اللہ نے سچی بوٹی اور ادویہ مسلسل جاری رکھنے کی ہدایات فرمائیں نیز فرمایا کہ مہینہ میں ایک مرتبہ چیک کروالیا کریں۔اس کے بعد ایک دو مرتبہ مریض معائنہ فضل عمر ہسپتال کیلئے آئے تھے اور مریض کافی بہتر ہو چکا تھا۔ایسے درجنوں معجزات کے واقعات ہیں۔

امریکہ سے کینسر کے مریض کا ذکر

امریکہ سے ایک کینسر کے مریض نے سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ تعالیٰ کو خط لکھا کہ

''میں امریکہ میں رہتا ہوں اور کینسر کا مریض ہوں کافی عرصہ سے علاج کروا رہا ہوں مگر آفاقہ نہیں اور ڈاکٹروں نے ناامیدی کا اظہار کر دیا ہے مجھے معلوم ہوا ہے کہ ربوہ ہسپتال کے ڈاکٹر مرزا منور احمد صاحب سچی بوٹی کے ذریعہ کینسر کا علاج کرتے ہیں اور ایسے بہت سے مریض جن کے بچنے کی بہت کم امید تھی اس بوٹی کے استعمال سے شفایاب ہوئے ہیں۔براہ کرم میرا بھی علاج کیا جائے اور سچی بوٹی بھجوائی جائے۔''

حضور ایدہ اللہ تعالیٰ نے یہ خط حضرت میاں صاحب کو بھجوا دیا کہ ''ان کو سچی بوٹی اور ترکیب استعمال لکھ کر بھجوا دیں۔'' چنانچہ اس مریض دوست کو دیئے گئے پتہ پر سچی بوٹی (کانٹے دار جڑیں) ایک ڈبہ میں بند کر کے اور ترکیب استعمال اس ڈبہ پر چسپاں کر کے بھجوا دیا گیا اور الگ تفصیلی خط بھی حضرت میاں صاحب نے اس دوست کو پوسٹ کر دیا۔شروع شروع میں ''سچی بوٹی'' کانٹے دار جڑیں گتے کے ڈبہ میں بند کر کے مریض کو بھیج دی جاتی تھیں۔

امریکی دوست کا جوابی خط

امریکی مریض دوست کا واپسی جواب حضور ایدہ اللہ تعالیٰ کو ملا اس میں انہوں نے ناراضگی کا اظہار کیا اور لکھا کہ

''میرے ساتھ مذاق کیا گیا ہے اور مجھے کانٹے ڈبہ میں بند کر کے بھجوا دیئے گئے ہیں۔۔۔وغیرہ وغیرہ۔''

حضور ایدہ اللہ تعالیٰ نے یہ خط حضرت ڈاکٹر مرزا منور احمد صاحب کو بھجواتے ہوئے ہدایت فرمائی کہ: ''انہیں دوبارہ سچی بوٹی بھجوائی جائے اور الگ خط میں تفصیل سے ترکیب استعمال لکھیں۔'' حضور ایدہ اللہ کے ارشاد کی تعمیل کی گئی۔دوبارہ سچی بوٹی اور تفصیلی خط لکھا گیا۔اور ان سے کہا گیا کہ ''اس جڑی بوٹی میں ہی شفاء ہے۔آپ حسب ہدایت بوٹی کا استعمال کریں اور اپنی صحت بارے رپورٹس سے ہمارے ساتھ رابطہ رکھیں۔مریض کی طرف سے فوری معذرت کا خط ملا اور اس کے بعد ان سے مسلسل رابطہ رہا اور ان کی طرف سے تسلی بخش رپورٹس ملتی رہیں اور وہ دوست مریض اللہ تعالیٰ کے فضل سے شفایاب ہوئے اور بلڈ رپورٹس میں کینسر زیرو ہو گئی۔الحمد للہ

فضل عمر ہسپتال میں ایسے مریضوں کا ریکارڈ رکھا جاتا تھا اور ایسے کافی مریض تھے جو اس بوٹی کے استعمال سے صحت یاب ہوئے۔

سچی بوٹی میں کئی بیماریوں کا علاج ہے



اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کیلئے قدرتی جڑی بوٹیوں میں بھی شفاء رکھ دی ہے جیسے سچی بوٹی میڈیکل سائنس،طب میں مسلمانوں نے بہت عبور حاصل کیا ہے اور بہت سی جڑی بوٹیوں کے طبی خواص سے پردہ اٹھایا ہے جیسے بوعلی سینا آج بھی طب کے بانیوں میں شمار ہوتے ہیں۔

آج جس جڑی بوٹی کے طبی خواص کو نمایاں کیا جا رہا ہے وہ ''سچی بوٹی'' ہے اور اس کے موجد حضرت صاحبزادہ ڈاکٹر منور احمد صاحب ہیں۔آپ نے سچی بوٹی بارے تحقیق کی اور مریضان پر کامیاب تجربات کئے اور united Nation میں ریسرچ بھی ہوئی۔اور اس پر مضمون بھی چھپے اور اس بوٹی سے کینسر کا علاج ممکن قرار دیا گیا۔

سچی بوٹی بارے جو ذکر ہو گا وہ سب حضرت ڈاکٹر مرزا منور احمد صاحب کی تحقیق کے نتیجہ میں ہے اور یہ سب انہیں کی طرف منسوب ہو گا۔سچی بوٹی خصوصاً ویران علاقہ میں پائی جاتی ہے اسکے علاوہ پہاڑوں کے دامن میں بھی ہوتی ہے۔پاکستان اور ہندوستان میں یہ سچی بوٹی کثرت سے پائی جاتی ہے حضرت میاں

صاحب سندھ سے اور لیہ اور دیگر علاقوں سے منگوایا کرتے تھے۔اس بوٹی کی شاخ کے اوپر تیز کانٹے ہوتے ہیں اور شاخ پتلی اور کمزور ہونے کی وجہ سے سیدھی نہیں بڑھتی ہے یہ ایک جھاڑی نما شکل میں پروان چڑھتی ہے ۔ربوہ اور ربوہ سے باہر کے حکماء نے جب یہ دیکھا کہ سچی بوٹی سے کینسر کا مفید علاج ہو رہا ہے تو انہوں نے ان جڑی بوٹیوں کو پیس کر پلاسٹک کی ڈبیہ میں بند کر کے دینا شروع کر دیا۔مگر یہاں یہ واضح کر دوں کہ جو فائدہ جڑی بوٹی کو بھگو کر استعمال کرنے سے ہے اس کا متبادل طریق مناسب نہیں ہے۔

فوائد

1۔کینسر کے علاج کیلئے مفید ہے۔تجربہ شدہ بات ہے ۔اس بوٹی سے لاعلاج مریضوں نے شفاء پائی ہے۔

2۔تھیلیسیمیا کے علاج اور جگر کیلئے ٹانک ہے اور کینسر کی افزائش کو روکتی ہے۔

3۔سچی بوٹی کے استعمال سے خون صاف ہوتا ہے خون کو پتلا کر کے لوتھڑوں کو پگلا دیتا ہے۔

4۔اس کے متواتر استعمال سے برین ہیمبرج ،فالج ،ہارٹ اٹیک کے امکانات بہت کم ہو جاتے ہیں۔

5۔قدرتی جو دل و دماغ کی صلاحیت ہوتی ہے اس میں بوٹی کے استعمال سے صلاحیت میں بہت اضافہ ہو جاتا ہے۔

6۔خارش جیسی موزی مرض اور جلد کے امراض سے نجات مل جاتی ہے۔

7۔بوٹی کے استعمال سے بھوک بڑھتی ہے۔

8۔پھوڑے،پھنسیوں اور جلد کی دیگر امراض کا بھی علاج ہے۔

9۔سچی بوٹی قبض کشا ہے۔

سچی بوٹی کا مزاج

سچی بوٹی کا مزاج سرد خشک ہے اس لئے اس کے استعمال کے ساتھ مکھن،دودھ کا استعمال ضروری ہے۔

ترکیب استعمال

ترکیب استعمال یہ ہے کہ شام کو ایک گلاس پانی میں ایک چھٹانک سچی بوٹی کی جڑیں پانی میں بھگو دیں۔اور صبح گلاس کے پانی کو چھان لیں اور خالی پیٹ اس پانی کو پی لیں اور متواتر ایک ہفتہ اسی طرح پئیں اور ایک ہفتہ ناغہ کریں۔اسی طرح استعمال کرتے رہیں۔انشاء اللہ کینسر کے مریض کو شفاء ہوگی بلکہ دیگر بیماریوں سے بھی نجات ہوگی۔

سچی بوٹی کے پانی کا ذائقہ کڑوا سا ہوتا ہے اس لئے اس کا ذائقہ اپنے مزاج کے مطابق چینی،نمک،شہد ملا کر پی سکتے ہیں۔

حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ درس القرآن کے موقع پر سچی بوٹی اور کینسر کا ذکر فرماتے ہیں

آپ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ

”اس زمانے میں ایسے معجزات ہم نے دیکھے ہیں،اپنی آنکھوں کے سامنے کہ چیز بولتی دکھائی دی اور اس کی بات سچی نکلی۔ہمارے بشارت بشیر صاحب سندھی مرحوم (مربی سلسلہ) ان کے والد مغل نام (ماسٹر محمد پریل گونگ صاحب تھا)۔بہرحال ان کے والد حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر ایمان لے کر آئے اور بہت مخلص اور فدائی انسان ،بہت دعا گو اور سچے رویا اور کشوف دیکھنے والے۔ان کی بیوی کو رحم کا کینسر ہوا۔اس زمانے میں جلدی چونکہ پتہ نہیں لگا کرتا تھا۔آخر پر ڈاکٹروں نے لاعلاج قرار دیا اور کہا ایک ہفتہ سے زیادہ یہ زندہ نہیں رہ سکیں گے۔کیونکہ یہ کینسر پھیل گیا ہے اس وقت انہوں نے دعا کی رات کو تہجد کے وقت اور گریہ و زاری سے کی ڈاکٹروں کا کہنا کیا ہے۔میں تو صرف تجھ پر ایمان لاتا ہوں تو چاہئے تو اچھا کر سکتا ہے۔مجھے یقین ہے اور اسی حالت نماز میں کشفاً وہ بوٹی جو اس علاقے میں عام پائی جاتی تھی۔جسے ہم سچی بوٹی کہتے ہیں وہ بوٹی سامنے آ کر رقص کرنے لگی اور کہہ رہی تھی مجھے ہی استعمال کرو،شفاء ہو جائے گی۔اب کوئی کہہ سکتا ہے یہ فرضی بات ہے۔نفسیاتی تجربہ ہے لیکن شفاء ہو کیسے گئی پھر؟ وہی بوٹی انہوں نے لی ایک ہفتے کے اندر بجائے اس کے کہ وہ مرتیں وہ زندہ ہو گئیں۔تمام زندگی کے آثار واپس لوٹ آئے اور پھر لمبا عرصہ تک نہ صرف خود زندہ رہیں بلکہ ان کا یہ جو اعجاز تھا دعا کا وہ کثرت سے لوگوں کی زندگی کا موجب بنا۔اور United Nations میں جو ریسرچ ہو رہی تھی اس زمانے میں کینسر کی اس کو اس ریسرچ

سیل کے سامنے میرے بڑے بھائی مرحوم حضرت ڈاکٹر مرزا منور احمد صاحب نے ہسپتال کے اپنے تجربے کی گواہی لکھ کر اس کے نمونے بھیجے اور کہا کہ میں بطور ڈاکٹر اس بات کا گواہ ہوں کہ بہت سے ایسے کینسر میں جہاں طبی نقطہ نگاہ سے مریض کے بچنے کا کوئی سوال نہیں وہاں یہی بوٹی ہر دفعہ ایسے مریضوں کو بچانے میں کامیاب ہوجاتی ہے۔تو آپ بھی تجربہ کریں۔چنانچہ اسکے اوپر پھر Life میں بڑا زبردست Article چھپا اور انہوں نے تسلیم کیا کہ اس میں کوئی بات ہے ضرور۔اب یہ کشف تھا۔ایک بوٹی کھڑی ہو کر سامنے بول رہی تھی۔اور یہ رسول کریم ﷺ کے غلاموں کے غلام کا ایک قصہ ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام جو سب غلاموں میں سب سے آگے بڑھ گئے ان کے ایک ادنیٰ غلام کا قصہ ہے۔"

(درس القرآن ماہ رمضان مورخہ 10 رمضان بمطابق 11 فروری 1995 سورۃ آل عمران)

حضرت صاحبزادہ ڈاکٹر مرزا منور احمد صاحب چیف میڈیکل آفیسر کی شفقت اور قواعد وضوابط پر پابندی کا ایک واقعہ ہسپتال کے ایک کارکن کو جرمانہ اور معافی

حضرت صاحبزادہ ڈاکٹر مرزا منور احمد صاحب نے ہسپتال کے ایک کارکن کی غفلت کے نتیجہ میں نقصان پر اس کو پچاس 50 روپے جرمانہ کیا اور آرڈر کیا کہ یہ رقم ریفنڈ خزانہ صدر انجمن احمدیہ کروا کر رسید دفتر میں جمع کروائیں۔اس کارکن نے اپنی غلطی کا اعتراف کرتے ہوئے اور جرمانہ کی رقم ادا کرنے کی استطاعت نہ ہونے کی بناء پر معافی کی درخواست کی۔ حضرت میاں صاحب رحمہ اللہ نے اس کی معافی نامہ کی درخواست پر ارشاد فرمایا کہ

"کارکن کی غفلت ولا پرواہی کے نتیجہ میں سلسلہ کا نقصان ہوا ہے،معاف نہیں کرسکتا۔لہذا کارکن آرڈر کے مطابق 50 روپے ریفنڈ خزانہ کریں۔البتہ کارکن کے حالات کی بناء پر اکاؤنٹنٹ صاحب انہیں میرے ذاتی حساب سے پچاس روپے ادا کردیں۔"

حضرت میاں صاحب کی ایسی شفقتوں اور احسانات کی بے شمار مثالیں ہیں۔

وفات حضرت صاحبزادہ ڈاکٹر مرزا منور احمد صاحب رحمہ اللہ

آپ کا وصال مورخہ 19 ستمبر 1990 کو ہوا۔آپ چشم زون میں اس جہاں فانی سے رحلت فرما کر اپنے رفیق اعلیٰ سے جا ملے۔انا اللہ وان الیہ راجعون

كُلُّ مَن عَلَيهَا فَانٍ وَّ يَبقٰى وَجهُ رَبِّكَ ذُوالجَلَالِ وَالاِكرَامِ (الرحمن 27-28)

آپ سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے پوتے اور جماعت احمدیہ کے دوسرے خلیفہ حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کے فرزند ارجمند تھے۔

آپ واقف زندگی تھے۔بے نفس ہو کر خدمت کرنے والے وجود تھے۔ ساری زندگی انسانیت کی خدمت میں گزاری۔ڈاکٹر ہونے کی حیثیت سے مریضوں کی بے انتہا خدمت کی۔ہمیشہ مریض سے بڑی خوش اخلاقی،چہرہ پر بہت پیاری مسکراہٹ سے پیش آتے تھے۔غریب ونادار اور بیوگان مریضوں کا نہ صرف مفت علاج کرتے تھے بلکہ اپنے پاس سے ان کو خرچ غذا وغیرہ نقد رقم دیتے تھے۔غیر از جماعت بھی آپ کے بڑے گرویدہ تھے اور بہت پسند کرتے تھے۔

آپ مورخہ یکم فروری 1918ء کو قادیان (انڈیا) میں پیدا ہوئے۔آپ کی وفات مورخہ 19 ستمبر 1990ء کو تقریباً 73 سال کی عمر میں ہوئی۔

آپ کو غسل دینے والے معززین میں خاکسار کو بھی شامل ہونے کا شرف حاصل ہوا اور معززین اصحاب کا ہاتھ بٹایا۔

آپ کی نماز جنازہ حضرت صاحبزادہ میاں منصور احمد صاحب امیر مقامی نے پڑھائی۔اور دعا بھی انہوں نے کروائی۔جنازہ میں ربوہ اور ادارہ جات کے کثیر تعداد احباب شریک ہوئے۔آپکی تدفین چاردیواری قطعہ خاص بہشتی مقبرہ دارالفضل میں ہوئی۔

بلانے والا ہے سب سے پیارا
اسی پر اے دل تو جاں فدا کر



گلدستہ

مرتبہ اے آر خان۔



مولانا محمد قاسم نانوتوی اور تحذیر الناس

مولانا محمد قاسم نانوتوی کسی تعارف کے محتاج نہیں، مولانا اپنی گہری علمی قابلیت کی وجہ سے نا صرف ہندوستان بلکہ ہندوستان سے باہر بھی معروف تھے، آج بھی دیوبندی مسلک کے بڑے بزرگ شمار کیے جاتے ہیں، ان کی ایک نامور کتاب تحذیر الناس اصل میں ان کی مقبولیت کی وجہ بنی، جس میں آیت خاتم النبیین اور اثر ابن عباس پر نہایت علمی بحث فرمائی، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اہلِ علم تو ان کی علمی قابلیت کے اور بھی معترف ہو گئے لیکن بعض ایسے علماء جو محض پرانی تفسیروں اور اپنے مسلک کے بزرگوں کو ذریعہ نجات سمجھتے ہیں، ایسے علماء نے اس کتاب کی وجہ سے مولانا صاحب پر کفر کے فتویٰ کا بازار گرم کر دیا۔ کتاب کا بنیادی نکتہ اس بات کے گرد گھومتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نہ صرف خاتم النبیین ہیں بلکہ باقی انبیاء کی نبوت بھی ظلی ہے اور اصل مصدر آنحضرت ﷺ ہی ہیں، خاتم النبیین کی یہی تفسیر جماعت احمدیہ کرتی ہے تو ان پر قادیانی کافر کے نعرے بلند کیے جاتے ہیں، حضرت مولوی محمد قاسم صاحب نے ایک قطعی اور اصولی فیصلہ یہ فرمایا ہے کہ قرآن مجید میں لفظ خاتم النّبیین رسول مقبول ﷺ کے لئے مقامِ مدح میں استعمال ہوا ہے اور مقامِ مدح میں اس لفظ کا استعمال افضل النّبیین کے معنوں میں ہی مستعمل قرار پاسکتا ہے فضیلت کو تقدم یا تأخر زمانی سے کچھ واسطہ نہیں۔

مولانا تحریر فرماتے ہیں:۔

''اوّل معنی خاتم النّبیین معلوم کرنے چاہئیں تا کہ فہم جواب میں کچھ دقت نہ ہو۔ سوعوامؔ کے خیال میں تو رسول اللہ صلعم کا خاتم ہونا بایں معنی ہے کہ آپ کا زمانہ انبیاء سابق کے زمانہ کے بعد اور آپؐ سب میں آخر نبی ہیں مگر اہل فہم پر روشن ہوگا کہ تقدم یا تأخر زمانی میں بالذات کچھ فضیلت نہیں پھر مقامِؔ مدح میں وَلٰکن رسُول اللہ وخاتم النّبیین فرمانا اس صورت میں کیونکر صحیح ہوسکتا ہے؟ ہاں اگر اس وصف کو اوصافِ مدح قرار نہ دیجئے تو البتہ خاتمیّت باعتبار تأخر زمانی صحیح ہوسکتی ہے مگر مَیں جانتا ہوں کہ اہل اسلام میں سے کسی کو یہ بات گوارا نہ ہوگی۔'' (تحذیر النّاس ص ۳)

خاتم کے مطلب کو واضح کرنے کے لیے بادشاہ کی مثال دیتے ہوئے فرماتے ہیں۔

''جب یہ دیکھا جاتا ہے کہ علم سے اوپر کوئی ایسی صفت نہیں جس کو عالم سے تعلق ہو تو خواہ مخواہ اس بات کا یقین پیدا ہو جاتا ہے کہ حضرت رسول اللہ ﷺ پر تمام مراتبِ کمال اسی طرح ختم ہو گئے جیسے بادشاہ پر مراتبِ حکومت ختم ہو جاتے ہیں۔ اس لئے جیسے بادشاہ کو خاتمؔ الحکام کہہ سکتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کو خاتمؔ الکاملین اور خاتمؔ النّبیین کہہ سکتے ہیں۔''

(رسالہ حجۃ الاسلام شائع کردہ کتب خانہ رحیمیہ دیوبند ص ۴۵)

''سوائے آپ کے اور کسی نبی نے دعویٰ خاتمیت نہ کیا بلکہ انجیل میں حضرت عیسٰی علیہ السلام کا یہ ارشاد کہ جہاں کا سردار آتا ہے خود اس بات پر شاہد ہے کہ حضرت عیسٰی خاتم نہیں۔ کیونکہ حسب اشارہ مثال خاتمیتِ بادشاہ خاتم وہی ہوگا جو سارے جہاں کا سردار ہو۔ اس وجہ سے ہم رسول اللہ ﷺ کو سب میں افضل سمجھتے ہیں۔ پھر یہ آپ کا خاتم ہونا آپ کے سردار ہونے پر دلالت کرتا ہے۔'' (حجۃ الاسلام ص ۴۵۔۴۶)

مولانا نبی کے آنے کی مثال دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

''غرض اختتام اگر بایں معنی تجویز کیا جاوے جو میں نے عرض کیا تو آپؐ کا خاتم ہونا انبیاء گذشتہ ہی کی نسبت خاص نہ ہوگا۔ بلکہ اگر بالفرض آپ کے زمانے میں بھی کہیں اور کوئی نبیؔ ہو جب بھی آپ کا خاتم ہونا بدستور باقی رہتا

ہے۔'' (تحذیر الناس ص ۱۴)

''اگر خاتمیت بمعنی اتصاف ذاتی بوصف نبوت لیجئے۔ جیسا کہ اس ہیچمدان نے عرض کیا ہے تو پھر سوا رسُول اللہ صلعم اور کسی کو افراد مقصود بالخلق میں سے مماثل نبوی صلعم نہیں کہہ سکتے بلکہ اس صورت میں فقط انبیاء کے افراد خارجی ہی پر آپ کی افضلیت ثابت نہ ہوگی۔ افراد مقدرہ پر بھی آپ کی افضلیت ثابت ہوجائے گی۔ بلکہ اگر بالفرض بعد زمانہ نبوی صلعیم بھی کوئی بنی پیدا ہوتو پھر بھی خاتمیت محمدی میں کچھ فرق نہ آئے گا۔ چہ جائیکہ آپ کے معاصر کسی اور زمین میں یا فرض کیجئے اسی زمین میں کوئی اور نبی تجویز کیا جائے۔''

(تحذیر الناس ص ۲۸)

ان دو ۲ عبارتوں سے واضح ہے کہ جو معنی حضرت مولانا محمد قاسم صاحب بانی مدرسہ دیوبند خاتم النّبیین کے سمجھتے ہیں ان کے رُو سے آنحضرت ﷺ کے بعد کسی نبی کا پیدا ہونا بھی خاتمیت محمدیہ کے منافی نہیں کیونکہ یہ حقیقت روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ حضرت خاتم الانبیاء موصوف بوصف النّبوۃ بالذات ہیں۔ اور آپ کے سوا کوئی اور نبی بالذات اس وصف سے نہ متصف ہوا ہے اور نہ ہوسکتا ہے۔

خاتمیت زمانی کا وہ عام مفہوم جو عوام کے خیال میں ہے حضرت مولانا محمد قاسم صاحب اس سے اتفاق نہیں فرماتے جیسا کہ تحذیر الناس کے صفحہ ۳ پر آپ نے اس مفہوم کی واضح تردید فرمائی ہے۔ ہاں البتہ آپ نے آنحضرت ﷺ کو ان معنوں میں خاتم زمانی قرار دیا ہے کہ آپ نے اور نبیوں کی شرائع کو منسوخ فرمایا مگر آپ کی شریعت ابدالآباد تک قائم رہے گی۔ چنانچہ تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

''خاتم مراتب نبوّت کے اوپر اور کوئی عہدہ یا مرتبہ ہی نہیں۔ جو ہوتا ہے اس کے ماتحت ہوتا ہے اس لئے اس کے احکام اوروں کے احکام کے ناسخ ہوں گے۔ اوروں کے احکام اس کے ناسخ نہ ہوں گے۔ اور اسلئے یہ ضرور ہے کہ وہ خاتم زمانی بھی ہو۔''

(مباحثہ شاہجہانپور ص ۲۵)

'' آپ نے یہ ارشاد فرمایا کہ اگر حضرت موسیؑ بھی زندہ ہوتے تو میرا ہی اتباع کرتے۔ علاوہ بریں بعد نزول حضرت عیسیٰؑ کا آپ کی شریعت پر عمل کرنا اسی بات پر مبنی ہے۔'' (تحذیر الناس ص ۴)

قارئین کرام غور فرمائیں کہ مولانا محمد قاسم صاحب نے مباحثہ شاہجہانپور ص ۲۵ کی مذکورہ بالا میں ''ماتحت'' صاحبِ عہدہ و مرتبہ کو خاتم مراتب نبوت کے منافی قرار نہیں دیا اور تحذیر الناس ص ۴ میں مسیح موعود کو شریعت محمدیہ پر عمل کرنے والا قرار دیا ہے گویا آپ کے نزدیک آنحضرت ﷺ انہی معنوں میں خاتم زمانی ہیں کہ آپ کی شریعت آخری ہے اب جو آئے گا۔ وہ آپ کے ماتحت ہوگا۔ اور آپؐ کی شریعت کے تابع ہوگا۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ مولانا حیات مسیح کے قائل تھے یا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو وفات یافتہ تسلیم کرتے تھے، اس بارے مولانا کے یہ اقتباس واضح ثبوت ہیں کہ ان کے بزدیک ہر نبی وفات پاگیا۔

(۱) ''حضرت آدم علیہ السلام سے لیکر جس قدر انبیاء ہوئے سب مر گئے جس قدر بادشاہ اس زمانہ سے پہلے ہوئے وہ سب مر گئے۔ بزور دین کوئی چھوٹتا تو انبیاء چھوٹتے۔ اور بزور دنیا کوئی بچتا تو بادشاہ بچتے۔''

(لطائف قاسمیہ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ص ۲۲)

(۲) ''اسی زمانے میں اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی زندہ ہوتے تو ان کو چارونا چار رسول عربی ﷺ ہی کا اتباع کرنا پڑتا۔''

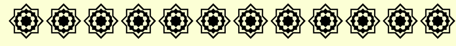
(مباحثہ شاہجہانپور ص ۳۳)

جماعت احمدیہ خاتم النّبیین کے معنوں اور تشریح میں اسی مسلک پر قائم ہے جو ہم نے بطور بالا میں جناب مولوی محمد قاسم صاحب نانوتوی کے حوالہ جات سے ذکر کیا ہے۔ زیادہ تفصیل کی گنجائش نہیں۔ حضرت مسیح موعودؑ بانیٔ سلسلہ احمدیہ علیہ السلام کے ایک اقتباس پر اس مضمون کو ختم کرتے ہیں۔ حضور تحریر فرماتے ہیں:۔

''عقیدہ کی رُو سے جو خدا تم سے چاہتا وہ یہی ہے کہ خدا ایک اور محمد ﷺ اس کا نبی ہے اور وہ خاتم الانبیاء ہے اور سب سے بڑھ کر ہے۔ اب بعد اس کے کوئی نبی نہیں مگر وہی جس پر بروزی طور سے محمدیت کی چادر پہنائی گئی کیونکہ خادم اپنے مخدوم سے جُدا نہیں اور نہ شاخ اپنی بیخ سے جدا ہے پس جو کامل طور پر مخدوم میں فنا ہو کر خدا سے نبی کا لقب پاتا ہے وہ ختم نبوت کا خلل انداز نہیں جیسا

کہ تم جب آئینہ میں اپنی شکل دیکھو تو تم دو نہیں ہو سکتے۔ بلکہ ایک ہی ہو اگرچہ بظاہر دو نظر آتے ہیں۔ صرف ظلّ اور اصل کا فرق ہے سو ایسا ہی خدا نے مسیح موعود میں چاہا۔‘‘ (کشتیٔ نوح ص ۲۲۔۲۳)

(نوٹ : اس مضمون کے لیے ماہنامہ الفرقان کی اکتوبر 1964 کی اشاعت سے فائدہ اٹھایا گیا ہے۔)



حضرت مسیح علیہ السلام کی زندگی اور نزول کے بارہ میں ایک گفتگو

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ حضرت مسیح موعود مرزا غلام احمد قادیانی علیہ السلام اپنے چند اصحاب کے ہمراہ دہلی میں جلوہ افروز ہوئے، تو چند غیر احمدی مولوی بھی سوال و جواب کی غرض سے وہاں حاضر ہوئے، اسی دوران کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام وفات مسیح پر بات کر رہے تھے، ایک مولوی صاحب نے نزول مسیح علیہ السلام سے متعلق سوال کرنا شروع کیے، اور حضرت صاحب نے جوابات عنایت فرمائے، وہ دلچسپ گفتگو قارئین کے لیے یہاں نقل کی جاتی ہے

مولوی صاحب:۔ تو جن روایات سے حضرت عیسیٰؑ کی زندگی ثابت ہے ان کو کیا کریں؟

حضرت اقدس علیہ السلام:۔ جو روایت قرآن اور حدیثِ صحیح کے مخالف ہو، وہ ردّی ہے۔ قابلِ اعتبار نہیں۔ قولِ خدا کے برخلاف کوئی بات نہیں ماننی چاہیے۔

مولوی صاحب:۔ اور جو وہ روایت بھی صحیح ہو۔

حضرت اقدسؑ:۔ جب قولِ خدا اور قولِ رسول کے برخلاف ہوگی تو پھر صحیح کس طرح؟ خود بخاری میں مُتَوَفِّیْکَ کے معنے مُمِیْتُکَ لکھے ہیں۔

مولوی صاحب:۔ ہم بخاری کو نہیں مانتے اور روایتوں میں مسیح کی زندگی لکھی ہے۔ قرآن کی تفسیروں میں لکھا ہے کہ مسیح زندہ ہے۔

حضرت اقدسؑ:۔ تمہارا اختیار جو چاہو مانو یا نہ مانو اور قرآن شریف خود اپنی تفسیر آپ کرتا ہے۔ خدا تعالیٰ نے مجھے اطلاع دی کہ حضرت عیسیٰؑ فوت ہو گئے اور کتاب اللہ اور احادیث صحیحہ کے مطابق یہ بات ہے۔ جس کے کان سننے کے ہوں سنے۔ قرآن و حدیث کے مخالف ہم کوئی روایت نہیں مان سکتے۔

مولوی صاحب:۔ اور جو وہ بھی صحیح ہو تو؟

حضرت اقدسؑ:۔ وہ صحیح ہو ہی نہیں سکتی۔

مولوی صاحب:۔ اگرچہ صحیح ہو۔

حضرت اقدسؑ:۔ میں کئی دفعہ سمجھا چکا ہوں۔ اب بار بار کیا کہوں۔ کتاب اللہ کے برخلاف جو روایت ہو وہ کس طرح صحیح ہو سکتی ہے؟

مولوی صاحب:۔ یہ کس نے لکھا ہے۔ کس کتاب میں درج ہے کہ برخلاف روایت ہو تو نہ مانو۔ امام بخاری نے بھی غلطی کھائی جو مُتَوَفِّیْکَ کے معنے مُمِیْتُکَ کر دیئے۔

حضرت اقدسؑ:۔ اگر بخاری نے غلطی کھائی تو تم اور کوئی حدیث یا لغت پیش کرو جہاں وفات کے معنے سوائے موت کے کچھ اور کیئے گئے ہوں۔

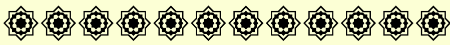
مولوی صاحب:۔ اچھا۔ حضرت عیسیٰؑ نے تو فرشتوں کے ساتھ نازل ہونا ہے۔ تمہارے ساتھ فرشتے کہاں ہیں؟

حضرت اقدسؑ:۔ تمہارے کندھوں پر جو دو فرشتے ہیں وہ تم کو نظر آتے ہیں جو یہ فرشتے تم کو نظر آجائیں گے؟

مولوی صاحب:۔ تو زینہ کہاں ہے جس کا ذکر آیا کہ اس پر سے عیسیٰ اُترے گا۔

حضرت اقدسؑ:۔ نزول کے یہ معنی نہیں جو تم سمجھتے ہو۔ یہ ایک محاورہ ہے۔ جب ہم مسافر سے پوچھتے ہیں کہ تم کہاں اُترے؟

اس کے بعد وہ لوگ اُٹھ کر چلے گئے‘‘۔



مقطعاتِ قرآنی

سورۃ یونس کی تفسیر کرتے ہوئے سیدنا حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد المصلح الموعود، خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے مقطعات قرآنی پر درج ذیل لطیف نکات بیان فرمائے:

حروف مقطعات اپنے اندر بہت سے راز رکھتے ہیں۔ ان میں سے بعض راز بعض ایسے افراد کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں جن کا قرآن کریم سے ایسا گہرا تعلق ہے کہ ان کا ذکر قرآن کریم میں ہونا چاہئے۔ لیکن اس کے علاوہ یہ الفاظ

قرآن کریم کے بعض مضامین کے لئے قفل کا بھی کام دیتے ہیں۔کوئی پہلے ان کو کھولے تب ان مضامین تک پہنچ سکتا ہے۔جس جس حد تک ان کے معنوں کو سمجھتا جائے اسی حد تک قرآن کریم کا مطلب کھلتا جائے گا۔

میری تحقیق یہ بتاتی ہے کہ جب حروف مقطعات بدلتے ہیں تو مضمون قرآن جدید ہو جاتا ہے اور جب کسی سورت کے پہلے حروف مقطعات استعمال کئے جاتے ہیں تو جس قدر سورتیں اس کے بعد ایسی آتی ہیں جن کے پہلے مقطعات نہیں ہوتے ان میں ایک ہی مضمون ہوتا ہے۔اسی طرح جن سورتوں میں وہی حروف مقطعات دہرائے جاتے ہیں وہ ساری سورتیں مضمون کے لحاظ سے ایک ہی لڑی میں پروئی ہوئی ہوتی ہیں۔

میں بتا چکا ہوں کہ میری تحقیق میں سورہ بقرہ سے لے کر سورہ توبہ تک ایک ہی مضمون ہے۔یہ سب سورتیں الٓمٓ سے تعلق رکھتی ہیں۔سورۂ بقرہ الم سے شروع ہوتی ہے۔پھر سورہ آل عمران بھی الم سے شروع ہوتی ہے۔پھر سورہ نساء،سورہ مائدہ اور سورہ انعام حروفِ مقطعات سے خالی ہیں۔اور اس طرح گویا پہلی سورتوں کے تابع ہیں۔جن کی ابتداء الم سے ہوئی ہے۔ان کے بعد سورۂ اعراف المٓصٓ سے شروع ہوتی ہے اس میں بھی وہی الم موجود ہے۔

ہاں حرف ص کی زیادتی ہوئی ہے۔اس کے بعد سورہ انفال اور براءۃ حروف مقطعات سے خالی ہیں۔پس سورۂ براءۃ تک الم کا مضمون چلتا ہے۔سورہ اعراف میں جو ص بڑھایا گیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ حرف تصدیق کی طرف لے جاتا ہے۔سورہ اعراف انفال اور توبہ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کامیابی اور اسلام کی ترقی کا ذکر کیا گیا ہے۔سورۂ اعراف میں اصولی طور پر اور انفال اور توبہ میں تفصیلی طور پر تصدیق کی بحث ہے اس لئے وہاں صٓ کو بڑھا دیا گیا ہے۔

سورہ یونس سے الم کی بجائے الر شروع ہو گیا ہے۔الٓ تو وہی رہا اور مٓ کو بدل کر رٓ کر دیا۔پس یہاں مضمون بدل گیا۔اور فرق یہ ہوا کہ بقرہ سے لے کر توبہ تک تو علمی نقطہ نگاہ سے بحث کی گئی تھی اور سورۂ یونس سے لے کر سورہ کہف تک واقعات کی بحث کی گئی ہے۔اور واقعات کے نتائج پر بحث کو منحصر رکھا گیا ہے۔اس لئے فرمایا کہ الٓرٰ یعنی انا اللہ اری۔میں اللہ ہوں جو سب کچھ دیکھتا ہوں۔اور تمام دنیا کی تاریخوں پر نظر رکھتے ہوئے اس کلام کو تمہارے سامنے رکھتا ہوں۔غرض ان سورتوں میں رویت کی صفت پر زیادہ بحث کی گئی ہے اور پہلی سورتوں میں علم کی صفت پر زیادہ بحث تھی۔

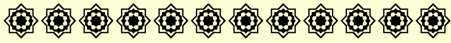
میں فی الحال اس جگہ اختصاراً اتنی بات کہہ دینا چاہتا ہوں کہ حروف مقطعات کے متعلق بعض لوگوں کا یہ خیال ہے کہ یہ بے معنی ہیں اور انہیں یونہی رکھ دیا گیا ہے۔مگر ان لوگوں کی تردید خود حروفِ مقطعات ہی کر رہے ہیں۔چنانچہ جب ہم تمام قرآن پر ایک نظر ڈال کر یہ کہتے ہیں کہ کہاں کہاں حروف مقطعات استعمال ہوئے ہیں تو ان میں ایک ترتیب نظر آتی ہے۔سورہ بقرہ الم سے شروع ہوتی ہے۔پھر سورۂ آل عمران الم سے شروع ہوتی ہے۔پھر سورۂ نساء سورۂ مائدہ سورۂ انعام حروف مقطعات سے خالی ہیں پھر سورۂ اعراف المص سے شروع ہوتی ہے۔اور سورہ انفال اور براءۃ خالی ہیں۔ان کے بعد سورۂ یونس،سورۂ ہود،سورۂ یوسف الر سے شروع ہوتی ہیں۔اور سورۂ رعد میں م بڑھا کر المٓرٰ کر دیا گیا ہے۔لیکن جہاں المٓصٓ میں صٓ آخر میں رکھا یہاں مٓ کو رٰ سے پہلے رکھا گیا ہے۔حالانکہ اگر کسی مقصد کو مدنظر رکھے بغیر زیادتی کی جاتی تو چاہئے تھا کہ میم کو جو زائد کیا گیا تھا راء کے بعد رکھا جاتا۔میم کو الرٰ کے درمیان رکھ دینا بتاتا ہے کہ ان حروف کے کوئی خاص معنی ہیں۔اور جب ہم دیکھتے ہیں کہ پہلے الٓمٓ کی سورتیں ہیں اور اس کے بعد الرٰ کی تو صاف طور پر معلوم ہو جاتا ہے کہ مضمون کے لحاظ سے میم کو راء پر تقدم حاصل ہے۔اور سورۂ رعد میں میم اور راء جب اکٹھے کر دیئے گئے ہیں تو میم کو راء سے پہلے رکھنا اس امر کو بالکل واضح کر دیتا ہے کہ یہ سب حروف خاص معنی رکھتے ہیں۔اسی وجہ سے ان حروف کو جو معنی تقدم رکھتے ہیں ہمیشہ مقدم ہی رکھا جاتا ہے۔سورۂ رعد کے بعد ابراہیم اور حجر میں الرٰ استعمال کیا گیا ہے۔لیکن نحل بنی اسرائیل اور کہف میں مقطعات استعمال نہیں ہوئے۔اور یہ سورتیں گویا پہلی سورتوں کے مضامین کے تابع ہیں۔ان کے بعد سورۂ مریم ہے جس میں کٓہٰیٰعٓصٓ کے حروف استعمال کئے گئے ہیں۔سورۂ مریم کے بعد سورہ طٰہٰ ہے اور اس میں طٰہٰ کے حروف استعمال کئے گئے ہیں۔اس کے بعد انبیاء،حج،مومنون،نور اور فرقان میں حروف مقطعات چھوڑ دیئے گئے ہیں۔گویا یہ سورتیں طٰہٰ کے تابع ہیں۔آگے سورۂ شعراء طٰسٓمٓ

سے شروع کی گئی ہے گویا طاء کو قائم رکھا گیا ہے اور ھاء کی جگہ س اور میم لائے گئے ہیں۔ اس کے بعد سورۂ نمل ہے۔ جو طٰسٓ سے شروع ہوتی ہے۔ اس میں سے میم کو اڑا دیا گیا ہے۔ اور طاء اور س قائم رکھے گئے ہیں۔ اس کے بعد سورہ قصص کی ابتداء پھر طٰسٓمٓ سے کی گئی ہے۔ گویا میم کے مضمون کو پھر شامل کر لیا گیا ہے۔ اس کے بعد سورۂ عنکبوت کو پھر الٓمٓ سے شروع کیا گیا ہے اور دوبارہ علم الٰہی کے مضمون کو نئے پیرایہ اور نئی ضرورت کے ماتحت شروع کیا گیا ہے۔ (اگرچہ میں ترتیب پر اس وقت بحث نہیں کر رہا لیکن اگر کوئی کہے کہ الٓمٓ دوبارہ کیوں لایا گیا ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ سورہ بقرہ سے الٓمٓ کے مخاطب کفار تھے اور یہاں سے الٓمٓ کے مخاطب مومن ہیں۔) سورہ عنکبوت کے بعد سورہ روم، سورہ لقمان اور سورہ سجدہ کو بھی الٓمٓ سے شروع کیا گیا ہے۔ ان کے بعد سورہ احزاب، سبا، فاطر بغیر مقطعات کے ہیں۔ اور گویا پہلی سورتوں کے تابع ہیں۔ ان کے بعد سورہ یٰسٓ ہے۔ جس کو یٰس کے حروف سے شروع کیا گیا ہے۔ اس کے بعد سورہ صافات بغیر مقطعات کے ہے۔ اس کے بعد سورہ صٓ حرف صٓ سے شروع کی گئی ہے۔ پھر سورۂ زمر حروف مقطعات سے خالی اور پہلی سورت کے تابع ہے۔ اس کے بعد سورہ مومن حٰمٓ سے شروع کی گئی ہے۔ اس کے بعد سورہ حٰمٓ سجدہ کو بھی حٰمٓ سے شروع کیا گیا ہے۔ پھر سورہ شوریٰ کو بھی حٰمٓ سے شروع کیا گیا ہے لیکن ساتھ حروف عٓسٓقٓ بڑھائے گئے ہیں۔ اس کے بعد سورۂ زخرف ہے اس میں بھی حٰمٓ کے حروف ہی استعمال کئے گئے ہیں۔ پھر سورہ دخان، جاثیہ اور احقاف بھی حٰمٓ سے شروع ہوتی ہیں۔ ان کے بعد سورہ محمد، فتح اور حجرات بغیر مقطعات کے ہیں اور پہلی سورتوں کے تابع ہیں۔ سورہ قٓ صرف ق سے شروع ہوتی ہے۔ اور قرآن کریم کے آخر تک ایک ہی مضمون چلا جاتا ہے۔

یہ ترتیب بتا رہی ہے کہ یہ حروف یونہی نہیں رکھے گئے۔ پہلے الٓمٓ آتا ہے۔ پھر الٓمٓصٓ آتا ہے۔ جس میں صٓ کی زیادتی کی جاتی ہے۔ پھر الٓمٓرٰ آتا ہے کہ جس میں ص پر چار اور حروف کی زیادتی ہے۔ پھر طٰہٰ لایا جاتا ہے اور پھر اس میں کچھ تبدیلی کر کے طٰسٓمٓ کر دیا جاتا ہے۔ یہ ایک ہی قسم کے الفاظ کا متواتر لانا اور بعض کو بعض جگہ بدل دینا بعض جگہ اور رکھ دینا بتاتا ہے کہ خواہ یہ حروف کسی کی سمجھ میں آئیں یا نہ آئیں جس نے انہیں رکھا ہے کسی مطلب کے لئے ہی رکھا ہے۔ اگر یونہی رکھے جاتے تو کوئی وجہ نہ تھی کہ کہیں ان کو بدل دیا جاتا، کہیں زائد کر دیا جاتا، کہیں کم کر دیا جاتا۔

علاوہ مذکورہ بالا دلائل کے خود مخالفین اسلام کے ہی ایک استدلال سے یہ مستنبط ہوتا ہے کہ مقطعات کچھ معنی رکھتے ہیں۔ مخالفین اسلام کہتے ہیں کہ قرآن کریم کی سورتوں کی ترتیب ان کی لمبائی اور چھوٹائی کے سبب سے ہے۔ اب اگر یہ صحیح ہے تو کیا یہ عجیب بات نہیں کہ باوجود اس کے کہ سورتیں اپنی لمبائی اور چھوٹائی کے سبب سے آگے پیچھے رکھی گئی ہیں ایک قسم کے حروف مقطعات اکٹھے آتے ہیں۔ الٓمٓ کی سورتیں اکٹھی آگئی ہیں۔ الٓرٰ کی اکٹھی۔ طٰہٰ اور اس کے مشترکات کی اکٹھی۔ پھر الٓمٓ کی اکٹھی۔ حٰمٓ کی اکٹھی۔ اگر سورتیں ان کے حجم کے مطابق رکھی گئی ہیں تو کیا یہ عجیب بات نہیں معلوم ہوتی کہ حروف مقطعات ایک خاص حجم پر دلالت کرتے ہیں۔ اگر صرف یہی تسلیم کیا جائے تب بھی اس کے معنی یہ ہوں گے کہ حروف مقطعات کے کچھ معنی ہیں۔ خواہ یہی معنی ہوں کہ وہ سورت کی لمبائی اور چھوٹائی پر دلالت کرتے ہیں۔ مگر حق یہ ہے کہ ایک قسم کے حروف مقطعات کی سورتوں کا ایک جگہ پر جمع ہو جانا بتاتا ہے کہ ان کے معنوں میں اشتراک ہے اور یہ حروف سورتوں کے لئے بطور کنجیوں کے ہیں۔

(تفسیر کبیر جلد سوم، صفحہ ۷ تا ۱۰)



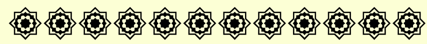
قرآن کریم سے شیعہ مذہب کی تردید

حضرت مولانا حکیم نورالدّین بھیروی خلیفۃ المسیح الاوّلؓ فرماتے ہیں:

میں نے ایک مرتبہ مالیر کوٹلہ میں مولوی شیخ احمد صاحب مجتہد سے کہا۔ یہ بتاؤ کہ کیا ثابت کیا جا سکتا ہے یا تمہارا اعتقاد ہے یا کسی شیعہ کا یہ اعتقاد ہے کہ قرآن شریف میں کوئی ایک پوری سورت بنا کر کسی نے داخل کر دی ہے' خواہ وہ مصنوعی سورت چھوٹی سے چھوٹی کیوں نہ ہو؟ انہوں نے کہا کہ نہیں کوئی بھی سورت قرآن شریف میں اضافہ نہیں کی گئی۔ ہاں یہ ممکن ہے کہ قرآن شریف میں سے بعض سورتیں یا بعض آیتیں کم کی گئی ہوں اور ترتیب بگاڑی گئی ہو۔ جب انہوں نے یہ فرمایا تو میں نے ان سے کہا کہ إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللَّهِ وَالْفَتْحُ وَرَأَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُونَ فِي دِينِ اللَّهِ أَفْوَاجًا سے معلوم ہوتا

ہے کہ افواج در افواج لوگ دین الٰہی میں داخل ہوتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے دیکھے۔آپ مجھے صرف ایک فوج اور ایک فوج بھی نہ سہی ایک فوج کے صرف ایک دستہ اور ایک دستہ بھی نہ سہی صرف دس پندرہ ہی نام سنا دیں (علی مرتضیٰؓ کے سوا شیعوں کے اعتقاد میں صرف دو ڈھائی شخص مومن تھے) یہ سن کر شیخ احمد صاحب مجتہد ایسے سٹ پٹائے اور گھبرائے کہ انہوں نے کہا کہ اول تو لفظ اذا کی تحقیق نقلی طور پر ہونی چاہئے۔پھر یہ کہ آیا زمانہ حادث ہے یا قدیم۔پاک ہے یا نجس۔متصل ہے یا منفصل۔ میں نے عرض کیا کہ اسے لکھ دیجئے کہ ہم اذا کے معنی نہیں جانتے۔انہوں نے لکھ دیا کہ ہم اذا کے معنی نہیں جانتے۔جب بعد میں دوسرے شیعہ لوگوں کو معلوم ہوا تو بڑا شور مچا کہ یہ کیا کیا کہ تحریر دے دی۔پھر تم مجتہد ہی کاہے کے ہوئے۔جب اذا کے معنی نہیں جانتے۔چنانچہ میرے پاس ان کے آدمی آئے اور خوشامد کرنے لگے کہ وہ پرچہ دے دو۔میں نے وہ پرچہ ان کو دے دیا۔

(مرقات الیقین فی حیات نورالدین،صفحہ ۲۶۸ تا۲۶۹)



دلچسپ مکالمہ مسلمان کون اور کافر کون؟

از جناب ارشاد احمد صاحب شکیب

چند دن ہوئے لائلپور میں میری ملاقات ایک ایسے صاحب سے ہوئی جو سابقہ جماعت اسلامی کے بڑے سرگرم اور فعال کارکن رہ چکے ہیں ۔رسمی تعارف کے بعد احمدیت پر گفتگو شروع ہوگئی۔انہوں نے یکدم احمدیت پر چند ایک اعتراضات کر ڈالے۔میں نے ان کی خدمت میں عرض کی کہ قبل اس کے کہ میں آپ کے اعتراضات کا جواب دوں مجھے آپ یہ بتا دیں کہ آپ ہمیں مسلمان سمجھتے ہیں یا کافر؟ جواب۔کافر

سوال ۔اچھا تو بتایئے کہ آپ خود کیا ہیں؟ ہندو ہیں،سکھ ہیں،عیسائی ہیں، یہودی ہیں یا کسی اور مذہب سے تعلق رکھتے ہیں؟

جواب ۔انہوں نے دیکھا کہ میں نے سوال میں اور سب کچھ کہہ ڈالا مگر مسلمان نہیں کہا۔تو وہ بڑے تلملائے اور تلملاہٹ کو چھپاتے ہوئے فرمانے لگے کہ ہم مسلمان ہیں۔

سوال۔میں کیسے تسلیم کروں کہ آپ مسلمان ہیں آپ کی پیشانی پر تو لکھا ہوا نہیں کہ آپ مسلمان ہیں آخر ایک کافر کو آپ کے مسلمان ہونے کا کیسے پتہ چلے گا۔؟

جواب۔میں اسلام کا پیرو ہوں ،کلمہ پڑھتا ہوں ،قرآن مجید پڑھتا ہوں ،قرآن کو خدا کی الہامی کتاب اور آخری شریعت مانتا ہوں ۔اور آنحضرت ﷺ کو خاتم النبیین مانتا ہوں۔اس لئے مسلمان ہوں۔

میں ۔کیا ان باتوں کے ماننے سے کوئی شخص مسلمان ہو جاتا ہے؟

وہ۔ضرور ہو جاتا ہے

میں ۔میں تو نہیں مانتا کہ ان باتوں کے ماننے سے کوئی شخص مسلمان ہو جاتا ہے یہ سب تو پرانی باتیں ہیں کوئی نئی بات بتائیں؟

وہ ۔میں کون سی نئی بات بتاؤں گا میں تو وہی باتیں بتاؤں گا جو اسلام نے شرائط بتائی ہیں۔

میں ۔اچھا تو اتنا اور بتا دیجئے کہ ان شرائط کو پورا کر کے فقط آپ ہی مسلمان ہو سکتے ہیں یا کوئی اور بھی کوئی دوسرا شخص بھی ہو سکتا ہے؟

وہ۔جو بھی ان شرائط کو پورا کرے وہ مسلمان ہو سکتا ہے۔

میں ۔تو لیجئے پھر مجھے مسلمان کر لیجئے میں آپ کے سامنے اعلان کرتا ہوں کہ میں ان سب باتوں پر ایمان لاتا ہوں؟

وہ۔کیا آپ آنحضرت ﷺ کو خاتم النبیین بھی مانتے ہیں۔

میں ۔جی ہاں۔ضرور مانتا ہوں یہ تو ہمارے ایمان کی بنیاد ہے۔

وہ ۔لیکن آپ لوگ خاتم النبیین کے ان معنوں پر ایمان نہیں لاتے جو ہمارے علماء کرتے ہیں؟۔

میں ۔یہ بتایئے کہ قرآن مجید عربی میں نازل ہوا ہے یا اُردو میں؟

وہ۔عربی میں

میں ۔تو پھر ہمیں قرآن مجید کے عربی الفاظ پر ایمان لانا چاہیے یا آپ کے علماء کے تراجم پر؟

اس پر وہ لاجواب ہو گئے اور کہنے لگے کہ بھئی مان گئے کہ مرزائیوں سے دلائل کے ساتھ بات کرنا بہت مشکل ہے۔

دو چار روز کے وقفہ کے بعد پھر انہی صاحب سے احمدیت کے موضوع پر گفتگو چھڑ گئی ۔ اور میں نے پوچھا کہ اب تو آپ ہمیں مسلمان سمجھنے لگ گئے ہوں گے؟ اس دوران ذرا ان سے بے تکلفی پیدا ہو چکی تھی ۔ اس لئے سنجیدہ منہ بنا کر فرمانے لگے کہ نہیں جناب ہم آپ کو اب بھی کافر ہی سمجھتے ہیں ۔

میں ۔ ٹھیک ہے کہ آپ رائے قائم کرنے میں آزاد ہیں جو چاہیں سمجھیں لیکن مجھے اتنا بتا دیں کہ کسی کو مسلمان یا کافر قرار دینا حق کس کا ہے؟

وہ ۔ علمائے اُمت کا

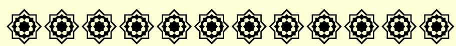
میں ۔ اچھا تو ہمیں اپنے مسلمان ہونے کا ایک سو ایک مرتبہ یقین ہے ۔ اور آپ کے کافر ہونے کا ایک سو دو دفعہ ۔

وہ ۔ (حیران ہو کر) یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں ۔

اس پر میں نے ایک ایسا پمفلٹ نکال کر اُن کے ہاتھ میں تھما دیا جس میں ۲۵ علماء نے مودودی صاحب کو ضال، مضل، اور دجال قرار دیا ہے ۔ اور کہا کہ آپ چونکہ کسی کو کافر یا مسلمان ہونے کا حق علمائے امت کو دیتے ہیں تو علمائے اُمت کی رائے تو آپ کے متعلق یہ ہے ۔ باقی رہا ہمارا معاملہ تو ہمارے نزدیک یہ حق صرف خدا اور اس کے رسولؐ کا ہے اس لئے اپنے مسلمان ہونے کا ہمیں کامل یقین ہے ۔

اس دن سے انہوں نے کافر کہنا ترک کر دیا ہے ۔

(ماہنامہ الفرقان، فروری 1961ء صفحہ 41)



داڑھی کے بارے میں حضرت مصلح موعودؓ کا لطیف ارشاد

داڑھی کے بارے میں آج کل بعض احمدی مسلمان نوجوان بھی لا پرواہی کرتے نظر آتے ہیں، اس لیے ضروری معلوم ہوا کہ حضرت مصلح موعود مرزا بشیر الدین محمود احمدؓ کا یہ لطیف بیان آپ کے سامنے پیش کیا جائے ۔

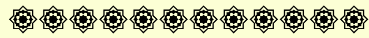
حضرت مصلح موعودؓ فرماتے ہیں:

''تیسری بات جس کی میں جماعت کو نصیحت کرنا چاہتا ہوں کہ ہماری جماعت کے افراد اپنے عمل میں درستی پیدا کریں ۔ چھوٹی چھوٹی باتیں جن کے چھوڑنے میں کوئی دقت نہیں، میں دیکھتا ہوں کہ ابھی تک انہی باتوں کو ہماری جماعت کے افراد نہیں چھوڑ سکے، مثلاً داڑھی رکھنا ہے ۔ میں دیکھتا ہوں ہماری جماعت میں ایسے کئی لوگ موجود ہیں جو داڑھی نہیں رکھتے ۔ حالانکہ اس میں کونسی دقت ہے آخر ان کے باپ دادا داڑھی رکھتے تھے یا نہیں؟ اگر رکھتے تھے تو پھر اگر وہ بھی داڑھی رکھ لیں تو اس میں کیا حرج ہے؟ پھر باپ دادا کو جانے دو سوال یہ ہے کہ محمد رسول اللہ ﷺ داڑھی رکھتے تھے یا نہیں؟ اگر رکھتے تھے تو آپؐ کی طرف منسوب ہونے والے افراد کیوں داڑھی نہیں رکھ سکتے؟ مجھ سے ایک دفعہ ایک نوجوان نے بحث شروع کر دی کہ داڑھی رکھنے میں کیا فائدہ ہے ۔ وہ میرا عزیز تھا اور ہم کھانا کھا کر اس وقت بیٹھے ہوئے تھے ۔ اور چونکہ فراغت تھی اس لئے بڑی دیر تک باتیں ہوتی رہیں ۔ جب میں نے دیکھا کہ کج بحثی کر رہا ہے تو میں نے اسے کہا میں مان لیتا ہوں کہ داڑھی رکھنے میں کوئی فائدہ نہیں ۔ اس پر وہ خوش ہوا کہ اس کی بات تسلیم کر لی گئی ہے ۔ میں نے کہا میں تسلیم کر لیتا ہوں کہ اس میں کوئی بھی خوبی نہیں مگر تم بھی ایک بات مان لو اور وہ یہ کہ محمد رسول اللہ علیہ وسلم کی بات مان لینے میں ساری خوبی ہے ۔ بے شک داڑھی رکھنے میں کوئی خوبی بھی نہ ہو ۔ مگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات مان لینے میں ساری خوبی ہے ۔ جب محمد رسول ﷺ کہتے ہیں کہ داڑھی رکھو ۔ تم بے شک سمجھو کہ یہ چیز ہر رنگ مضر اور نقصان دہ ہے مگر کیا بیسیوں مضر چیزیں ہم اپنے دوستوں کی خاطر اختیار نہیں کر لیا کرتے؟ اول تو مجھے داڑھی رکھنے میں کوئی ضرر نظر نہیں لیکن سمجھ لو کہ یہ مضر چیز ہے پھر بھی جب محمد رسول اللہ ﷺ کہتے ہیں کہ داڑھی رکھیں ۔ آخر ایک شخص کو ہم نے اپنا آقا اور سردار تسلیم کیا ہوا ہے ۔ جب ہمارا آقا اور سردار کہتا ہے کہ ایسا کرو تو ہمارا فرض ہے کہ ہم اس کے پیچھے چلیں خواہ اس کے حکم کی ہمیں کوئی حکمت نظر نہ آئے ۔ صحابہؓ کو دیکھو ان کے دلوں میں رسول کریم ﷺ کا کتنا عشق تھا ۔ داڑھی کے متعلق تو ہم دلیلیں دے سکتے ہیں اور داڑھی رکھنے کی معقولیت بھی ثابت کر سکتے ہیں ۔ لیکن صحابہ بعض دفعہ اس طرح رسول کریم ﷺ کی بات سن کر اس پر عمل کرنے کے لئے بے تاب ہو جاتے تھے کہ بظاہر اس کی معقولیت کی کوئی دلیل ان کے پاس نہیں ہوتی تھی ۔ ایک دفعہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم تقریر فرما رہے تھے کہ آپؐ نے کناروں پر کھڑے ہوئے لوگوں کی طرف دیکھ کر فرمایا ''بیٹھ جاؤ'' حضرت

عبداللہ بن مسعودؓ اس وقت گلی میں آرہے تھے ۔رسول کریم ﷺ کے یہ الفاظ ان کے کانوں میں پڑ گئے اور وہیں گلی میں بیٹھ گئے اور بچوں کی طرف گھسٹ گھسٹ کر انہوں نے مسجد کی طرف بڑھنا شروع کیا۔ایک دوست ان کے پاس سے گزرے تو انہیں کہنے لگے عبداللہ بن مسعود!تم اتنے معقول آدمی ہوکر یہ کیا کررہے ہو؟ انہوں نے کہا۔ابھی رسول کریم ﷺ آواز میرے کان میں آئی تھی کہ بیٹھ جاوٴ۔اس پر میں بیٹھ گیا۔انہوں نے کہا یہ بات ان لوگوں سے کہی تھی جو مسجد میں آپؐ کے سامنے کھڑے تھے۔عبداللہ بن مسعودؓ نے کہا تم ٹھیک کہتے ہو، بے شک آپؐ کا یہی مطلب ہوگا لیکن مجھے یہ خیال آیا کہ اگر میں مسجد میں پہنچنے سے پہلے مر گیا تو ایک بات رسول کریم ﷺ کی بغیر عمل کے رہ جائے گی۔اس لئے میں گلی میں ہی بیٹھ گیا تا کہ آپ کے حکم پر عمل کرنے کا ثواب حاصل کرسکوں۔

یہ ایمان ہے جو صحابہؓ کے اندر پایا جاتا تھا اور یہی ایمان ہے جو انسان کی نجات کا باعث بنتا ہے۔''

(الفضل،۱۴اپریل ۱۹۴۸ء)



مذاہب عالم کا عظیم الشان جلسہ

1896ء کے اواخر میں چند لوگوں نے مل کر لاہور میں ایک مذہبی کانفرنس منعقد کرنے کا ارادہ کیا اور اس کے لیے تمام مذاہب کے پیروان کو شامل ہونے کی دعوت دی جنہوں نے بڑی خوشی سے اِس بات کو قبول کیا۔بحث میں شرط تھی کہ کسی مذہب پر حملہ نہ کیا جاوے اور حسبِ ذیل پانچ مضامین پر مختلف مذاہب کے پیَروان سے مضامین لکھنے کی درخواست کی گئی:

(1)انسان کی جسمانی،اخلاقی اور روحانی حالتیں

(2)انسان کی زندگی کے بعد کی حالت

(3)دنیا میں انسان کی ہستی کی اصل غرض کیا ہے اور وہ کس طرح پوری ہو سکتی ہے۔

(4)کرم یعنی اعمال کا اثر دنیا و عاقبت میں کیا ہوتا ہے۔

(5)علم گیان و معرفت کے ذرائع کیا کیا ہیں۔

اس کانفرنس کا مجوزہ حضرتؑ کی خدمت میں بھی قادیان حاضر ہوا اور آپ نے ہر طرح اُن کی تائید کا وعدہ کیا بلکہ اصلی معنوں میں اِس کانفرنس کی بنیاد خود حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ہی رکھی تھی۔جو شخص بعد میں کانفرنس کا مجوز قرار پایا،قادیان آیا تو حضرت نے یہ تجویز پیش کی تھی۔چونکہ آپ کی غرض دنیا کو اس صداقت سے آگاہ کرنا تھا جو آپ لے کر آئے تھے اور آپ کا ہر کام نمود و نمائش سے بالا تر ہوتا تھا اِس لیے آپ نے اس شخص کو اس تحریک میں سعی کرنے پر آمادہ کیا اور اس کا پہلا اشتہار قادیان میں ہی چھاپ کر شائع کرایا۔اپنے ایک مرید کو مقرر کیا کہ وہ ہر طرح اُن کی مدد کرے اور خود بھی مضمون لکھنے کا وعدہ کیا۔ جب آپ مضمون لکھنے لگے تو آپ سخت بیمار ہو گئے اور دستوں کی بیماری شروع ہوگئی لیکن اس بیماری میں بھی آپ نے ایک مضمون لکھا اور جب آپ وہ مضمون لکھ رہے تھے تو آپ کو الہام ہوا کہ "مضمون بالا رہا"۔یعنی آپ کا مضمون اس کانفرنس میں دوسروں کے مضامین سے بالا رہے گا۔ چنانچہ آپ نے قبل از وقت ایک اشتہار کے ذریعہ یہ بات شائع کردی کہ میرا مضمون بالا رہے گا۔

اجلاس کانفرنس 28۔27۔26دسمبر 1896ء کو مقرر تھے۔جلسہ کے انتظام کے لیے چھ ماڈریٹر صاحبان مقرر تھے جن کے نام مندرجہ ذیل ہیں:۔

1۔رائے بہادر پرتول چندر صاحب جج چیف کورٹ پنجاب

2۔خان بہادر شیخ خدا بخش صاحب جج سمال کاز کورٹ لاہور

3۔رائے بہادر پنڈت رادھا کشن کول پلیڈر چیف کورٹ سابق گورنر جنرل جموں 4۔حضرت مولوی حکیم نور الدین صاحب طبیب شاہی

5۔رائے بہادر بھوانی داس ایم۔اے سیٹلمنٹ آفیسر جہلم

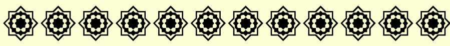
6۔سردار جواہر سنگھ صاحب سیکرٹری خالصہ کالج کمیٹی لاہور

اِس کانفرنس کے لیے مختلف مذاہب کے مشہور علماء نے مضامین تیار کیے تھے اِس لیے لوگوں میں اِس کے متعلق بڑی دلچسپی تھی اور بہت شوق سے حصہ لیتے تھے اور یہ جلسہ ایک مذہبی دنگل کا رنگ اختیار کر گیا تھا اور ہر مذہب کے پیرو اپنے اپنے قائم مقاموں کی فتح دیکھنے کے خواہشمند تھے۔اِس صورت میں تمام پُرانے مذاہب جن کے پیرو کثرت سے پیدا ہو چکے ہیں بالکل محفوظ تھے کیونکہ اُن کی داد دینے والے لوگ جلسہ گاہ میں کثرت سے پائے جاتے تھے لیکن مرزا صاحب کا مضمون ایک ایسے جلسے میں سنایا جانا تھا جس میں دوست برائے نام تھے اور سب

دشمن ہی دشمن تھے کیونکہ اُس وقت تک آپ کی جماعت دو تین سَو سے زیادہ نہ تھی اور اُس جلسہ میں تو شاید پچاس سے زائد آدمی بھی شامل نہ ہوں گے۔

آپ کی تقریر 27 دسمبر کو ڈیڑھ بجے سے ساڑھے تین بجے تک تھی۔ آپ خود تو وہاں نہ جا سکے تھے لیکن آپ نے اپنے ایک مخلص مرید مولوی عبدالکریم صاحب کو اپنی طرف سے مضمون پڑھنے پر مقرر کیا تھا۔ جب انہوں نے تقریر شروع کی تو تھوڑی ہی دیر میں ایسا عالم ہو گیا کہ گویا لوگ بُت بنے بیٹھے ہیں اور وقت کے ختم ہونے تک لوگوں کو معلوم ہی نہ ہوا کہ کس قدر عرصہ تک آپ بولتے رہے ہیں۔ وقت ختم ہونے پر لوگوں کو سخت تشویش ہوئی کیونکہ آپ کے مضمون کا ابھی پہلا سوال ہی ختم نہ ہوا تھا اور اُس وقت لوگوں کی خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی جب کہ مولوی مبارک علی صاحب سیالکوٹی نے، جن کا لیکچر آپ کے بعد تھا اعلان کیا کہ آپ کے مضمون کا وقت بھی حضرت صاحب کو ہی دیا جائے۔ چنانچہ مولوی عبدالکریم صاحب آپ کا لیکچر پڑھتے چلے گئے حتیٰ کہ ساڑھے چار بج گئے جب کہ جلسہ کا وقت ختم ہونا تھا لیکن اب بھی پہلا سوال ختم نہ ہوا تھا اور لوگ مُصِر تھے کہ اِس لیکچر کو ختم کیا جائے۔ چنانچہ منتظمین جلسہ نے اعلان کیا کہ بِلالحاظ وقت کے یہ مضمون جاری رہے جس پر ساڑھے پانچ بجے تک سنایا گیا تب جا کر پہلا سوال ختم ہوا۔

مضمون کے ختم ہوتے ہی لوگوں نے اصرار کیا کہ اِس مضمون کے ختم کرنے کے لیے جلسہ کا ایک دن اور بڑھایا جائے چنانچہ 28 تاریخ کے پروگرام کے علاوہ 29 تاریخ کو بھی جلسہ کا انتظام کیا گیا اور اُس روز چونکہ بعض اور مذاہب کے قائم مقاموں نے بھی وقت کی درخواست کی تھی اس لیے کارروائی جلسہ صبح کو بجائے ساڑھے دس بجے کے ساڑھے نو بجے سے شروع ہونے کا اعلان کیا گیا اور سب سے پہلے آپ ہی کا مضمون رکھا گیا اور گو پہلے دنوں میں لوگ ساڑھے دس بجے بھی پوری طرح نہ آتے تھے لیکن آپ کے پہلے دن کے لیکچر کا یہ اثر تھا کہ ابھی نو بھی نہ بجے تھے کہ ہر مذہب و ملت کے لوگ جوق در جوق جلسہ گاہ میں جمع ہونے شروع ہو گئے اور عین وقت پر جلسہ شروع کیا گیا۔ اُس دن بھی گو آپ کے مضمون کے لیے اڑھائی گھنٹے دیے گئے تھے لیکن تقریر کے اس عرصہ میں ختم نہ ہو سکنے کی وجہ سے منتظمین کو وقت اور دینا پڑا کیونکہ تمام حاضرین یک زبان ہو کر اس تقریر کے جاری رکھنے پر مُصِر تھے چنانچہ ماڈریٹر صاحبان کو وقت بڑھانا پڑا۔ غرض دو روز کے قریباً ساڑھے سات گھنٹوں میں جا کر یہ تقریر ختم ہوئی اور تمام لاہور میں ایک شور پڑ گیا اور سب لوگوں نے تسلیم کیا کہ مرزا صاحب کا مضمون بالا رہا اور ہر مذہب و ملّت کے پیرو اس کی خوبی کے قائل ہوئے۔ جلسہ کی رپورٹ مرتب کرنے والوں کا اندازہ ہے کہ آپ کے لیکچروں کے وقت حاضرین کی تعداد بڑھتے بڑھتے سات آٹھ ہزار تک ترقی کر جاتی تھی۔ غرض یہ لیکچر ایک عظیم الشان فتح تھی جو آپ کو حاصل ہوئی اور اس دن آپ کا سِکّہ آپ کے مخالفوں کے دلوں میں اور بھی بیٹھ گیا اور خود مخالف اخبارات نے اِس بات کو تسلیم کیا کہ آپ کا مضمون اِس کانفرنس میں بالا رہا۔ یہ مضمون وہی ہے جس کا انگریزی ترجمہ "ٹیچنگز آف اسلام" یورپ اور امریکہ میں خاص طور پر قبولیت حاصل کر چکا ہے۔

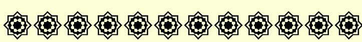




ایک عظیم قربانی

(چوہدری شبیر احمد)

حسین ابنِ علیؓ تیری عظمتوں کو سلام
یزیدیت کے مقابل پہ جرأتوں کو سلام
قیامِ حق کے لئے ایک عظیم قربانی
ترے عمل کی بلندی و وسعتوں کو سلام
شبیہ سرور(صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کونین پیکر اوصاف
ترے جمال ترے صبر ، قناعتوں کو سلام
زمیں پہ سجدہ ترا عرش پر شمار ہوا
تری جبین مقدس کی رفعتوں کو سلام
ترے لہو نے کیا کربلا کو ارضِ حرم
ہر ایک ذرے میں مستور جنتوں کو سلام
تری یہ جنگ عداوت نہ تھی محبت تھی
نبی کے دین سے تیری محبتوں کو سلام





مسجد بیت الامن، جرمنی



مسجد بیت الہادی، جرمنی



مسجد بیت الواحد، جرمنی



مسجد سلام، جرمنی